اوم

خمخانۂ رام

یعنی

کلیاتِ رام

خم دوم یعنی جلد دوم

مشمولہ مفصل سوانح عمری رام

مترجمہ

شری آر۔ ایس نارائن سوامی شاگرد رشید شری سوامی رام تیرتھ جی مہاراج

جسے

شری رام تیرتھ پبلیکیشن لیگ لکھنؤ نے

مطبع گلشنِ ابراہیم پریس لکھنؤ میں طبع کرایا

بار دوم

سن ۱۹۳۱ء

شری رام تیرتھ پبلیکیشن لیگ لکھنؤ کے مختصر قواعد

اِس انجمن کے اغراض و مقاصد یہ ہونگے۔

(ا) کہ ہر طرح سے شری سوامی رام تیرتھ مہاراج کی تصانیف انگریزی اور سوانحعمری کو خصوصاً

(ب) اور دیگر تصانیف کو جو انکی ملقین کے موافق ہوں عمدہ وضع قطع پر مضامین کی اصلیت و تصحیح کو قائم رکھتے ہوئے شائع اور کم از کم قیمت پر فروخت کیا جائے ؛

انجمن ہٰذا اس وہ اصحاب کہ جو سوامی رام تیرتھ جی کی تعلیم کے مقلد ہوں بطور (۱) مربی (۲) ممبر (۳) ہمدرد کے شریک ہو سکیں گے!

(۱) جو صاحب مبلغ ایکہزار روپیہ یکمشت یا زیادہ سے زیادہ تین قسطوں میں تاریخ درخواست سے ۱۲ ماہ کے اندر اندر عطا فرمائینگے وہ کل زرِ عطیہ کی واپسی پر انجمن بطور مربی کے داخل کئے جائینگے

(۲) جو صاحب مبلغ دوسو روپیہ یکمشت یا زیادہ سے زیادہ تین قسطوں میں تاریخ درخواست سے ۱۲ ماہ کے اندر اندر ادا کرینگے وہ انجمن میں کل زرِ عطیہ کی واپسی پر بطور ممبر کے داخل کئے جاوینگے

(۳) جو صاحب پچیس ۲۵ روپیہ یکمشت یا زیادہ سے زیادہ پانچ قسطوں میں تاریخ درخواست سے ۱۲ ماہ کے اندر اندر ادا کرینگے وہ انجمن میں بطور (associates) ہمدرد کے داخل کئے جائینگے

داخل شدہ عطیہ دہندگان کو اپنے زرِ عطیہ پر پانچ فیصدی سالانہ کے حساب سے لیگ کی طبع شدہ کتب کو بلا قیمت تا زندگی ہر سال لینے کا حق حاصل ہوگا۔

مفصل فہرست قوانین لیگ سے براہ مہربانی منگوا کر دیکھیں ؛

منتظم

شری رام تیرتھ پبلیکیشن لیگ لکھنؤ

چند الفاظ

نہایت خوشی کا مقام ہے کہ شری رام تیرتھ پبلیکیشن لیگ لکھنؤ کو ہندی و انگریزی تصانیفِ رام کی اشاعت کا بھاری کام ہونے ہوتے ہی کتاب ہذا کی اشاعت دوم کو نئی شکل و نام اور نرالی وضع قطع میں شائع کرنیکا اور پبلک تک پہنچانے کا مبارک موقع حاصل ہؤا۔ کتاب ہذا کی خوبی تو اسکے نام سے ہی اظہر من الشمس ہے کیونکہ قدرت کے برگزیدہ رکن اور پاک ہستی شہنشاہ رام کی زندگی کے حالات جتنے ہی پہلوؤں سے پیش نظر کئے جاویں اُتنی ہی زیادہ دلچسپی رکھتے ہیں اور یہ صاف ظاہر ہے کہ سوامی رام جیسے عارفِ کامل۔ عالمِ باعمل سچے صوفی اور خدا رسیدہ کی شخصیت کے بارہ میں جسقدر معلومات مہیا ہوں۔ وہ طالبانِ حقیقت کے لئے جامِ سُرور کا کام دیتی ہیں اور گمراہوں کے لئے سچا رہنما ثابت ہوتی ہیں۔ خاصکر اُن کی اپنی قلم سے قلمبند کئے ہوئے ذاتی تجربے تو نہ صرف دلچسپی ہی رکھتے ہیں بلکہ طالبانِ حق کی مایوسی کے لئے تیغِ قاطع مریضانِ حق کے لئے دارُوئے شفا اور راہ نوردانِ محبت کو منزلِ مقصود تک پہنچانے کے لئے مُرشدِ کامل کا کام بھی دیتے ہیں۔

سب سے پہلے لیگ مذکور نے اس پاک ہستی (رام) کے تمام کلام و تحریرات کو معہ مختصر حالاتِ زندگی کے ہندی زبان میں مسلسل ۲۸ حصوں میں شائع کیا اسکے بعد اُنکی انگریزی تقاریر و تحریرات کو چار جلدوں میں شائع کیا۔ اور اُردو میں ابھی تک کئی وجوہ سے صرف چار کتب (۱ خمخانۂ رام یعنی کلیاتِ رام جلد اوّل۔ ۲ رام برشا۔ ۳ رام سر اور ۴ مختصر سوانح عمری رام) ہی شائع ہو سکیں۔ وجہ خاصکر یہ کہ لیگ مذکور کا فنڈ زیادہ تر ہندی و انگریزی تقاریر و تصانیفِ رام کی لگاتار اشاعت میں صرف ہو گیا تھا۔ کیونکہ لیگ کا وچار تھا

حالات بعد جسمانی زندگی کے حالات کے مکمل شکل نہیں رکھتے اِسلئے ساتھ
قلبی زندگی کے جسمانی زندگیٔ رام بھی مفصل واضح کرکے دی گئی ہے۔
اس طرح یہ کتاب چار ابواب میں منقسم کی گئی ہے۔ باب اوّل میں حالاتِ
اوائل زندگی قبل از تیاگ دئے گئے ہیں جو سوامی رام کے اپنے ہی شاگرد
رشید سوامی نارائن جی کی قلم سے لکھے ہوئے ہیں۔ باب دوم میں رسالہ
الف کے آخری چھ نمبر دئے گئے ہیں جو جلوۂ کہسار کے نام سے نامزد ہیں
اور جن میں سوامی جی ممدوح نے اپنی ہی قلم سے اپنی قلبی حالت کو نہایت
صاف واضح کر دکھایا ہے۔ یعنی انکشافِ ذات سے پہلے اُن کے دل کی
کیا حالت تھی اور یہ آتم ساکشاتکار اُنہیں کیسے نصیب ہوا۔ اس سب
کا مفصل ذکر اُنہوں نے اس میں کیا ہے۔ اِس لئے اِس باب کا نام "عزمِ وصال
و عالمِ مستی" رکھا گیا ہے۔ اِس انکشافِ ذات کے بعد حقیقی مستی نے رام
میں ایسا رنگ جمانا شروع کر دیا تھا اور اُسی سے وہ جائیداری چھوڑ جنگلوں
میں چلے گئے تھے۔ اِس لئے تیسرے باب میں اُن کے تجردِ ذات و عالمِ تیاگ
کے حالات دئے گئے ہیں۔ جو سوامی نارائن جی مذکور کی ہی قلم سے لکھے
ہوئے ہیں۔ اور باب چہارم میں وہ سب مختلف تذکرے، قصیدے، نظم اور
حالات درج ہیں جو رام پیاروں نے سوامی رام پر اُن کے دیہہ تیاگ کے
بعد مختلف رسالوں و اخباروں میں دئے تھے۔ اس لئے اس کا نام "تذکرۂ
رام از قلم عاشقانِ رام" رکھا گیا ہے اور اِس باب کے آخر میں سوامی
رام کی اپنی قلم سے لکھی ہوئی وہ نظمیں جو "نظم معرّا" کے نام سے مشہور ہیں
(جو رسالہ الف کے آخری نمبر میں درج ہیں۔ اور جن کے بعد رسالہ الف بند
ہو گیا تھا) دی گئی ہیں۔ یہ نظمیں سوامی جی کے دل کا عین فوٹو ہیں۔ علاوہ
اِس کے سوامی جی ممدوح کا وہ آخری مضمون (خود مستی تمساکِ عروج)
جسے لکھتے لکھتے اُنہوں نے ملک الموت کو اپنی قلم سے مدعو

فہرستِ مضامین

نمبر	عنوانِ باب مع تفصیل	صفحہ
	بابِ اوّل (حالاتِ اوائل زندگی قبل از بناگ)	

شری سوامی رام تیرتھ
(مست فوٹو لکھنؤ- سنہ ۱۹۰۵

मस्त फोटो स्वामी रामतीर्थ (लखनऊ, १९०५)

SHUKLA PRESS, LKO

باب اوّل

حالاتِ اوائل زندگی قبل از تیاگ

(از قلم شری نارائن سوامی شاگرد رشید پرم ہنس سوامی رام تیرتھ جی مہاراج)

سوامی رام تیرتھ جی کی قلبی زندگی تو اُن کی تقریروں۔ خطوں غزلوں اور نظموں سے خود بخود مترشح ہو رہی ہے مگر اُن سے نہ جسمانی زندگی کا کچھ ٹھیک پتہ چلتا ہے اور نہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ نونہالِ اُمید کن کن حالتوں سے گزر کر اُس آخری معراجِ زندگی پر پہنچا جس کی خاطر تمام لوگ عموماً اور اہلِ مذہب خصوصاً تڑپ رہے ہیں۔

اِس کمی کو پورا کرنے کی غرض سے واجب سمجھا گیا کہ سوامی جی ممدوح کی جسمانی زندگی کے چند ضروری حالات بھی مختصراً واضح کر دیئے جائیں تاکہ رام پیارے سوامی جی کی روز مرہ کی عملی زندگی سے بھی واقف ہو جائیں۔ اور اگر ممکن ہو۔ تو اُس زندگی کے نمونہ پر اپنی زندگی بنانے کی بھی کوشش کر سکیں۔

تاریخ پیدائش و خاندان ۲۲ر اکتوبر ۱۸۷۳ء مطابق کارتک سُدی ایکم سمت ۱۹۳۰ بدھ وار دن ۲۵، گھڑی ۵۵.ل یعنے دیوالی کے عین دوسرے دن سوامی رام تیرتھ جی کا جنم صوبۂ پنجاب میں ضلع گجرانوالہ کے مُرالی[1] والہ گاؤں میں ایک اعلیٰ گوسوامی خاندان میں ہوا۔ یہ وہی خاندان (کُل) ہے کہ جس میں شری گوسوامی تلسی داس جی رامائن کے مشہور مصنف پیدا ہوئے تھے اور جس کے

[1] اِس گاؤں کا اصلی نام مُرالی والہ تھا۔ کرشن بھگتی کی اُمنگوں کے زمانہ میں تیرتھ رام جی بجائے مُرالی والہ کے مُراری والہ لکھا کرتے تھے۔ جس سے اُسکا نام مراری والا یا مُرالی والا پڑ گیا۔

نیچے آدھی کاندھے پر) پہنے ہُوئے ہی کی تھی۔ اور سردی کچھ اثر کرتی معلوم نہ ہوتی تھی
والد صاحب کی ہمشیرہ صاحبہ (یعنی تیرتھ رام جی کی پھُوا صاحبہ) بڑی نیکدل۔
پارسا و پریم کی پُتلی تھیں۔ روز مندروں۔ تیرتھوں۔ عبادتگاہوں میں جایا کرتی تھیں
جب جب پرستش گاہوں و مندروں میں جاتیں اپنے ساتھ ننھے رام تیرتھ کو (جو
اُس وقت تیرتھ رام کہلاتا تھا) بھی لیجاتیں۔ گاہے گاہے کتھا میں لیجاکر کتھا سُنواتیں
گاہے پُوجا و آرتی میں شامل کرکے اُن میں دھرم کا جذبہ بھڑکاتیں۔ پھُوا صاحبہ
کی آغوشِ محبت۔ صفائی باطن اور دھارمک حِت نے ننھے تیرتھ رام جی کے دِل
پر کچھ ایسا وجد کا اثر ڈالا کہ بچپن ہی میں اُنہیں عبادت گاہیں (مندر وغیرہ)
کتھائیں اور پرہیزگاری مرغوبِ طبع ہوگئیں۔ اور آوازِ ناقوس (سنکھ دھونی) بچپن
میں ہی اُن کے دِل پر جادُو بھرا اثر جمانے لگ پڑی۔ گُسائیں جی کے والد صاحب
(گسائیں ہیرانند جی) کا بیان ہے کہ جب رام نے تیسرے سال میں قدم رکھا
اُس وقت میں اُس کو اتفاقیہ ایک دن اپنے ساتھ لیکر دھرم شالہ کتھا سُننے
گیا۔ اور جبتک میں کتھا سُنتا رہا۔ یہ ننھا بچّہ نہایت غور اور تحقیق سے کتھا کہنے
والے پنڈت کی طرف تکتا رہا۔ جب دُوسرے دن تقریبًا اُسی وقت کتھا کا سنکھ
بجا۔ تیرتھ رام نے رونا شروع کردیا۔ میں نے اُسکو چُپ کرانے کے لئے کئی مختلف
کھلونے اور مٹھائی دینی چاہی۔ مگر یہ بچّہ کھلونوں اور مٹھائی کے لالچ میں بالکُل
نہ آیا۔ بلکہ کھلونے وغیرہ سب پھینک دیئے۔ اور لگاتار روتا رہا۔ اِتنے میں میں
کتھا سُننے کے لئے جانے لگا۔ اور تیرتھ رام کو بھی ساتھ لے جانے کے لئے گود میں
اُٹھا لیا۔ جُونہی میں نے اُس کو اُٹھا کر دھرم شالہ کا رُخ کیا وُہ بالکُل خاموش
ہوگیا۔ مجھے یہ بہت ہی اچنبھا (تعجب) سا معلوم ہُوا۔ اور میں آزمانے کے لئے
پھر تھم گیا۔ بچّہ نے پھر رونا شروع کردیا۔ جب میں پھر آگے بڑھا تو خاموش

اِس امر سے بخوبی واقف ہو جائیں کہ اُنکے سابقہ جنم کے سنسکار بھی کیسے
زبردست اور اعلیٰ تھے جو بچپن میں ہی اپنا رنگ دکھانے اور جمانے لگے ؀
بکرمی سمت ۱۹۳۰ سالباہن شاکھا ۱۷۹۵ء دکھشنائیں سورج (آفتاب اپنی
جنوبی ہیں) شرد رتو (موسمِ بہار) کارتک ماس شکل پکھش پرتی پدا (کارتک
سُدی ایکم) بُدھ وار گھڑی ۲۵ پل ۵۵۔ سواتی نکھشتر ۳۱ گھڑی ۲۵ پل۔
پریتی یوگ گھڑی ۲۹ پل ۴۹۔ بب کرن ابونگ پنچانگ طلوعِ آفتاب سے
۲۴ گھڑی ۴۸ پل کے بعد کارتک دن آٹھ یمن لگن میں گسائیں رام مل
جی کے بیٹے گسائیں ہیرانند جی کے گھر میں بالک (تیرتھ رام) کا جنم ہُوا۔ جس
کا جنم نام سواتی نکھشتر کے انت چرن میں پیدا ہونے کے کارن تاراچند
رکھا گیا۔ اور تُلا راشی ہُوا ؀

سُنا جاتا ہے کہ جنم گھڑی دیکھکر جوتشیوں (نجومیوں) نے یہ پیشینگوئی کی
کہ یہ لڑکا دُنیاوی رنج و راحت کو لات مار کر سُرورِ ابدی کے سمندر کی
لہروں پر تیرے گا۔ اور عشقِ مجازی کے دریا کو عبور کرکے عشقِ حقیقی کے
اتھاہ اور بے پایاب آب میں غوطہ زن ہوگا۔ عالم کی سیر کریگا اور نہ
صرف اپنے خاندان بلکہ بھارت بھومی کی تواریخ کو از سرِ نو سُنہری جامہ پہنائیگا

(۱۰) اگر براہمن ہو تو موت پانی میں اور اگر کھشتری ہو تو موت مکان پر سے گر کر ÷

تیرتھ رام جی کی جنم کنڈلی کے لکھنے والے جوتشی (نجومی) نے جنم پتر کے آخر میں جنم راشی کو نو حصوں میں تقسیم کر کے مفصلۂ ذیل مختصراً پیشین گوئیاں کی ہیں وہ پہلے حصہ میں دولت کا آنند لینے والا ہو۔ دوسرے حصہ میں دولت کا مالک یعنی خزانچی ہو۔ تیسرے حصہ میں غریب یعنی بے زر رہے۔ چوتھے حصہ میں گفتگو کرنے کے نا قابل ہو۔ پانچویں حصہ میں اپنے خاندان کے دھرم کے مطابق عمل کرنے والا ہو۔ چھٹے حصہ میں غیر عورت سے کوئی نا واجب تعلق ہو۔ ساتویں حصہ میں ماں باپ کو ناننے والا (نامور کرنے والا) ہو۔ اور اپنے کُل (خاندان) میں سب سے اعلیٰ نکلے۔ آٹھویں حصہ میں سرکار دربار میں عزت پاوے۔ نویں حصہ میں نہایت صاحب نصیب ہو + پیدا ہوتے ہی شروع سال میں پہلے چھٹے۔ نویں۔ اور گیارھویں ماہ میں روگی یعنی کسی مرض میں مُبتلا ہو۔ اوائل عُمر کے تیسرے اور پانچویں برس میں بیماری کی تکلیف میں مُبتلا ہو۔ پانچویں برس میں پڑھنے کی طرف راغب ہو۔ ساتویں اور تیرھویں برس میں اُوپر سے یعنی کوٹھے پر سے گرے۔ جلا گھات یعنی جل میں غرق ہونا نویں۔ اکیسویں یا آخر بتیسویں برس میں ہو (یہ آخری پیشینگوئی تو قریبًا لفظ بلفظ ٹھیک نکلی ہے) علم میں ترقی تئیسویں برس میں ہو۔ ۲۴ یا ۲۵ برس کی عُمر میں راج پراپتی یعنی عُہدۂ حکومت ملے۔ برس ستائیس میں راج کلش یعنی عُہدے سے دست بردار ہو۔ عُمر ۲۲ یا ۴۱ یا ۵۲ میں کسی انگ (عضو) میں نُقص واقع ہو جائے۔ وغیرہ وغیرہ ÷

جب سوامی جی کی جسمانی زندگی پر شروع سے آخر تک غور سے نظر ڈالی جائے

کی ذہانت پر لسا اوقات بہت متعجب اور انگشت بدنداں ہوتے تھے۔ اِس چھوٹی سی عمر میں اسکول کی پانچویں جماعت تک تیرتھ رام جی نے فارسی زبان میں گلستان و بوستاں علاوہ اسکول کی کتابوں کے پڑھ لی تھیں۔ اور اُردو کورس کی نظموں کی نظمیں از بر کر لی تھیں۔ کھیل کود کا انہیں مطلقاً شوق نہ تھا۔ اور نہ آوارہ بچوں کی سی عادتیں اُن میں داخل ہونے پائی تھیں سارا دن وُہ اپنے پڑھنے لکھنے میں گذارتے۔ اور شام کو جب اسکول سے چھٹی ملتی سیدھے دھرم شالہ کو کتھا سُننے چلے جاتے اور وہاں سے گھر واپس آ کھانے پینے سے فارغ ہو دھرم شالہ میں دن بھر کی سُنی ہُوئی کتھا بلا کم و کاست جُوں کی تُوں اپنے رشتہ داروں کو بستر پر جانے سے پیشتر سُنایا کرتے تھے؛

اِس خُدا داد لیاقت و ذہانت کے سبب تیرتھ رام جی نے بجائے پانچ سال کے قریباً تین سال کے قلیل عرصہ میں پرائمری (ابتدائی تعلیم) کا سارٹیفکیٹ (سند) نہایت کامیابی سے حاصل کر لیا تھا۔ یعنی پہلے سال میں پہلی اور دُوسری دُوسرے سال میں تیسری اور چوتھی۔ اور تیسرے سال میں پانچویں جماعت کی تعلیم ختم کی۔ اور درجۂ اوّل میں پاس ہُوئے۔ اور وظیفہ بھی حاصل کیا؛

فرض کی شناخت تیرتھ رام جی کے والد صاحب سے سُنا گیا ہے کہ جب رام ابتدائی تعلیم اپنے گاؤں میں ختم کر چکے تو مجھے کہنے لگے "پتا جی! مدرسے کے مولوی صاحب (مولوی محمد علی) نے میرے ساتھ بہت محنت کی ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ ہمارے گھر میں جو بھینس ہے وُہ اُستاد صاحب کی خدمت میں نذر کی جائے کیونکہ حق اُستادانہ ادا کرنا ہمارا فرض ہے"؛ غور کی جاء ہے کہ یہ نو دس سال کا لڑکا حق و ناحق کی کیسی شناخت رکھتا تھا۔ اور روزِ اوّل سے فرض اور استحقاق کے ساتھ اسے کسقدر محبت و اُنس تھی؛

بھگت دھنا رام جی

مرشد سوامی رام قبل سنیاس آشرم

भगत धन्नारामजी

मुर्शिद स्वामी राम क़ब्ल संन्यास आश्रम

Ganga Fine Art Press, Lucknow

سے علیحدہ ہونے کا تیرتھ رام جی کو ملا تو اُنھوں نے اپنی سسرال سے گوروُ جی کو یہ خط لکھا۔ اور یہ خط بنام اپنے گوروُ کے تیرتھ رام جی کی زندگی میں پہلا ہے۔ اس کی اصلی کاپی نیچے دیجاتی ہے تاکہ سوانحعمری کے پڑھنے والوں کو معلوم ہو جائے کہ اس چھوٹی سی عمر میں بھی تیرتھ رام جی زبان اُردو میں کیسے لائق تھے۔ اور اوائل عمر میں ہی اُنکو اپنے گوروُ مہاراج کے ساتھ کسقدر تعظیم و محبت (بھگتی) تھی۔ ساتھ ہی وہ اپنے گوروُ جی پر کیسے فدا تھے ؛

نقلِ خط

"از دیرو کے"

۲۴ مئی ۱۸۸۸ء رہنمائے سالکان و پیشوائے عارفاں سلامت

"آپ کا نوازش نامہ مجھے بدوکی کے میلے سے ایک دن پہلے ملا تھا۔ اس میں لکھا تھا کہ "میلہ کو آویں گے"۔ اس واسطے مَیں بھی میلہ کو گیا۔ مگر مجھے آپکے درشن نہ ہوئے۔ اور یہاں لفافے نہیں ملتے۔ اس واسطے خط میں دیری ہوئی۔ اور آج اس کارڈ کی خاطر وزیر آباد ہوں۔۔۔ اگر کوئی قصور سرزد ہوا ہو۔ تو معاف فرمائیں" ؛

غلام تیرتھ رام

اس گوروُ بھگتی کے ساتھ تیرتھ رام جی اپنی تعلیم میں بھی بکثرت محنت کرتے تھے کہ اکثر اپنی جماعت میں اوّل ہی رہا کرتے تھے۔ مگر شادی شدہ ہونے پر بھی ۱۴½ برس کی عمر میں اُنھوں نے انٹرنس کا امتحان دیا اور اپنے امتحان کے نتیجے کو مفصل اپنے گوروُ جی کے پاس یُوں لکھ بھیجا۔

۱۸ مئی ۱۸۸۸ء جناب ست گوروُ جی مہاراج بھگت صاحب۔ مجھپر خوش رہو۔ مَیں سوموار کے دن مشن کالج میں داخل ہو گیا۔ اور ایک مکان وچھووالی میں ایک روپیہ مہینہ کرایہ پر لیا ہے۔ اُس مکان کا مالک مہتاب رائے مشر ہے

اِس لئے خط مجھے اُسکی معرفت لکھا کرو۔ اور میرا وظیفہ نہیں لگا۔ اور نہ ہی
مَیں اوّل درجے میں پاس ہُوا ہُوں۔ میرا نمبر پنجاب میں اڑتیسواں[۳۸] ہے۔
یہاں مشن کالج میں ساڑھے چار روپیہ فیس ہے۔ فقط۔ زیادہ آداب"۔

تیرتھ رام۔ الف۔ اے کلاس۔ مشن کالج لاہور۔

اِس کے کچھ ماہ بعد گورُو جی کی مدد سے تیرتھ رام جی کو میونسپل کمیٹی گوجرانوالہ سے وظیفہ ملا۔ کیونکہ اُنھوں نے میونسپل ہائی اسکول سے امتحان دیا تھا۔ اور وہ ضلع گوجرانوالہ میں اوّل رہے تھے۔

اعلیٰ تعلیم اِس موقع پر یہ بیان کرنا خالی از دلچسپی نہ ہوگا کہ تیرتھ رام جی اپنے گھر سے رُوٹھ کر کالج میں داخل ہونے کے لئے لاہور چلے آئے تھے۔ کیونکہ اُنکے والد صاحب اُنکو آگے پڑھانا نہیں چاہتے تھے۔ اور تیرتھ رام جی اُنکے برخلاف تھے۔ اِسلئے متواتر ایک سال تک (الف۔ اے کے زمانہ میں) وُہ اپنے قصبہ مرالی والہ میں ایک دفعہ بھی نہیں گئے۔ اور محض اُس وظیفہ پر جو میونسپل کمیٹی گوجرانوالہ سے بوجہ اسکول میں اوّل رہنے کے ملا تھا گزارہ کرتے رہے۔ لئے خالُو صاحب پنڈت رگھناتھ مل اور اپنے گورُو بھگت دھنّا رام جی کی امداد و حوصلہ افزائی سے تعلیم میں وُہ ثابت قدم رہے۔ کتنی مدّت تک گاؤں جانے کا عزم تک نہ کیا۔ حالانکہ مرالی والہ لاہور سے بہت دُور نہ تھا۔ مگر بعد میں والد صاحب کے اصرار پر چند روز کے لئے اپنے لواحقین سے ملنے چلے گئے ؛

ایف۔ اے کے دُوسرے سال (سیکنڈ ائیر) میں رام بہت محنت کرنے لگے۔ اور اسی وجہ سے اکثر بیمار رہنے لگے۔ اِس پر بھی اُنہیں ایکانت سیون اور محنت کا اِسقدر اشتیاق تھا کہ اپنے ایک خط میں اپنے خالُو صاحب کو وُہ یُوں

لکھتے ہیں کہ "مری سب سے بھاری ضرورت (۱) ایکانت (تنہائی) اور (۲) وقت ہے ؛ اے پرماتما (۱) تحمّلی من (۲) ایکانت جگہ اور (۳) وقت اِن تین چیزوں کا میرے لئے کبھی کال نہ ہو ؛ خالو صاحب! یہ میرا ارادہ ہے۔ آگے پرمیشور کا اختیار ہے" ؛

ایشور سے اِن پرارتھناؤں (دُعاؤں) کا تیرتھ رام جی کو یہ پھل مِلا کہ باوجود متواتر بیمار رہنے کے وہ ۱۸۹۰ء میں ایف اے کے امتحان میں اپنے کالج میں شاید اوّل رہے۔ اور سرکاری وظیفہ بھی حاصل کیا۔ اور بی اے کی تعلیم بھی اُسی مشن کالج کی گود میں جاری رکھی ؛

اِس طرح تعلیم کو آگے متواتر جاری رکھنے سے جب والد صاحب کو معلوم ہُوا اور یقین ہو گیا کہ تیرتھ رام بغیر ہماری امداد کے بھی تعلیم جاری رکھ سکتا ہے۔ اور ہماری مرضی مطابق ملازمت وغیرہ کرنے کو تیار نہیں ہوتا۔ تو وُہ غصّہ میں آکر تیرتھ رام جی کی نوجوان بلکہ بالک اِستری (بیوی) کو بھی لاہور میں اُن کے پاس چھوڑ گئے اور خود کسی طرح کی مدد وغیرہ کرنے کو تیّار نہ ہوئے ؛ اُس وقت نوجوان گسائیں تیرتھ رام جی کو بڑی دِقتوں کا سامنا کرنا پڑا ؛ (۱) مکان کا کرایہ (۲) کتابوں اور فیس کا بوجھ (۳) اپنا اور بیوی کا خرچ وغیرہ وغیرہ۔ مگر سچ ہے "مستقل ارادہ مشکلات کے پہاڑوں کو چیر دیتا ہے۔ مایوسی کے گھنے بادلوں کو چھن بھن (پاش پاش) کر دیتا ہے" ؛

ایک دفعہ وظیفہ کے روپے گسائیں جی نے کتابوں پر خرچ کر دیئے۔ اور دیگر خرچ کے لئے اُس وقت کچھ خیال نہ کیا۔ مگر بعد میں سخت مصیبت پیش آئی حساب لگانے سے معلوم ہُوا کہ اِس مہینے میں اُنکے حصّے میں تین پیسے روز بچتے ہیں۔ پہلے تو گھبرائے۔ پھر سنبھل کر بولے۔ "بھگوان ہماری آزمائش کرتا

چاہتا ہے۔ آخر فقیر بھی تو دو تین پیسے میں دن کاٹتے ہیں۔" اس حساب سے گوسائیں جی دو پیسے کی صبح اور ایک پیسے کی شام کو روٹی کھاکر دن کاٹنے لگے۔ ایک دن شام کو جب روٹی کھانے دوکان میں گئے تو دوکاندار نے کہا کہ "دو تم روز ایک پیسے کی روٹی کے ساتھ دال مفت میں کھا جاتے ہو۔ جاؤ۔ میں ایک پیسے کی روٹی نہیں بیچتا" یہ حال دیکھ کر نوجوان تیرتھ رام جی نے دل میں عزم کیا کہ چلو جب تک اور روپیہ نہیں ملتا۔ چوبیس گھنٹوں میں ایک ہی وقت بھوجن کیا جائے گا۔

اس قدر تنگی اور مفلسی میں بھی گوسائیں جی کے دل میں جسقدر محنت کا اشتیاق و وقت کا لحاظ تھا۔ جو فوقیت وہ ظاہر داری کی نسبت باطنی حالت کو دیتے تھے اور ساتھ ساتھ گورو بھگتی و ایشور کا جیسا دھیان رکھتے تھے وہ کُل کے کُل اُن کے خطوں سے جو اُن دنوں انہوں نے اپنے قابلِ تعظیم گورو مہاراج دھنّا بھگت جی کو لکھے بڑے زور سے مترشح ہو رہے ہیں۔ مثال کے طور پر چند خط نیچے دئے جاتے ہیں۔

خط نمبر ا

सत्यं ज्ञानमनन्तं (ब्रह्म) आनन्दामृत शान्ति-
निकेतन, मंगलमय शिवरूपम्, अद्वैतम् अतुलम्
परमेशम्, शुद्धम् अपाप विद्धम्।*

سینم گیان۔ اننتم برہم۔ آنند آمرت۔ شانتی نکیتن۔ منگل مئے۔ شو روپم۔ ادوئیتم۔ اتُلم۔ پرمیشم۔ شدھم۔ اپاپ وِدھم۔ میں آپکے چرنوں میں سب کچھ ارپن کرتا ہوں۔ آپ دیا رکھیں

۲۴ رجون ۱۸۹۰ء

مہاراج جی! آپ مجھ پر خفا ہیں۔ مگر میں جانتا ہوں کہ اس خفگی کی وجہ

---

* سنسکرت میں یہ القاب ہُو بہو رام تیرتھ جی کے خط کی نقل ہے۔

سوائے اسکے (کہ آپ نے میرے دِل کو نہیں دیکھا اور صرف ظاہرداری کی باتوں کو دیکھکر ہی میری بابت میرے قیاس کر بیٹھے ہیں) اور کوئی نہیں ہے۔ اگر آپ میرے دِل کو دیکھیں تو مَیں اُمید کرتا ہُوں کہ آپ خفا نہ ہوں ؛

آپ نے یہ نہ خیال کرنا کہ اگر میری طرف سے ظاہرداری کے کسی معاملہ میں کوتاہی ہوگئی ہے تو اِس کی وجہ (میرے دِل کا عقیدہ آپ کی طرف سے ہٹ جانا) ہے۔ یہ بات ہرگز نہیں ہے۔ کیونکہ مَیں ہر کام میں آپ کی مدد کا محتاج ہُوں اور اپنے من میں سدا آپ کا خیال رکھتا ہوں۔ اوّل تو پڑھنے وغیرہ۔ یاکسی اور بھلے کام کی طرف چِت لگنے میں آپکی مدد درکار ہے۔ پھر اُس کام کے لئے تیّاری کرنے میں سامان بہم پہنچانے میں آپکی مدد درکار ہے۔ پھر اگر اُس کام میں محنت کی جائے تو محنت کے سپھل ہونے میں آپکی مدد درکار ہے۔ غرض ہر کام میں آپ کی مدد ضروری ہے ؛

اگر کسی ظاہرداری کے کام میں کوتاہی ہُوئی تو اُسکی وجہ ایسی ہے۔ مثلاً اگر مَیں پڑھنے میں کوشش کرُوں اور اُس پڑھنے میں صرف اپنی ہی غرض ملحوظ ہو اور آپ کی طرف سے اُتنا چِت ہٹاؤں تو بیشک بہت ہی بُری بات ہے ۔ مگر میری ایسی حالت نہیں ہے۔ ہاں اگر محنت کرتا ہوں۔ تو میرے دِل میں (مَیں بالکل سچ کہہ رہا ہُوں۔ آپ نے کوئی اور خیال نکرنا) کسیقدر اپنا رس بھی مطلوب ہوتا ہے۔ مگر زیادہ تر یہ خیال ہوتا ہے کہ یہ پڑھنا آپ کا کام ہے۔ اگر مَیں اچھا پڑھوں تو گویا آپ کی زیادہ تابعداری کی ہے۔ اور آپکی زیادہ خدمت بجا لایا ہوں۔ اور آپ کے درشن الش ماتر بھی کوئی کام نہیں کر رہا۔ اب اگر پڑھنے کی طرف زیادہ خیال کروں اور کسی ظاہرداری کے کام میں اگر کوتاہی ہو جائے (مگر سچ کہتا ہُوں کہ میرا من بالکل پہلے کی طرح ہے۔ بلکہ

پہلے سے بھی بہت اچھی طرح آپ کا تابعدار ہے) تو گو ظاہر بیں نظر کو میری کوتاہی نظر آتی ہے مگر چشم دُوربیں صاف دیکھ رہی ہے کہ مَیں پہلے کی لسبت بھی آپ کی خدمت زیادہ بجا لا رہا ہُوں + گو اب معلوم ہو رہا ہے کہ میرا خیال آپ کی طرف کم ہے۔ مگر یہ ظاہر طور پر میرا اب کم خیال آپ کی طرف معلوم ہونا انجام میں مجھکو اِس لائق کردیگا کہ آپکی خدمت لاکھ مرتبہ اچھی کروں۔ بشرطیکہ آپ میری ظاہرا حرکات پر خفا نہ ہو جائیں اور میری محنت (جوکہ آپکا کام ہے) کے سپھل ہونے میں مدد دیں۔ کیونکہ انجام میں مَیں آپ کی مدد کا بڑا محتاج ہُوں۔ مثل مشہور ہے "ہمتِ مرداں مددِ خدا"، جس کے معنے مَیں یہ کرتا ہُوں کہ خدا کی مدد درکار ہوتی ہے مردوں کی کوشش کو + میرا یہ پڑھنا آپ کا بہت بڑا کام ہی۔ اور ظاہرداری کے کاموں کو بھلے آدمی اتنا بڑا کام نہیں سمجھتے۔ اِس لئے آپ کا بہت بڑا کام کرنے میں (یعنی پڑھنے میں) اگر آپکے کسی چھوٹے کام (ظاہرداری کے) میں کوتاہی ہو جائے تو معاف کردیں۔ پھر یہ کہ کئی آدمی ہوتے ہیں جو من سے زیادہ خدمت کرسکتے ہیں۔ اور کئی ظاہر کی چیزوں سے زیادہ خدمت کرسکتے ہیں۔ مگر مَیں گو ظاہر کی کسی چیز سے آپکی خدمت نہ کرسکوں مگر من سے آپکا بڑا تابعدار ہُوں۔

جو لڑکے گھروں سے پڑھنے آتے ہیں وہ اپنے والدین کو خط تک بھی بہت کم لکھتے ہیں۔ اُن کا زیادہ اُن والدین کی طرف خیال ہونا تو درکنار۔ مگر اُن کے والدین کبھی یہ خیال نہیں کرتے کہ ہمارا بیٹا سرکش ہو گیا ہے۔ وہ سمجھتے ہیں ہمارا ہی کام کر رہا ہے +

اگر آپ کہیں کہ زیادہ ظاہر طور پر ایک دُوسرے کی طرف خیال نہ کرنے سے محبّت کم ہو جاتی ہے۔ تو یہ بات میرے معاملے میں بالکل نہیں کیونکہ مَیں تو من میں آپ کا خیال بڑا ہی کرتا رہتا ہُوں۔ ہر ایک مشکل جگہ میں آپ

یاد رہتے ہیں اور یہ ایک قسم کا اندرونی ملاپ ہوتا ہے (گو ظاہر طور پر آپ کو معلوم نہ ہو) ہر میرا آپ کا معاملہ باپ بیٹے کا ہے۔ جس کے ٹوٹنے کا قیامت کے دن بھی اندیشہ نہیں ہوتا۔

آپ اور کچھ خیال نہ کریں میرا من تو سدا صاف ہے۔

پھر یہ بات کہ جو کام ناجائز آدمی سے ہوتا ہے اُسکی دو وجہیں ہو سکتی ہیں۔

اوّل۔ بیوقوفی، یا نادانی۔ دوئم۔ اُسکے من کا صاف نہ ہونا۔

جب میرے سے کوئی حرکت ناجائز صادر ہو تو آپ دیکھیں کہ اُسکی کیا وجہ ہے اگر پہلی وجہ ہو (صرف جو وجہ میرے ناجائز کاموں میں سدا ہوتی ہے) تو آپ اِسکو دوسری وجہ سمجھ کر میرے پر خفا نہ ہو بیٹھیں۔ بلکہ چاہیئے کہ اگر کسی سے کوئی ناجائز حرکت بسبب نادانی صادر ہو تو اُسکو اُس آدمی کی نادانی سمجھائیں اور اُسکو یہ نہ کہیں کہ تیرا من صاف نہیں ہے اور تو بُرے چت والا ہے۔ تیرا ہماری طرف چت خراب ہے ؛

اب اگر کوئی اور وجہ آپکی خفگی کی ہے۔ تو وُہ ضرور لکھدیں۔ کیونکہ جب تک آدمی کو بات نہ بتائی جائے وُہ کیا جانے کہ کوئی کیوں خفا ہے۔ یہ ضرور مہربانی کرنی کہ اپنے من کا غُصّہ ایک خط میں ظاہر کر بھیجنا۔ اور میری بیوقوفی پر مجھے اطلاع دینی۔ آپ ضرور میری بابت بُرا خیال جو آپکے دل میں ہے ہٹا دیں۔

خط کے بھاری ہو جانے کے لئے (یعنی سبب سے) بس کرتا ہوں۔ اور یقین کرتا ہوں کہ آپ اتنے سے ہی میرے حال پر مطلع ہو جائیں گے اور ملطف نامہ لکھینگے فقط

خط نمبر ۲

۱۲ جولائی ۱۸۹۰ء ستیم گیان منتم۔ برہم۔ آنند آمرت۔ شانتی نکیتن۔ منگل شِو ۔ سُوِیم۔ اودوئیتم۔ آتم۔ پریشم۔ شُدھم۔ اپاپ وِدھم۔ مہاراج جی ! میں آپ کے

چرنوں میں سب کچھ ارپن کرتا ہوں۔ آپ دَیا رکھا کریں۔
"آپ کا ایک خط ملا۔ بڑی خوشی ہوئی۔ ہمیں تعطیلیں یکم اگست یا اِس سے دو تین دن پہلے کو ہوگی۔ . . . .
مَیں پرمیشور سے یا آپ سے پرارتھنا کرتا ہوں کہ کسیطرح تعطیلوں میں مَیں بڑی ہی محنت کروں۔ کسی طرح سے وقت ضائع نہ ہو۔ اور میری محنت تیھا نظر (ٹھیک ٹھیک طریقے پر) ہو اور پرمیشور اُس کو برکت دے۔ کیونکہ مَیں اپنے آپ کو بڑا ہی نالائق سمجھتا ہوں۔ اور درحقیقت ہوں بھی بڑا ہی نالائق۔ اِس لئے جو میرا ارادہ ہے اُس کا مطلب یہی ہے کہ کسی طرح محنت زیادہ کروں۔ اور کوئی غرض نہیں۔ اور مَیں اُمید کرتا ہوں کہ آپ مجھے ایسے ارادے میں ضرور مدد دیجئے + میرے حال پر ضرور ترس کرو۔ مَیں بڑا نالائق ہوں۔ مَیں چاہے یہاں رہوں چاہے وہاں رہوں۔ آپ کا تو داس ہوں۔ اِس وقت جو میرا ارادہ ہے وُہ مَیں لکھ دیتا ہوں۔ اور اگر یہ بدل گیا تو بھی لکھوں گا۔ ارادہ بڑا ہو آپ کبھی یہ خیال نہ کرنا کہ ہمارے برخلاف ہے۔ کیونکہ میرے ہر ایک ارادے سے اصل غرض یہ ہوتی ہے کہ آپکے ساتھ سلوک اور بھی بڑھے۔ میری غرض اسکے اُلٹ کبھی نہیں ہوتی ہے۔ اب ارادہ یہ ہے کہ پہلے کچھ دن قریب سات یا آٹھ روز کے تو بالکل ہی لاہور رہوں۔ اور اُن دنوں میں اپنا پچھلا پڑھا ہُوا صاف کروں (بشرطیکہ ہانسی نہ جانا پڑ جائے) بعد ازاں گوجرانوالہ کچھ دن رہ کر دیکھوں کہ پڑھا جاتا ہے یا نہیں۔ پانچ چار روز ویرو کے (سسرال) رہنے کا بھی ارادہ ہے۔ اور کچھ دن مُرالی والہ۔ نیز ہانسی جانے کا بھی ارادہ ہے کیونکہ ماسٹر (خالو جی) نے لکھا تھا۔ اور اگر وہاں ایکانت جگہ ملجائے تو وہاں ہی شاید زیادہ دن یعنے قریب مہینے کے رہ پڑوں۔ اور پچھلی چھٹیاں پھر لاہور میں آکر کاٹوں۔ مگر آپ سے مَیں یہی مانگتا ہوں

کہ میرا وقت کسی طرح ضائع نہ ہو۔۔۔۔۔۔ آپ کا غلام تیرتھ رام

اِس خط کا جواب گورُو جی نے کہیں سخت اور ناراضگی سے بھرا ہُوا دیا ہوگا جس کے جواب میں گسائیں جی پھر گورُو جی مہاراج کی خدمت میں نہایت مُدلّل نصیحت آمیز اور مُفصل عرض نامہ لکھتے ہیں :

۱۹ر جولائی ۱۸۸۸ء خط نمبر۳

وہ ہمیں چھٹیاں یکم اگست سے ہونگی۔ آج ۱۹ر جولائی ہے۔ میں آپ کا سدا تابع ہُوں۔ آپ اور کوئی خیال کبھی نہ کریں۔ جس کام میں کوئی آدمی مصروف ہو۔ اُسے کچھ عرصہ کے بعد ایک ملکہ ذہن میں آ جاتا ہے۔ جس سے اُسکو بغیر سوچے اُس کام کے متعلّق جو اچھی بات ہو وُہ سُوجھ جاتی ہے۔ اور اُس اچھی بات کے اچھّا ہونے کی جو دلیلیں ہیں۔ اُن دلیلوں کا اثر اُس کے من میں ہو جاتا ہے چاہیے وہ دلیلیں خود اُسکے من میں نہ آئیں۔ اور زیادہ موقعوں پر وُہ دلیلیں من میں نہیں آتیں۔ کیونکہ دلیلوں کا نکالنا اور بات ہے۔ یہ بات فلاسفروں کے متعلّق ہے۔ اور سب لوگ فلاسفر نہیں ہوتے۔ اور وُہ قوّت جس سے معلوم ہو جاتا ہے کہ فلانا کام اچھا ہے۔ مگر اُس کام کے اچھّا ہونے میں دلیل من میں نہیں آتی۔ اُس قوّت کا نام ضمیر (Conscience) ہے۔ میں جب چھوٹا تھا تو شعر وغیرہ پڑھنے سے فوراً معلوم کر لیتا تھا کہ فلانا شعر اُسی وزن پر ہے۔ جیسا کوئی اَور فلانا۔ اور فلانا شعر اور وزن پر ہے۔ مگر یہ نہیں جانتا تھا کہ کیا وزن ہے۔ اور فرق کوئی سے دو شعروں میں کس بات میں ہے۔ گو اتنا معلوم ہوتا تھا کہ کچھ فرق ضرور ہے۔ یعنی اپنی بات کے ثابت کرنے میں دلیل نہیں دے سکتا تھا۔ حالانکہ بات بالکل سچ ہوتی تھی۔ جیساکہ اب صرف دس برس کی پڑھائی کے بعد شعر کے بارے میں دلیل دینے کے لائق ہُوا

ہوں۔ اور جانتا ہوں کہ یہ دلیل اُس وقت بھی دی جا سکتی تھی۔ گو مَیں دلیل سے بے خبر تھا۔ یعنی دلیل تھی ضرور۔ گو مَیں نہیں جانتا تھا۔ اِس سے ثابت ہُوا کہ سچا آدمی ہر وقت دلیل نہیں دے سکتا۔ بعض موقعوں پر اُس کی بات کو بے دلیل بھی ماننا چاہئیے۔ بشرطیکہ اِتنا ہم کو یقین ہو کہ وُہ آدمی دیدہ و دانستہ بُرا کام نہیں کرنے والا۔ اور اگر وُہ کام ایسا کر رہا ہے کہ جس میں وُہ دلیل نہیں دے سکتا۔ تو وُہ اپنے ضمیر کے انوسار چل رہا ہوگا۔

دار شطانت یہ ہے (مثالِ بالا کا مصداق یہ ہے) کہ مَیں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ مَیں آپ کا بہ دِل سے غلام ہُوں۔ اور جو کام مَیں کرتا ہُوں۔ گو ظاہر طور پر اُس میں دلیل نہ دے سکوں۔ مگر اصل میں وُہ کام ایسا ہوتا ہے کہ جیسا مجھ کو اتنے برس کی پڑھائی کا تجربہ بتاتا ہے کہ یہ کام اچھا ہے اور اس کام کے کرنے میں بہتری ہوگی۔ اِس لئے آپ یہ نہ خیال کر بیٹھیں کہ چونکہ یہ دلیل نہیں دے سکتا۔ اِس لئے اس کو کوئی اور غرض ملحوظ ہے یا ہم سے عاقی (ننگ) ہو گیا ہے۔ یہ بات ہرگز نہیں۔ مَیں آپ کو کس طرح یقین دلاؤں کہ مَیں آپ کا غلام ہُوں۔

پھر یہ کہ چونکہ مَیں جانتا ہُوں کہ آپ کی جو رضا میرے معاملہ میں ہوتی ہے۔ اُسکی علّتِ غائی یہ ہوتی ہے کہ مجھ کو آنند ہو۔ حالانکہ ظاہری علّت یا غرض کچھ بُری معلوم ہو۔ اِس لئے مَیں خیال کرتا ہُوں کہ اگر میرے ضمیر کے ذریعے سے یا کسی اور نہایت ہی پختہ طور پر مجھ کو معلوم ہو کہ۔ بات میرے حق میں اچھی ہے (اگر جو میرے حق میں اچھی ہوگی وُہ آپکے حق میں مجھ سے بھی زیادہ اچھی ہوگی۔ آپ کے حق میں ہرگز ہرگز بُری نہیں ہو سکتی) تو ضرور ہی آپ کی بھی اُس بات میں وُہی رائے ہوگی۔ جو میرے ضمیر کی۔ یا اُس پختہ ذریعہ کی جس سے کہ وُہ

بات معلوم ہُوئی ہے۔ اور آپ اُس معاملہ میں یہ نہ کہیں گے کہ اِس نے ہماری حکم عُدولی کی ہے۔ بلکہ یہ کہیں گے کہ اِس نے ہماری کمال تابعداری کی ہے۔ پھر یہ کہ میں چاہے کسی جگہ ہُوں۔ آپ کا غُلام ہُوں ۔

اب بات یہ ہو کہ آپ نے لکھا تھا کہ چھُٹیوں میں گوجرانوالہ آجانا۔ سو یہ بات ہے کہ آؤں گا تو میں ضرور ہی بہرحال۔ مگر یہ بات نہیں ہوسکتی کہ کُل چھُٹیاں وہاں ہی گذاروں۔ میرا ضمیر کہتا ہے کہ لاہور میں زیادہ رہ۔ یہ بات ضمیر کی سمجھ کر میں نے زیادہ سوچا نہیں۔ مگر پھر بھی دو ایک دلیلیں لکھتا ہوں۔ (میں بڑا افسوس کرتا ہُوں کہ مجھے اِن بے فائدہ دلیلوں پر وقت ضائع کرنا پڑتا ہے۔ مگر میں اِس لئے وقت اِن پر خرچ کرنے پر مجبور ہونا ہوں کہ کہیں آپ کچھ اور سمجھ کر خفا نہ ہو بیٹھیں۔ اگر مجھے اِس بات کا خطرہ نہ ہو کہ آپ خفا ہو جائیں گے تو میں ان دلیلوں پر وقت نہ ہی ضائع کروں۔ کیا ہی اچھا ہو اگر آپ مجھ کو اپنا غلام سمجھ کر میرے صدقِ مقال (قول) میں شک نہ لایا کریں) +

اِس بات کو میں نے اب سمجھا ہے کہ لاہور کے بغیر کسی اور جگہ رہنے میں نہ صرف اِس بات کا نقص ہوتا ہے کہ وہاں ایکانت مکان نہیں مِلتا بلکہ ایک بہت ہی بڑا نقص اور ہوتا ہے۔ وہ یہ کہ وہاں طبیعت ایسی نہیں رہتی کہ کسی سُوکھشم کام کو کرسکے۔ وہاں دِیرگھ درشٹی (باریک بینی) جاتی رہتی ہے۔ اسکی وجہ یہ ہے کہ نفس جوکہ نہ جسم ہے اور نہ جسمانی۔ وہ مدرکات جسمانی کے حصول سے اور مادّی چیزوں کے سنگ سے ضعیف اور ناقص ہو جاتا ہے اور لاہور کے بغیر اور سب جگہ یہ نقص پایا جاتا ہے۔ کیونکہ وہاں عام لوگوں کے میل جول سے طبیعت کی مٹّی خراب ہو جاتی ہے ÷

اب اگر کوئی پوچھے کہ لاہور میں بھی تو میل جول ہوتا ہی تو اُسکا جواب یہ ہی کہ لاہور میں جو آدمی ملتا ہی اُسکے ساتھ اوپرلے دِل سے ایک بات کہتی ہی جس میں کا دھیان اُنکی طرف نہیں جاتا۔ مگر اور جگہ جو آدمی ملے وہاں مجبوراً اُنکی طرف توجہ دِلی کرنی پڑتی ہی۔ کیونکہ اُس سے جو ملاقات ہوتی ہی وُہ کتنے عرصہ کے بعد وقوع میں آئی ہوتی ہی۔ بہ لاہور کے بغیر اور جگہ میں اپنے قریبی رشتہ داروں سے ملاقات ہوتی ہی۔ جنکی طرف بہت بڑا دھیان کرنا ضروری ہوتا ہی۔ دیگر لاہور میں جو ملاقات ہوتی ہے وُہ اکثر اپنے ہم جنسوں پڑھنے والوں سے ہوتی ہے۔ جو زیادہ حارج نہیں ہوتی ؛

اب اگر یہ سوال کیا جائے کہ کیا اور بھی کوئی لڑکا ہے جو چھٹیوں میں لاہور رہیگا۔ تو سُنئے۔ رُکن دین جو پنجاب میں اس دفعہ اوّل رہا تھا بالکل ایک دن بھی ساری چھٹیوں میں اپنے گاؤں میں نہیں جائے گا۔ وُہ خود کہتا ہے۔ وُہ دس بارہ دن اب وہاں ہو آیا ہے۔ مگر چھٹیوں میں ہرگز نہ جائے گا۔ آپ معلوم کریں ؛

دُنیا میں کوئی شخص ہُشیار ہو ہی نہیں سکتا۔ جب تک کہ وُہ محنت نکرے جو ہُشیار ہیں وہ سب بڑی محنت کرتے ہیں تب ہُشیار ہیں۔ اگر ہم کو اُنکی محنت نہ معلوم ہو تو وہ خُفیہ طور پر ضرور کرتے ہونگے۔ یا وہ پہلے کر چکے ہونگے۔ یہ بات بڑی تحقیق کی گئی ہے ؛

یہ بھی سچ ہے کہ کئی لڑکے چھٹیوں میں گھر جائیں گے۔ اور پھر بھی ہُشیار ہیں مگر وہاں اور بات ہے۔ اُن کے گھروں میں یا اُن جگہوں میں جہاں وُہ جائینگے ایسے اسباب (جمع سبب) نہیں ہوتے کہ جو اُن کے منوں کو پڑھنے سے روکیں وہ بیاہے ہُوئے نہیں ہوتے۔ یا اور بات ہوتی ہے۔ یا اُنکے من بڑے پُختہ ہوئے ہوتے ہیں۔ جو ظاہری چیزوں کی طرف نہیں لگتے۔ مگر میرا من پُختہ نہیں۔ یہ بڑا

خراب ہے:

ذہن جس کو کہتے ہیں وُہ بھی محنت کرنے سے بڑھ جاتا ہے۔ پھر یہ کہ بفرضِ محال اگر کوئی محنت کئے بغیر کسی اِمتحان میں اچّھا رہ بھی جائے تو اُسکو مزا پڑھنے کا ہرگز نہیں آئے گا۔ وُہ آدمی بہت بُرا ہے۔ وُہ اُس آدمی کی طرح ہے۔ جس نے آپ کو ایک دفعہ کہا تھا کہ مجھے ایک سی حرفی بنا دو۔ اور بیچ میں میرا نام رکھنا۔ اب گو اُس نے لوگوں میں تو مشہور کر دیا کہ سی حرفی میری ہے۔ مگر آپ جانتے ہیں کہ اُس تصنیف میں جو مزہ آپ کو آیا ہوگا اُس شخص کو ہرگز ہرگز نہیں آسکتا۔ یا وُہ اُس آدمی کی طرح ہے کہ جس کو اَور کی ماری ہوئی کمائی ہُوئی مِلجائے۔ اب گو اُسکے پاس دولت تو ہے مگر وُہ دولت سے حظ نہیں اُٹھا سکے گا۔ فوراً دولت کو اُجاڑ دیگا۔ مگر جس نے محنت سے کمائی ہے۔ وُہی نفع اُٹھائے گا۔

آپ میرے والد سمان (مانند) ہیں۔ اور والدین کو ایسا نہیں ہونا چاہیئے جیسا کہ وہ گوجرانوالہ کا پاندھا جسکی بات آپ نے ایکدفعہ سُنائی تھی کہ اُسنے اپنے بڑے ہونہار بچّے کو پاٹ شالہ میں پڑھنے سے محروم رکھّا۔ صرف اِسلئے کہ اُس کو اپنے بچّے سے محبّت کمال درجے کی تھی۔

مگر آپ تو بڑے ہی اچھے ہیں۔ آپ کو تو اِس بارے میں اُس پاندھے سے مشابہت نرکال ہی نہیں دی جاسکتی۔ آپکی اور اُسکی تو روشنی اور اندھیرے کی مثال ہے۔ شاید آپکے دِل میں یہ باتیں نہیں گذری ہونگی۔ جو مَیں نے اُوپر لکھی ہیں۔ تب آپ نے یہ کہا کہ لاہور میں مت رہنا۔ اب دو برس کی بات ہے۔ زیادہ عرصہ بھی نہیں۔ اب محنت نکروں تو اور کب وقت آیگا محنت کے لئے۔ آپ مجھے دو برس کی چھٹّی دو۔ پھر ساری عُمر آپکے سنگ

ہوں۔ آپ نے یہ سمجھ چھوڑنا کہ ہمارا بیٹیا ولایت گیا ہُوا ہے۔ جب آویگا پھر ہمارا ہے۔ اور میرا خیال جب اِس طرف (پڑھنے کی طرف) زیادہ ہو تو آپ نے میری ظاہرا ضرورتوں کی اِس طرح خبر رکھنی جس طرح کہ ایک بادشاہ اپنے سپاہیوں کی رکھتا ہے۔ جس وقت کہ وہ سپاہی میدانِ جنگ میں بادشاہ کے لئے دشمن سے لڑ رہے ہوں۔ آپ نے کبھی کوئی اور خیال میرے بارے میں نہ لانا۔ مَیں آپ کا غلام ہُوں ؂

مَیں یہ جانتا ہُوں کہ محنت بڑی اچھی چیز ہے (مگر مَیں محنت اِس طرح پر نہیں کرنے والا کہ بیمار ہو جاؤں) مگر محنت کرنے پر اقدام کرنے میں آپکی ضرورت ہے آپ مجھے مدد دیں کہ مَیں محنت کروں۔ آپکی مدد کے بغیر محنت بھی نہیں ہو سکتی ہے۔ پرماتما! میرا من محنت پر زیادہ لگے۔ مَیں نہایت درجے کی محنت کروں کیونکہ میرے ارادوں کو پُورا کرنے والے آپ ہیں (ساتویں۔ آٹھویں چھٹی کے بعد مَیں گوجرانوالہ آؤنگا۔ تھوڑے ہی عرصہ کے بعد پھر لاہور میں اگر آجاؤں تو بڑی اچھی بات ہو)

آپ اِس طول کلام سے خفا نہ ہو جانا۔ اِس سے اصل غرض صرف یہی تھی کہ کسی طرح آپ خفا نہ ہو جائیں۔ رگھناتھ سرن کو یہ کہدینا کہ اگر اچھا ہونا چاہتا ہے۔ تو یُوں کرے کہ کتاب کو زبانی یاد کرے۔ اِس بات میں اتنے فائدے ہیں کہ مَیں کسی طرح بیان نہیں کرسکتا۔ مجھے تیرہ برس کے تجربہ کے بعد یہ بات معلوم ہُوئی ہے۔ یہ بات نہایت ہی اچھی ہے۔ مَیں اسکی تشریح پھر بیان کرُوں گا۔ جب گوجرانوالہ آؤنگا۔ یہ بات ایسی ہے کہ اِس سے بالکل اُستادوں کی ضرورت نہیں رہتی۔ سوائے اسکول کے ماسٹر کے ؂

یہاں یہ امر غورِ طلب ہے کہ ان ایام میں گوسائیں جی کی عُمر قریب ساڑھے

سولہ سال کے تھے۔ اور بی اے جماعت میں داخل ہوئے ابھی صرف ڈھائی ماہ ہوئے تھے۔ اتنی چھوٹی سی عمر میں کیا غضب کی دلیلیں فلسفانہ تحریریں اور پریم بھری نصیحتیں اُنکے دل و دماغ اور قلم سے بہنے لگ پڑی تھیں۔ کہ جو آجکل بڑے بڑے لائق و مشہور ایم اے کے طلبا کے دل اور دماغ میں بھی ایک ولولہ سا ڈالتی ہیں۔ اور اس پر طرّہ یہ کہ سب طرف سے مصیبتیں اور تنگیاں بھی اُن پر اُمڈ اُمڈ کر آئی ہوئی تھیں۔ کھانے کو پیسہ پاس نہیں۔ ایک دفعہ بھی پیٹ بھر کر کھانا نہیں ملتا۔ مفلسی نے اپنا پورا پورا رنگ جمایا ہوا تھا۔ جسمانی بیماریاں بھی گھیرے ہوئے تھیں۔ چور بھی اس دفعہ گھر میں داخل ہو کر کل برتن و کھانے پینے کا سامان چورا کر لے گئے تھے۔ مگر ان تمام حالتوں کے طاری ہونے پر بھی ذہن و لیاقت شانتی و صداقت اور صبر و استقلال برقرار اور ترقی پر تھے ؎

اس از حد تنگی کے زمانے میں گوسائیں جی ایک بڑی تنگ تاریک کوٹھری میں رہتے تھے اور کسی قسم کی جسمانی ورزش بھی نہیں کرتے تھے۔ اس امر کو بیماری کی وجہ محسوس کر کے اُنکے ایک ہم جماعتی نے پرنسپل صاحب کو اطلاع دی۔ جس پر تیرتھ رام ہی کو حکم ملا کہ وہ آئندہ سے بورڈنگ ہاؤس میں رہا کرے تاکہ ہوا دار کمرہ اُنکو رہنے کے لئے ملے اور ایک لڑکا (رکن دین) اُن پر تعینات کیا گیا کہ وہ انہیں ہر روز چھٹی کے بعد آدھ گھنٹہ ورزش کئے بغیر گھر کو نجانے دے۔ اس طرح جب گوسائیں جی بورڈنگ ہاؤس میں رہنے لگے۔ اور ہر وقت بلا ناغہ ورزش کرنے لگے تو صحت اپنا رنگ جمانے لگی۔ اور تاپ تلّی کی شکایت دُور ہو گئی ؎

——— ؎ ———

زمانۂ طالب علمی میں پروفیسر کی جگہ پڑھانے کا کام گوسائیں جی ذہین و محنتی تو مشہور ہی تھے مگر علم ریاضی میں اسقدر ماہر تھے کہ کالج میں اُن کا اِس مضمون میں کوئی ہمسر نہ تھا۔ انہی دنوں میں (۲۵ جون ۱۸۹۵ء) کو جب ریاضی کا پروفیسر بیمار پڑ گیا تو کئی ہفتوں تک یہ اپنے ہم جماعتوں کو پروفیسر صاحب کی جگہ پڑھاتے رہے۔ علم ریاضی کی پروفیسری کے لائق تو اصل میں ابھی سے ہو گئے تھے مگر عملاً بی اے پاس کرنے کے بعد اِس عہدے پر اسی کالج میں ممتاز ہُوئے۔

بی اے میں ناکامیابی سُنا جاتا ہے کہ گوسائیں جی زبانِ انگریزی میں اِسقدر اوّل نہیں تھے جسقدر کہ علم ریاضی میں تاہم اپنے ہم جماعتوں سے ہر مضمون میں اوّل رہتے تھے۔ اِس سال بی۔اے کا امتحان کچھ عجب ڈھنگ سے ہُوا تھا۔ جس سے بڑے بڑے لائق و ذہین طُلبا تو رہ گئے اور نکمے اور معمولی پاس ہو گئے۔ سُنا جاتا ہے کہ انگریزی کا پرچہ یا تو نہایت ہی لاپروائی سے ممتحن صاحب نے دیکھا تھا یا بِنا دیکھے ہی شاید نمبر لگائے گئے تھے۔ کیونکہ جن لڑکوں کو انگریزی کے پروفیسروں نے اِمتحان میں بھیجنا ہی نامنظور فرمایا تھا (کیونکہ اپنے مضمون میں پروفیسر اُنکو رَدّی سمجھتے تھے) وہ تو اِس مضمون میں کُل پنجاب بھر میں اوّل نکلے۔ اور جو ذہین و لائق تھے وہ قریباً تمام کے تمام فیل سُنے گئے۔ بلحاظ ٹوٹل نمبر (میزان کُل aggregate) کے گوسائیں جی اِس دفعہ بھی تمام یُونیورسٹی میں اوّل تھے۔ مگر انگریزی کے مضمون میں بہت تھوڑے سے نمبر کم ہونے کی وجہ فیل گردانے گئے۔ اِس حیرت انگیز خبر کو پاکر نہ صرف تیرتھ رام مع لواحقین و دوستوں کے متعجب ہُوئے بلکہ کالج کے پروفیسر و پرنسپل بھی۔ پروفیسر صاحبان نے ازحد کوشش کی کہ

گوسائیں جی کے انگریزی پرچے دوبارہ دیکھے جائیں مگر سب بے سُود۔ کیونکہ اُس وقت تک یونیورسٹی میں کوئی ایسا قاعدہ مقرر نہیں تھا کہ کسی فیل شدہ طلباء کا پرچہ دوبارہ دیکھنے کے لئے ممتحن کو ہدایت کیجائے۔ اِس لئے فیلو صاحبان نے پروفیسر کی ایک نہ مانی۔ اور نہ گوسائیں جی کی درخواست منظور ہوئی ؛

گوسائیں جی کے نتیجہ امتحان کے سبب نئے قانون کا یونیورسٹی میں جاری ہونا

سُنا جاتا ہے کہ اِس تعجب انگیز نتیجہ سے گوسائیں جی کے دِل پر جو صدمہ لگا تھا اُس کا تو بیان کرنا قلم کے احاطہ سے باہر ہے۔ مگر پروفیسرانِ کالج و خیرخواہانِ تعلیم کے دِلوں میں اِسقدر شور مچا کہ ہر ایک کی قلم سے یکے بعد دیگرے آرٹیکل اخباروں میں شائع ہونے لگے اور کارکنانِ یونیورسٹی یعنی فیلو صاحبان کو زور سے تاکیدیں ہونے لگیں کہ آئندہ کے لئے کوئی ایسا قانون بنادیں جس سے ممتحن صاحبان کو کسی پرچہ کے نظر ثانی کی ہدایت ہو سکے تاکہ آئندہ کو طلباء کسی ممتحن کی لاپرواہی اور غفلت سے فیل ہونے نہ پائیں۔ اور طلباء کی مُفت میں پست ہمتی یا دِل شکنی نہ ہونے پائے۔ جب چاروں طرف سے ایسا شور مچا۔ تو یونیورسٹی نے آئندہ کے لئے یہ "قانون (رُول)" پاس کیا کہ جن طلباء کے کسی مضمون میں مقررہ نمبروں سے ۵ نمبر کم ہوں یا کُل نمبروں کے مقررہ میزان سے ۵ نمبر کم ہوں تو وُہ فوراً فیل نہ کیا جائے بلکہ اُسکو زیرِ تجویز (Under consideration) رکھکر اُس کے پرچے دوبارہ ممتحن صاحبان کے پاس برائے نظرثانی بھیجے جائیں تاکہ اگر وُہ پرچہ لاپرواہی سے دیکھا گیا ہو یا اُسمیں زیادہ نمبر دیئے جانے کی گنجائش ہو تو اُسکو ٹھیک نمبر دیکر پاس کیا جائے ؛

اِس قانون سے آیندہ کے لئے تو طلبا کی کچھ آسانی و حوصلہ افزائی ہوگئی مگر موجودہ حالت کسی طرح سے بھی اُس وقت دُرست ہونے نہ پائی۔ اِسلئے گوسائیں تیرتھ رام جیسے لائق و ذہین طلبا بھی اُس سال رہ گئے۔ اِس ناگہانی مصیبت کے آنے پر جو جو سخت چوٹیں گسائیں جی کے دِل پر گاہے گاہے لگتی تھیں وہ اُنکے خطوں سے واضح ہو رہی ہیں :-

۱۴ر مئی ۱۸۹۲ء القاب مذکورۂ بالا

"مَیں آپ کو ایک عجب بات لکھتا ہُوں کہ پہلے اتنا تو آپ کو کیسی قدر معلوم ہی ہے کہ اِس دفعہ بی اے کے امتحان میں بہت سے ہوشیار لڑکے انگریزی میں رہ گئے ہیں۔ اب جولسا لڑکا انگریزی کے مضمون میں اوّل رہا ہے وہ اِسقدر نالایق تھا کہ انگریزی کا پروفیسر اُسے امتحان میں ہرگز بھیجنا نہیں چاہتا تھا۔ سب لوگ حیران ہیں کہ یہ اوّل کیونکر رہ گیا"!

آپکا غلام تیرتھ رام

چار روز کے بعد پھر گورُوجی کو یوں لکھتے ہیں :-

۱۹ر مئی ۱۸۹۲ء القاب مذکورۂ بالا

"مَیں نے ایک طرح اپنا سارا حال لکھ کر صاحب کو دکھا دیا تھا۔ وہ پرچوں کے دوبارہ دیکھے جانے کی رائے نہیں دیتے۔ (کیونکہ اُن دنوں وہ خود یونیورسٹی کے وائس چانسلر تھے اور یونیورسٹی کے قاعدوں کے برخلاف کوئی مشورہ نہیں دے سکتے تھے۔ مؤلف) مگر صاحب نے یونیورسٹی میں میری بابت بہت کچھ کہا تھا کہ اُسکو رعایت ملجانی چاہیئے لیکن اُسکی کوئی بات مانی نہیں گئی۔ آج یونیورسٹی نے یہ اشتہار دیا ہے۔ کہ جنھوں نے بی۔اے یا ایم۔اے پاس کیا ہو اور عمر اُنکی اکیس سال سے زیادہ

نہ ہو اور ریاضی یا سائینس کے مضمون میں ولایت کا ایم۔ اے پاس کرنا چاہتے ہوں۔ وہ عرضیاں دیں۔ جس کا حق سب سے زیادہ ہوگا۔ اُسکو کافی وظیفہ دیکر ولایت بھیجا جائے گا۔ اور جب وہ وہاں سے پاس کرکے آئے اُسکو بڑا اعلیٰ درجہ ملے گا ؛ اب اگر مَیں اِس دفعہ پاس ہو جاتا تو مجھکو یہ وظیفہ ضرور مِلجاتا تھا۔ اوّل میری عُمر کی رُو سے۔ دویم میرے ریاضی کے نمبروں کی رُو سے۔ تیسرے چال چلن کی رُو سے۔ مگر اب کیا ہو سکتا ہے۔ آپ دَیا رکھا کریں"

آپ کا غلام تیرتھ رام

گوسائیں جی کا بی۔ اے میں دوبارہ داخل ہونا

جب یونیورسٹی نے کسی کی نہ سُنی تو لاچار گوسائیں جی دوبارہ بی اے میں داخل ہوگئے۔ اور اگرچہ خراب نتیجہ سے دِل کو بہت صدمہ لگا تھا اور وظیفہ سرکاری بھی بند ہوگیا تھا۔ تاہم اُنہوں نے ہمّت نہ ہاری اور متواتر فاقہ کشی کرکے بی۔اے پاس کرنے کی ٹھان لی ؛ مگر مثل مشہور ہے کہ وُہی جو اِدھر خار اُدھر ہے گُلِ خنداں" وُہی جو ایک طرف سے مصیبت بعد مصیبت لاتا ہے وُہی دُوسری طرف آرام و راحت کے سامان مہیّا کرتا ہے۔ بعینہ یہی سلوک قُدرتاً گوسائیں جی کے ساتھ ہُوا ؛ بی اے میں دوبارہ داخل ہونے سے پیشتر اُن کا دُکھی دِل گاہے گاہے یوں پُکار اُٹھا تھا کہ ہائے وظیفہ تو بند ہوگیا۔ تعلیم جاری رکھنے میں کھانے وغیرہ کی مدد کون دیگا۔ سال بھر کی فیس و کُتب غرضیکہ ہر طرح کے خرچ کی تکلیف کون اُٹھائیگا وغیرہ وغیرہ؟ دِل کوئی سہارا نہ دیکھ کر گاہے بگاہے از حد دُکھی ہوتا۔ اور گاہے گاہے ایشور کی اپار کرپا (از حد مہربانی) پر بھروسا رکھ کر کچھ تسلی و شانتی پکڑتا تھا۔ اور ایکدفعہ خالو صاحب کو گوسائیں جی نے یُوں لکھ مارا کہ اگر تیرتھ رام حسبِ منشاء تعلیم نہ حاصل کرسکا تو یہ حسرت قبر تک

جائیگی۔ اور شاید ابھی ہی دنیا سے رخصت ہونا پڑے"؛ سُنا گیا ہے کہ جب دل کسی طرح سے ٹھیک شانتی نہ پکڑ سکا تو گوسائیں جی خلوت گاہ میں چلے گئے اور ایشور کا دھیان کرکے ذیل کا منتر اُچارتے ہوئے زار زار روئے

त्वमेव माता च पिता त्वमेव, त्वमेव बन्धुश्च सखा त्वमेव।
त्वमेव विद्या द्रविणं त्वमेव, त्वमेव सर्व्वं मम देव देव॥

تُم ہی میرے ماتا پتا ہو۔ تُم ہی بندھو اور متر ہو۔ اے میرے دیوؤں کے دیو! تم ہی میرے سب کچھ ہو۔ یہ وِدیا دھن وغیرہ تُم ہی تو ہو۔

"پربھو! اب حقیقت میں سوائے آپ کے رام کا کوئی مددگار نہیں۔ اب تو رام آپکا اور آپ رام کے ہو لئے۔ رام کا کام تو ہمیشہ آپکی مرضی پر چلنا۔ آپکا دھیان کرنا۔ اور پڑھنے سے آپکی سیوا کرنا ہوگا۔ اور آپ کا کام رام کی سب طرح کی سہائتا (مدد) کرنا ہوگا تاکہ یہ نیک ارادہ تکمیل کو پاوے؛ اب تو رام سارے کا سارا آپ کا ہو گیا! ہو گیا!! ہو گیا!!! ہے پربھو! اب چاہے آپ اُسے رکھو چاہے مارو۔ وہ تو اس کُندن کے ڈلے کی طرح آپکے دروازے پر گر گیا ہے۔ چاہے اُسے آپ گلا بس اور چاہے سُندر بنائیں۔ یہ سب آپ کی مرضی پر مبنی ہے؛

کُندن کے ہم ڈلے ہیں جب چاہے تو گلا لے || اور نہ ہو تو ہم کو لے آج آزما لے
جیسے تری خوشی ہو سب ناچ تو نچا لے || سب چھان بین کرلے ہر طور دل جما لے

راضی ہیں ہم اُسی میں جس میں تری رضا ہے
یاں یُوں بھی واہ وا ہے اور وُوں بھی واہ وا ہے

یا دل سے اب خوش ہوکر کر ہمکو پیار پیارے || خواہ تیغ کھینچ ظالم ٹکڑے اُڑا ہمارے
جیتا رکھے تو ہمکو یا تن سے سر اُتارے || اب تو رام عاشق کہتا ہے یُوں پکارے

لالہ جھنڈو مل حلوائی (لاہور)

लाला झंडूमल हलवाई (लाहौर)

SHUKLA PRESS LKO

راضی ہیں ہم ؎ دبتا کرکے کہا کہ ڈھونڈ دو۔ اُن کو بھی نہ ملا۔
یاں یوں بھی واہ وا ہے کسی کا کہیں چلا گیا ہوگا۔ میرے مکان

جھنڈو حلوائی کی وقت پر مدد

اس کامل اعتقاد (الشچہ) کیساتھ ایک اپنی جوتی کا پیر اور ایک جی کالج میں دوبارہ داخل ہونے کو چلے (نہایت پُرانی کامل بھروسے کا اعتقاد بھی جادو بھرا اثر فی الفور دکھاتا ہے ؛ کچھ بہنی ہُوئے بہت تھوڑا ہی عرصہ گزرا ہوگا کہ جھٹ کالج کے حلوائی (جھنڈو مل) نے اُنکے پاس آکر استدعا کی کہ "آپ سال بھر روٹی آپ میرے ہی گھر کھالیا کریں" ؛ اس معجزے کو دیکھ کر گسائیں جی اپنے گورو جی کو ۲ر مئی ۱۸۹۲ء کے خط میں یہ لکھتے ہیں آج مَیں کالج میں داخل ہوگیا ہوں۔ ہمارے کالج[1] کا جو حلوائی ہے اُس نے مجھکو پہلے بھی کئی دفعہ بڑی پریت سے کہا تھا کہ مَیں روٹی اُسکے گھر سے کھا لیا کروں۔ اور آج پھر اُسنے ہاتھ جوڑ کر کہا تھا۔ مَیں نے آج اُس کو کہدیا ہے کہ اچھا کھالیا کروں گا ...... +

پرنسپل صاحب کا چُپکے سے روپے دینا

اس تنگدستی کے زمانے میں گوسائیں جی کو نہ صرف ایک حلوائی سے ہی مدد ملی بلکہ اعتقاد کی مضبوطی نے کالج کے پروفیسروں وغیرہ کے دِلوں کو بھی مدد کے لئے ہلا دیا۔ گوسائیں جی گورو جی

نوٹ [1] یہ حلوائی لالہ جھنڈو مل تھے۔ انہوں نے نہ صرف خوراک سے ہی گوسائیں جی کی اس مصیبت کے وقت مدد کی بلکہ کئی دفعہ کپڑے بھی بنوائے۔ اُنہیں مکان بھی مفت رہنے کو دے دیئے غرضیکہ جسقدر ہو سکا اِنہوں نے ہر طرح سے اُن کو مدد دی۔ گویا ایشور نے ایسی مصیبت کے وقت میں گوسائیں جی کی مدد کے لئے اپنا مختار کالج میں ستاد اِسی حلوائی کو ہی مقرّر کر رکھا تھا۔ کیونکہ سوامی جی کے متعدد خطوں سے معلوم ہوتا ہے کہ اِس فرشتہ سیرت حلوائی نے کالج کی زندگی میں سب سے زیادہ تپاک سے اِن کی مدد کی تھی ؛

کو ۱۱ جون ۱۸۹۲ء کے خط میں یوں لکھتے ہیں کہ آج ایک شخص نے ہمارے پرنسپل صاحب کو میرے لئے ترپنجا[۵۳] روپے دیئے ہیں۔ صاحب نے مجھکو بلایا تھا۔ اور کہنے لگے کہ یہ لے لو: میں نے کہا کہ کس نے دیئے ہیں۔ وہ کہنے لگے کہ ہم نام نہیں بتائیں گے۔ (میں خیال کرتا ہوں کہ شاید وہ اپنی گرہ سے ہی دے رہے ہوں) پھر میں نے کہا کہ آدھے ان میں سے آپ کالج کے کاموں میں صرف کریں اور آدھے مجھے دیدیں۔ یہ بھی نہ مانا۔ پھر میں نے کہا کہ اچھا میں گلبرٹ سن صاحب جو ہمیں ریاضی پڑھاتے ہیں اور میری آدھی فیس ادا کرتے ہیں اُن کو ناحق تکلیف نہیں دینی چاہتا۔ اُنکے بجائے آدھی فیس امتحان تک مجھ سے لیلو۔ وہ کہنے لگے کہ اس بات کا فیصلہ گلبرٹ سن صاحب سے کرنا ہوگا۔ سو میں نے روپے لاکر لالہ اجودھیا داس جی کو دیدیئے ہیں . . . وغیرہ +

ماسوا ان مددوں کے گوسائیں جی کو پرائیویٹ ٹیوشن (طلبا کے گھر پر انہیں پڑھانے) سے بھی وقتاً فوقتاً بہت مدد ملتی تھی۔ تاہم اس زمانۂ طالبعلمی میں رہتے آپ نہایت سادہ تھے: زمانۂ موجودہ کے فیشن کالر نکٹائی وغیرہ سے تو آپ کو شروع ہی سے نفرت تھی۔ مگر اپنے دیسی لباس میں بھی آپ اسقدر سادہ و کفایت شعار تھے کہ بی۔اے کلاس میں صرف موٹے گاڑھے (کھدر) کے کپڑے اور دیسی جوتہ پہنا کرتے تھے: ایک دفعہ اپنے جوتہ کے بارے میں وہ ۵ جولائی ۱۸۹۱ء کے خط میں اپنے گوروجی کو لکھتے ہیں۔ کہ کل رات کو جب میں دودھ پینے گیا۔ تو میری جوتی کا ایک پیر شاید کسی کی ٹھوکر سے بدررو (نالی) میں جا پڑا۔ جب دودھ پی کر جوتی پہننے لگا تو ایک پیر تو پہن لیا۔ دوسرا اِدھر اُدھر دیکھا۔ کہیں نہ ملا۔ حلوائی[۵۱] دیا لیکر ساری بدررو تلاش

۵۱ یہ حلوائی رلیا رام تھا جو اُن دنوں لاہور میں لوہاری دروازے کے اندر چیکنہ بازار میں دکان کرتا تھا۔

کر آیا۔نہ ملا۔ دو لڑکوں کو پیسہ دینا کرکے کہا کہ ڈھونڈ دو۔ اُن کو بھی نہ ملا۔ پانی بڑے زور سے مل رہا تھا۔ شاید کہیں کا کہیں چلا گیا ہوگا۔ میرے مکان میں ایک پرانی زنانی جوتی پڑی ہوئی تھی۔ صبح کو ایک اپنی جوتی کا پیر اور ایک وہ زنانی جوتی کا پیر پہن کر کالج میں گیا۔ یہ میری جوتی اب نہایت پرانی ہو گئی ہوئی تھی۔ سو آج مَیں نے سوا نو آنے سے ایک نئی جوتی خرید کر پہنی ہے۔ میرا آپ کی طرف بڑا خیال رہتا ہے۔ آپ نے میرے اُوپر سدا خوش رہنا "

بی۔ اے امتحان کا داخلہ

رفتہ رفتہ امتحان کے داخلہ کے دن آپہنچے۔ اِس موقعہ پر تیرتھ رام جی کی نیکدلی و اعتقاد کے اثر سے اگرچہ اور بہت سے لوگ مدد دینے کو تیار ہو گئے تھے۔ مگر اِس نیک کام میں حصّہ لینے کی خوش قسمتی ریاضی کے پروفیسر گلبرٹ سن صاحب کے نصیب ہوئی۔ گوسائیں جی اپنے ۲۳ جنوری ۱۸۹۳ء کے خط میں گورو جی کو لکھتے ہیں کہ " . . . جب مَیں آج کالج پہنچا تو چپراسی مجھے بُلا کر پروفیسر گلبرٹ سن صاحب (ریاضی کے پروفیسر) کے پاس لے گیا۔ اُنھوں نے مجھے ایک بند تہ در تہ کاغذ کی پُڑی دی اور کہا جاؤ اُس وقت گھنٹہ بج گیا اور مَیں اُس پُڑی کو جیب میں ڈالکر پڑھنے میں مشغول ہوگیا۔ مگر آج میرے پاس ایک پیسہ بھی خرچ کو نہیں تھا۔ تین گھنٹہ کے بعد مَیں نے الگ جاکر اُس پُڑی کو کھولا۔ اُس میں مبلغ تیئس ۲۳ روپے تھے۔ (معلوم ہوتا ہے کہ یہ تیئس ۲۳ روپے محض امتحان کے داخلہ کے بارے میں پروفیسر صاحب نے دیئے تھے۔ کیونکہ اُن دنوں بی اے کے امتحان کا داخلہ صرف تیئس ۲۳ روپے ہی تھا۔ مؤلف) مَیں اُسی وقت پروفیسر صاحب کے پاس گیا اور کہا کہ مجھے اتنے روپے درکار نہیں ہیں (کیونکہ اس سے پہلے لالہ اجودھیا داس سے داخلہ کے واسطے روپے لے گئے تھے) آپ تیئس ۲۳ روپے واپس لے لیں مگر

اُنہوں نے ۔ ماما ....وغیرہ "

بی اے کے آزمایشی امتحان کا نتیجہ

امتحان کا داخلہ ہو جانے کے بعد بی اے جماعت کا آزمایشی امتحان کالج میں ہُوا۔ گوسائیں جی اپنے کالج میں سب سے اوّل رہے۔ اس امتحان کے نتیجہ کی خبر اپنے گورُو جی کو گوسائیں جی اپنے ۱۱ مارچ ۱۸۹۳ء کے خط میں اس طرح دیتے ہیں کہ "آج ہمارے رول نمبر (Roll numbers) آگئے ہیں۔ میرا نمبر ۸۰ ہے۔ ہمارے آزمایشی امتحان کا ریزلٹ (نتیجہ) بھی نکلا ہے۔ مجھے پرمیشور نے سب سے نہایت بڑھ کر رکھا ہے۔ جسقدر نمبر کہ اوّل درجے میں رہنے کو درکار ہیں اُس سے میرے ساٹھ زیادہ ہیں۔ انگریزی میں بھی بڑا اچھا رہا ہُوں۔ اور ایک ریاضی میں ۱۵۰ میں سے ۱۴۸ ملے ہیں۔ مگر مَیں جانتا ہُوں کہ یہ سب آپ ہی کی کرپا درشٹ کا نتیجہ ہے۔ آپ نے مجھ پر دیا درشٹ رکھی "

بی۔اے کا سالانہ امتحان

جب سالانہ امتحان شروع ہو گیا تو گوسائیں جی کے دِل میں نہ صرف امتحان پاس ہونے کا خیال اور شوق ولولہ ڈالتا تھا۔ بلکہ گورُو بھگتی بھی اُمڈ اُمڈ کر جوش مارتی تھی۔ آپ اُن دنوں ۱۲ مارچ ۱۸۹۴ء کے خط میں لکھتے ہیں کہ "مہاراج جی! میرا ہردم آپکے چرنوں میں خیال رہا ہے۔ آپ ابھی تک نہیں آئے۔ بڑا فکر لگا ہُوا ہے۔ پرسوں اور انرسوں ہمارا ریاضی کا امتحان ہے۔ انگریزی کا امتحان ہو چُکا ہے۔ مہاراج جی! اگر میرا ساٹھ روپیہ وظیفہ لگ جائے تو پہلے تین مہینے کا وظیفہ سارا ہی آپ نے رکھنا اور جو انعام ملے وہ بھی آپ ہی کی دولت۔ اور یُوں تو آپ جانتے ہی ہیں کہ مَیں خود سارا ہی آپ کا ہُوں۔ اگر مَیں ریاضی کے چاروں پرچے ہی سارے کے سارے کر آؤں۔ تب مجھے تسلّی ہوگی۔ مگر آپ کی دیا ہو تو یہ بات ذرا

مشکل نہیں" ؛

آپ کا عاجز غلام تیرتھ رام

بی۔اے کے سالانہ امتحان کا نتیجہ اِس سال گوسائیں جی نہ صرف آزمائشی امتحان میں اوّل رہے بلکہ سالانہ امتحان میں بھی ویسے ہی اوّل و اعلیٰ درجہ میں کامیاب ہوئے۔نتیجہ نکلنے کے وقت گوسائیں جی خود لاہور سے باہر تھے۔گوجرانوالہ کے پتہ پر گوسائیں جی کے ایک ہم جماعت نے مشن کالج لاہور سے اُنکے بی اے میں پاس ہونے کی خوشخبری اپنے ۱۷ اپریل ۱۸۹۳ء کے خط میں یُوں دی "مبارک باد دیتا ہُوں۔آپ پنجاب میں اوّل رہے ہیں۔ اور آپکے نمبر ۴۲۱ ہیں۔اور فرسٹ ڈویژن میں رہے ہو۔اور آپ کو ویسے ہی دو وظیفے ملیں گے۔دوم لچھمن داس۔سوم غلام سرور۔چہارم ٹوپن رام رہے ہیں ؛

کُل لڑکے ہمارے کالج سے اکیس کے قریب ہُوئے ہیں۔ اور کُل لڑکے (تمام پنجاب بھر میں) قریب پچاس کے پاس ہُوئے ہیں ؛

بندہ ضرور آپ کو تار دیتا۔مگر بندہ کا اپنا دِل بہت بیکل ہے۔اِس واسطے معذور فرماویں ؛

اپنے (بی۔اے کے) امتحان کے بارہ میں سوامی جی نے اپنے ایک لیکچر (وشواس) میں یُوں فرمایا ہے کہ "جب رام بی۔اے کا امتحان دے رہا تھا تو ممتحن نے ریاضی کے پرچہ میں ۱۳ سوال دیکر اُن پر لکھ دیا کہ اِن تیرہ سوالوں میں سے کوئی سے نو سوال حل کرو۔چونکہ رام کے دِل میں یقین جوش مار رہا تھا۔اُسنے تھی عرصہ میں سب تیرہ کے تیرہ سوال حل کرکے لکھ دیا کہ ان تیرہ سوالوں میں سے کوئی سے نو جانچ لو۔ حالانکہ اِن تیرہ سوالوں میں سے اَوروں نے مُشکل سے ۳ یا ۴ سوال حل کئے تھے"

اسے ایک خط میں اپنے والد صاحب کو گسائیں جی نے یُوں لکھا کہ "آپ کا لڑکا تیرتھ رام فرسٹ ڈویزن (درجہ اوّل) میں پاس ہونے کے علاوہ یونیورسٹی بھر میں اوّل رہا ہے۔ ساٹھ روپیہ ماہوار وظیفہ ملیگا۔ یہ سب مہربانی پرماتما کی ہے۔ ذاتی لیاقت کو اِس میں کچھ دخل نہیں" ایک دُوسرے خط میں اپنے خالو (ماسٹر) صاحب کو یُوں لکھتے ہیں کہ "مجھے دو وظیفے ملیں گے۔ ایک ۶۰ کا دُوسرا ۳۵ کا۔ یہ سب ایشور کی مہربانی ہے" ایک تیسرے خط میں لکھتے ہیں "جلسہ کانووکیشن پنجاب یونیورسٹی منعقد ہو چکا ہے۔ مجھے پچاس روپے نقد اور ایک طلائی تمغہ علاوہ ڈپلومہ (گاؤن) وغیرہ کے ملا ہے"۔

گورنمنٹ کالج میں ایم۔اے کی تعلیم کے لئے داخل ہونا

مشن کالج میں اُن دنوں ایم۔اے کی کلاس نہیں کھُلی تھی۔ لہذا بی۔اے پاس کرنے کے بعد ایم۔اے کی پڑھائی شروع کرنے کے لئے گسائیں جی گورنمنٹ کالج لاہور میں مئی ۱۸۹۳ء کو جا داخل ہُوئے۔ اِس سال گسائیں جی کی عُمر قریب ۱۹½ (ساڑھے انیس) برس کے تھی۔ مگر جائے غور ہے کہ اِس عُمر میں گوسائیں جی کی قلم کیا صحیح و دِلکش تصویریں قدرت کے نظاروں کی باندھتی تھی۔ آپ اپنے ۱۰ جولائی ۱۸۹۳ء کے خط میں گورُو جی کو لکھتے ہیں کہ "یہاں کل بڑی برکھا (بارش) ہُوئی تھی۔ آج مَیں کالج سے پڑھ کر سیر کرتا ہُوا ڈیرے آرہا ہُوں۔ اِس وقت بڑا سُہانا سماں ہے۔ جدھر دیکھتا ہُوں بادل نظر آتا ہے یا سبزی۔ ٹھنڈی ٹھنڈی پَون ہردیہ کو بڑی پریہ (پیاری) لگتی ہے۔ آکاش میں بادل کبھی سُورج کو چھپا لیتے ہیں۔ کبھی پرگٹ (ظاہر) کر دیتے ہیں۔ نالے نالیوں سے پانی بڑے زور سے بہ رہا ہے۔ گول باغ کے درخت پھلوں سے بھرپُور ہیں۔ ٹہنیاں جھک کر زمین سے آلگی ہیں۔

بھی پرتیت (ظاہر) ہوتا ہے کہ انار - آڑو - آم وغیرہ ابھی گرے کہ گرے۔
کبوتر کوّے اور چیلیں بڑی پرسنتا (خوشی) سے ہوا کی سیر کر رہے ہیں۔
درختوں پر پنچھی (پرندے) بڑے آنند سے گان کر رہے ہیں۔ طرح طرح کے
پھول کھلے ہوئے یہی معلوم دیتے ہیں کہ گویا میری راہ دیکھنے کے لئے
آنکھیں کھولے منتظر کھڑے تھے۔ زمین پر ہرا ول گیا ہے سبز مخمل کا فرش
بچھا ہے۔ سرو اور سفیدا (لمبے لمبے درخت) ابھی اشنان کرکے سورج کی
طرف دھیان کئے اِک ٹنگے کھڑے ہیں۔ گویا سندھیا اُپاسنا میں مگن ہیں
آکاش کی نیلتا اور سفیدی نے عجب بہار بنائی ہے ؛ بنڈک برسات کی
خوشیاں منا رہے ہیں ؛ ہر ایک طرف سے خوشی کے جنکارے بج رہے ہیں
گویا زمین اور آسمان کا بیاہ ہونے والا ہے۔ جس کی اولاد کتک (کارتک)
اور مگھر (مگسر) کے ستوگنی مہینے ہوگی۔ اِس وقت مجھے آپ یاد آتے
ہیں۔ چونکہ میں آپ کو یہ سب چیزیں دکھا نہیں سکتا لکھدیتا ہوں۔

اب میں ڈیرے آن پہنچا ہوں آپ کا خط ملا۔ بڑی خوشی ہوئی ہے۔
اب میں اپنی پڑھائی کا کام کرنے لگا ہوں کیونکہ پرسوں بدھوار ہمارا
امتحان ہے۔ یہ خط چلتے چلتے بنسل کے ساتھ رستے میں لکھا گیا تھا۔ اور
ڈیرے آن کر اِس کارڈ پر اسکی نقل کرتا ہوں ؟؟

پڑھانے کا شوق تعلیم حاصل کرنے کے ساتھ ساتھ سوامی جی کو پڑھانے
کا بھی بڑا شوق تھا۔ بی۔ اے جماعت میں اپنے بہت سے ہم جماعت لڑکوں
کو پڑھاتے تھے اور اِنکا بہت سا وقت مقررہ ڈیوٹیوں کے علاوہ ہم
جماعتوں کو پڑھانے میں صرف ہُوا کرتا تھا۔ خود کیسے ہی مشغول
کیوں نہ ہوں مگر جب کسی نے کوئی سوال پوچھا اپنا کام چھوڑ کر

جھٹ اُسکی طرف متوجہ ہو جاتے تھے ؛

یہ اشتیاق ایم۔اے میں داخل ہونے کے بعد پہلے سے بھی کُگنا تگنا بڑھ گیا۔ اب آپ اپنی تعلیم کے ساتھ ساتھ کسی ملازمت کے حصُول کا بھی خیال کرنے لگے ؛ اپنے ایک ۷ر جولائی ۱۸۹۳ء کے خط میں گورُوجی کو لکھتے ہیں کہ .. ؛؛ آج مَیں نے کچھ خبر سُنی ہے کہ ویدک کالج کا ریاضی کا پروفیسر چُھٹی لینی چاہتا ہے۔ اگر آپ پرماتما کو کہکر مجھے اُسکی جگہ فی الحال کرادیں تو یہ میرے اور آپکے لئے نہایت خوشی کی خبر ہو ؛؛

جب کِسی وجہ سے یہ جگہ نہ ملی تو پھر راولپنڈی کی طرف توجہ کی۔کیونکہ وہاں کے آرٹس کالج میں ایک پروفیسر ریاضی کی ضرورت تھی۔اتنے میں مشن کالج لاہور میں ہی ریاضی کے پروفیسر کی جگہ خالی ہونے لگی۔کیونکہ وہاں کے پروفیسر صاحب اپنے گھر ولایت کو رخصت پر جانے لگے تھے ؛

گوسائیں جی نے چونکہ اسی کالج میں تعلیم پائی تھی۔یہاں کے پروفیسر صاحبان نے اور خاصکر ریاضی کے پروفیسر نے ہی انہیں تعلیم میں بہت مدد دی تھی۔اِسلئے اِس کالج کی خدمت کرنا اپنا عین فرض سمجھ کر یہاں بلا تنخواہ گوسائیں جی نے اُس پروفیسر ریاضی کی جگہ کام کیا۔اور کالج کی تمام جماعتوں کو سال بھر تک ریاضی پڑھاتے رہے۔اور ساتھ ساتھ اپنی ایم۔اے کلاس کی تعلیم بھی گورنمنٹ کالج میں حاصل کرتے رہے ؛

پرنسپل گورنمنٹ کالج سے اتفاقیہ مُلاقات

گوسائیں جی کی سب کے ساتھ ہمدردی۔سادہ مزاجی۔پاک باطنی۔صاف دِلی اور خوش کلامی۔ ہر ایک کے دِل پر چُٹکیاں بھرتی تھیں۔جو کوئی اُنکو کالج میں یا باہر مِل جاتا اُنکے اعلیٰ اوصاف و اطوار سے ایک دفعہ تو ضرور موہت (متاثر) ہو جاتا

اپنے پرنسپل کالج کے ساتھ اتفاقیہ ملاقات کا حال اپنے ۱۷ جولائی ۱۸۹۳ء کے خط میں گورُوجی کو آپ یُوں لکھتے ہیں کہ آج میں دریا کی سیر کو گیا تھا۔ کشتیوں کے پُل پر پھر رہا تھا کہ مسٹر بیل گورنمنٹ کالج کے پرنسپل (بڑے صاحب) وہاں آنکلے۔ بڑی اچھی طرح سے ملے۔ کئی قسم کی باتیں ہوئیں۔ میری عینک کی بابت اور اِس بات کی بابت کہ میں چھتری کیوں نہیں لگاتا کیونکہ اُس وقت ابر آیا ہُوا تھا اور چھوٹی چھوٹی بُوندیں پڑ رہی تھیں وغیرہ وغیرہ۔ پھر مجھے اپنی گاڑی میں بٹھالیا اور شہر کی طرف لائے۔ رستے میں میری پڑھائی کی بابت ذکر ہُوا۔ اور مجھے کوئی سو شعر انگریزی کے زبانی یاد تھے۔ میں نے وُہ سُنائے اور ریاضی کی بابت بتایا کہ میں ایک مضمون کی چار یا پانچ کتابیں کم سے کم ضرور پڑھا کرتا ہُوں۔ اور جو انگریزی زباندانی کی کتابیں میں آج کل مطالعہ رکھتا ہُوں وُہ میں نے بتائیں۔ بڑے خوش ہُوئے۔ پھر اُنہوں نے میرے والدین کی بابت پُوچھا کہ آیا وُہ ذی اقتدار ہیں یا نہیں۔ میں نے جواب دیا۔ نہیں ۞ پھر اُنہوں نے پُوچھا کہ میرا ارادہ امتحان کے بعد کیا کرنے کا ہے۔ میں نے جواب دیا۔ میرا ارادہ کچھ نہیں۔ جو پرمیشور کی مرضی ہوگی میں اپنا ارادہ اُسکے مطابق کر لُوں گا۔ اور یُوں اگر میری کوئی خواہش ہے تو یہ ہے کہ وُہ کام کرُوں جس سے میں اپنی زندگی کا دم دم پرماتما کی خدمت میں صرف کرسکوں۔ اور پرماتما کی خدمت لوگوں کی خدمت کرنے میں ہوتی ہے اور لوگوں کی خدمت میں سب سے اچھی طرح ریاضی پڑھانے کے ذریعہ کرسکتا ہُوں وغیرہ وغیرہ ۞

اُنہوں نے بھی بہت سی باتیں میرے مطابق کیں اور یہ بھی کہا کہ ہم تمہارے حق میں جسقدر ہوسکے گا کوشش کرینگے (اب یہ صاحب پنجاب یونیورسٹی کے

قائم مقام رجسٹرار بھی ہو گئے ہیں) ؛
اتنے میں ہم اُنکی کوٹھی جو کالج کے عین نزدیک ہے آن پہنچے۔ پر وُہ مجھے اُس جگہ لائے جہاں لڑکے ورزش کیا کرتے ہیں۔ اور اُنہوں نے مجھے ورزش کرتے ہوئے لڑکے دکھائے۔ بعد میں اُنہوں نے مجھ سے پوچھا کہ تم کونسی ورزش کیا کرتے ہو۔ میں نے چارپائی والی ورزش بیان کی۔ اُنہوں نے ایک چارپائی منگائی۔ میں نے ایک سو ساٹھ دفعہ اُسے اُٹھایا اور رکھا۔ پھر اُنہوں نے اَور لڑکوں کو کہا کہ چارپائی سے ورزش کریں۔ اُن میں سے کوئی بھی بیس سے زیادہ دفعہ نہ کرسکا۔ اِس طرح اور لڑکوں کی دُوسری قسم کی ورزشیں کچھ عرصہ تک دیکھنے کے بعد وہ سب کو سلام کرکے اپنی کوٹھی کی طرف چلدیئے۔ اور میں نے ذرا آگے بڑھکر کہا کہ جی! میں آپکی مہربانی کا نہایت مشکور ہُوں ؛ پھر وُہ مجھکو سلام کرکے اپنی کوٹھی میں داخل ہوگئے۔ اور میں اپنے ڈیرے کی طرف چلا آیا ؛ اب مہاراج جی! یہ سب آپ کی مہربانی کا نتیجہ ہے۔۔۔۔ ''؛

سِول سروس کا وظیفہ جس سال گسائیں تیرتھ رام جی نے بی۔اے میں نمایاں کامیابی حاصل کی۔ اُسی سال پنجاب یونیورسٹی کی طرف سے انگلستان بھیجنے کے لئے کسی ممتاز و برگزیدہ طالب علم کا نام نامزد ہونا تھا۔ گورنمنٹ کالج کے پرنسپل صاحب مسٹر بیل جن سے کہ گوسائیں جی کی اتفاقیہ ملاقات ہُوئی تھی۔ اور جو اُس وقت یونیورسٹی کے قائم مقام رجسٹرار تھے۔ گوسائیں تیرتھ رام جی کے بہت مدّاح تھے۔ اور چاہتے تھے کہ گسائیں جی صوبہ پنجاب کے امتحانِ مقابلہ میں داخل ہوکر اکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر کے عہدۂ جلیلہ پر مامُور ہو جائیں مگر گوسائیں جی کی دلی خواہش ریاضی پڑھانے کی تھی۔ اور یہی خواہش اُنکو انگلستان لے جانے کیلئے اُبھارتی تھی۔ لیکن چونکہ تیرتھ رام جی کو حقیقت میں Rama Truth (سچا رام

مجسّم) بنتا تھا۔ اور دُنیاوی اُلجھنوں کی بجائے رُوحانی ڈیپارٹمنٹ میں داخل ہونا تھا۔ اِس لئے قُدرتِ کاملہ نے جس کے حُسنِ انتظام کے مقابلہ میں دُنیوی عقلوں اور اختراعوں کے سُورجوں کی روشنی ماند ہیتی ہے وہ دو سَو پونڈ کا وظیفہ جو گوسائیں جی کو ملنا تھا۔ کسی اور طالب عِلم کو دِلا دیا:

رُجحانِ طبع اِس طرح جب گوسائیں جی اِنگلستان جانے سے روکے گئے۔ تو پرنسپل صاحب و دیگر دوستوں نے پُوچھا کہ اب آپ کا ارادہ کیا ہے۔ تو گوسائیں جی نے جواب میں ہر ایک کو یہی کہا۔ (I wish to be a "either teacher or preacher") میری خواہش ہے کہ یا میں اُپدھیایک (معلّمِ ریاضی) بنوں۔ یا اُپدیشک (واعظ)۔ اِس جواب سے صاف ثابت ہوتا تھا کہ گوسائیں جی بذاتِ خود سِول سروس اور بیرسٹری کو نظرِ حقارت سے دیکھتے تھے۔ اور اُن کا رُجحانِ طبع دِینی (دھارمک) تھا۔ اِس لئے دُنیاوی باتوں اور عُہدوں سے اُنہیں سخت نفرت تھی۔ اِن دنوں اُن کا دِل اِتنا دھارمک خیالات (مذہبی عبادت) میں خود مستغرق رہتا تھا کہ دُنیا کی دیگر باتیں اُن کے دِل پر ذرا سا بھی اثر پیدا نہیں کرسکتی تھیں۔ اپنے ۲۵ دسمبر ۱۸۹۳ء کے خط میں گورو جی کو لکھتے ہیں کہ:-

....

آج یہاں دادا بھائی نوروجی (جو ہندوستان کا آدمی پارلیمنٹ کا ممبر ہے) تین بجے کی گاڑی میں آیا ہے۔ اتنی شان و شوکت کے ساتھ اِس کا استقبال کیا گیا ہے کہ جس کا کچھ انت نہیں :: کانگرس والوں نے اُسکو گویا برہما اور وِشنو کا مرتبہ دیدیا ہے۔ کئی سُنہری دروازے بنائے گئے ہیں۔ اُسکی گاڑی ابھی تک شہر میں پھرا رہے ہیں۔ لاکھوں آدمی ساتھ حاضر ہیں۔ اُسکے اِرد گِرد دیپ مالا ہے اور بڑے زور کے جنکارے بج رہے ہیں۔

عام آدمیوں کے دِلوں میں بے انتہا جوش آرہا ہے۔ اِس قدر جوش کہ جس کا کچھ ٹھکانا نہیں۔ مگر میرے دِل پر اِن باتوں سے ذرا اثر نہیں ہُوا۔ یہ بڑے مُتفکر کی بات ہے"؛

سادگی گوسائیں جی کی سادگی درجہ کمال تک پہنچی ہُوئی تھی۔ انگریزی وضع کے سُوٹ بُوٹ سے تو آپ حد درجہ احتراز فرماتے ہی تھے۔ مگر قیمتی پوشاک بھی نہیں پہنتے تھے۔ ایم۔ اے میں بھی محض گاڑھے (موٹے کھدّر) کے کپڑے استعمال کرتے تھے۔ اکثر اپنے گھر میں ہی کپڑے سِلواتے و سلواتے تھے۔ بازار سے شاذ و نادر ہی خریدتے تھے۔ اپنے ایک ۸ر مارچ ۱۸۹۵ء کے خط میں گوروُ جی کو لکھتے ہیں کہ" . . . پچھلے دِنوں مجھے کپڑوں کی بڑی تنگی تھی۔ دھوبی نے مہینہ بھر کپڑے نہیں دیئے تھے۔ اِسلئے میں نے اپنے پڑوسی درزی سے ایک جوغہ ایک کُرتہ ایک پاجامہ مول لے لیا تھا۔ مبلغ دو روپیہ سے دو پیسے کم لگے تھے ."+ گوسائیں جی کے ایک ہم جماعت لکھتے ہیں کہ ایک دِن گُسائیں جی عالمِ تذبذب میں دیکھے گئے۔ دریافت کرنے پر معلوم ہُوا کہ یونیورسٹی کا سالانہ جلسہ ہونے والا ہے اور اُس میں سارٹیفکٹ اور تمغہ حاصل کرنے کی غرض سے آپ کی شرکت لازمی ہے۔ فرمانے لگے کہ اِس موقعہ پر ولایتی جوغہ اور بُوٹ پہننے پڑینگے۔ اور یہ امر میری عادت کے خلاف ہے۔ کچھ دیر بحث کے بعد یہ فیصلہ ہُوا کہ یہ ہر دو چیزیں کسی ہم جماعت سے اُس دن کے لئے عاریتاً لے لی جائیں؛

ایم۔ اے میں روزانہ دستور العمل ۹ر فروری ۱۸۹۶ء کے خط میں گوسائیں جی اپنے گوروُ جی کو دربارۂ روز نامچہ یُوں لکھتے ہیں کہ" . . . . میں آج کل کوئی پانچ بجے صبح کے قریب اُٹھتا ہوں اور سات بجے تک

महानुभाव स्वामी रामतीर्थ
(अमरीका १९०४)

Ganga Fine Art Press, Lucknow

پڑھتا رہتا ہوں۔ پھر پاخانہ وغیرہ جاکر نہاتا ہوں۔ ورزش کرتا ہوں۔ اُسکے بعد پنڈت جی کی طرف جاتا ہوں۔ رستے میں پڑھتا رہتا ہوں۔ وہاں ایک گھنٹہ کے بعد روٹی کھاتا ہوں۔ اُنکے ساتھ گاڑی میں کالج جاتا ہوں۔ کالج سے ڈیرے آتی بار راستے میں دودھ پیتا ہوں۔ ڈیرے چند منٹ ٹھہر کر دریا کو جاتا ہوں۔ وہاں جاکر دریا کے کنارے پر کوئی آدھ گھنٹے کے قریب ٹہلتا رہتا ہوں۔ وہاں سے واپس آتی بار سارے شہر کے گرد باغ میں پھرتا ہوں۔ وہاں سے ڈیرے آن کر کوٹھے پر ٹہلتا رہتا ہوں۔ اتنے میں اندھیرا ہو جاتا ہے (مگر یہ یاد رہے کہ میں چلتے پھرتے پڑھنا برابر رہتا ہوں) اندھیرا پڑے ورزش کرتا ہوں اور لیمپ جلاکر سات بجے تک پڑھتا ہوں۔ پھر روٹی کھانے جاتا ہوں۔ اندر پرکم (ایک طالبِ علم کا نام ہے جس کے گھر پر جاکر گوسائیں جی پڑھایا کرتے تھے۔ مؤلف) کی طرف بھی جاتا ہوں۔ وہاں سے آن کر کوئی دس بارہ منٹ اپنے مکان کے کوٹھے کے ساتھ ورزش کرتا ہوں۔ پھر کوئی ساڑھے دس بجے تک پڑھتا ہوں اور لیٹ جاتا ہوں۔ میرے تجربہ میں آیا ہے کہ اگر ہمارا معدہ عین صحت کی حالت میں رہے تو ہمیں کمال درجہ کا سرور۔ فرحت۔ دِل کا یکسو ہونا۔ پرمشور کی یاد اور پاک باطنی حاصل ہوتی ہے۔ عقل۔ حافظہ۔ طاقت نہایت تیز ہو جاتی ہیں۔ اوّل تو میں کھاتا ہی بہت کم ہوں۔ دوم جو کھاتا ہوں خوب پچا لیتا ہوں ۔ ․ ․ ․ ․ ․ ․ ․ ․ ․ ․ ․ ․ ․ ․ ․

آج کل رائے میلا رام کا لڑکا (مراد رائے بہادر لالہ رام سرن داس صاحب سے ہے) جو ایف اے میں پڑھتا ہے مجھے کئی پیغام بھیج چکا ہے کہ میں اُسے پڑھانا منظور کروں۔ مگر میں نے ابھی کوئی جواب نہیں دیا؛ وقت کہاں سے لاؤں؟ مشکل یہ ہے کہ جن کو پڑھانے لگتا ہوں وہ پھر چھوڑتے بالکل نہیں۔ ہر چیلے حوالے سے مجھے رکھ لیتے ہیں۔ پیار سے اور محبّت سے باندھ

لیتے ہیں"۔

قوتِ برداشت گوسائیں جی صدمات کو بڑے صبر اور شانتی سے برداشت کرتے تھے۔ ایک دن آپکے گھر سے خط ملا کہ شری متی تیرتھ دیوی (ہمشیرہ صاحبہ) سُرگباش ہوگئی ہیں۔ آپ کو اُنکی بے وقت وفات کا سخت افسوس ہُوا۔ خاموشی کے عالم میں دریائے راوی کی جانب چلدیئے۔ تنہائی میں خون کے حقیقی جوش کو اشکِ ریزی کے ذریعے کم کرکے پرماتما کی درگاہ میں پرارتھنا کی کہ "ہمت کے ساتھ صدمات برداشت کرنے کی طاقت عطا ہو"۔ چنانچہ اپنے خالو صاحب کو ایک خط میں لکھتے ہیں کہ "میں اِن دنوں بڑے افسوس اور غم کی حالت میں رہا ہُوں۔ کیونکہ میری بہن جو میری رائے میں تمام پنجاب بھر کی عورتوں کے لئے چمکتا نمونہ تھی۔ بُردباری۔ محنت اور پاکیزہ خیالی وغیرہ میں ایک نمونہ تھی کال وش ہو گئی ہے"۔ ایسے ہی ۱۰ جنوری ۱۸۹۴ء کے خط میں اپنے گورو جی کو لکھتے ہیں کہ " . . . . . . اپنی بہن (ہمشیرہ) کی بابت مجھے کل ہی معلوم ہو گیا تھا۔ جو مجھے غم ہُوا ہے اُس کا نہ لکھنا اچھا ہے۔ میں بڑا ہی رویا ہُوں۔ میری اُس کے ساتھ از حد محبت تھی"۔

ایم۔ اے۔ میں قلبی حالت آج کل کی تعلیم کا اثر عموماً یہی دیکھنے میں آرہا ہے۔ کہ جُوں جُوں کالج کی جماعتیں پاس ہوتی جاتی ہیں تُوں تُوں دھرم کو جواب ملتا جاتا ہے۔ پورانی تہذیب و ایشور دھیان یا گورو بھگتی پر مضحکہ اُڑانا شروع ہو جاتا ہے۔ اور دِل مادی ترقی۔ عیش پرستی اور کوٹ پتلون کی بن ٹھن میں والا و شیدا ہونے لگ جاتا ہے۔ مگر گوسائیں تیرتھ رام جی کے دِل پر تعلیم سے بالکل اُلٹا ہی اثر پڑا۔ حالانکہ گرہستھ کے گورو (بھگت دھنا رام جی) بمقابلہ گوسائیں جی کے علمی لیاقت میں

بہت ہی پیچھے تھے۔ نہ وہ کوئی جماعت پاس تھے اور نہ کسی زباندانی میں ماہر۔ محض سیدھے سادھے۔ مگر پاک باطن۔ کلام کے سچے اور اُمی تھے۔ تاہم اُنکے ساتھ گسائیں جی کی دِلی محبّت و تعظیم کالج کی مادی تعلیم کے اثر سے ذرا کم ہونے نہیں پائی۔ کم تو کیا اُلٹا علمی ترقی کے ساتھ گورُو بھگتی بھی دِن دُونی اور رات چوگنی ترقی کرتی رہی۔ طالب علمی کے زمانے میں گسائیں جی ہر ایک کام کو گورُو جی کی آگیا سے کرتے تھے۔ اور جو کام بھی تکمیل کو پہنچتا تھا وہ سب گورُو کرپا یا ایشور کرپا سے ہوتا یقین کرتے تھے۔ اگر کسی غفلت کے سبب گورُو جی ذرا خفا ہو جاتے تھے تو بارہا معافی بذریعہ خطوط اُن سے مانگتے تھے۔ ایک دفعہ اتفاق سے گسائیں جی سے معمول سے زیادہ رقم خرچ ہو گئی۔ اور گورُو جی کی خفگی کا خط آیا۔ تو آپ اُسکے جواب میں ۱۷؍ دسمبر ۱۸۹۰ء کو یُوں لکھتے ہیں کہ ؎

"گر کُشی در جُرم بخشی۔ دست و سر بر آستانم
بندہ را فرماں چہ باشد۔ ہرچہ فرمائی بر آنم

مہاراج جی! جب آپ کا خط مجھے ملا۔ نہایت خوشی ہوئی۔ مگر پڑھکر دِل بڑے غم میں پڑ گیا۔ کیونکہ آپ غلام پر خفا ہیں۔ آپ اب معاف فرمائیے گا۔ کیونکہ میرے جیسے ناتجربہ کاروں سے غلطیاں اکثر ہو جاتی ہیں۔ آدمی گِر گِر کر سوار ہوتا ہے۔ اور کئی دفعہ بڑے سیانے بھی چُوک جاتے ہیں۔ تیراک (تارُو) ڈُوبتے آئے ہیں۔ آپ اب یہاں کب تشریف لائیں گے؟ جب تک آپ کا خوشی کا خط یا خود آپ یہاں نہ آئیں گے مجھے بڑا فکر رہے گا۔ مجھے معلوم ہے کہ آپ کو اِن دنوں "تنگی ہوگی۔ اِس لئے اگر آپ حُکم دیں تو مَیں یہاں سے کچھ عرض کروں (یعنی خدمتِ شریف میں کچھ

عجز و انکساری اور گورُو بھگتی نہایت قابلِ تعریف ہے۔ اتفاق سے اگر کسی کمی کے دُور کرنے میں اپنا دلی عقیدہ وُہ گورُو جی کو لکھتے تو بڑے ڈرتے ہُوئے پریم بھرے الفاظ سے لکھتے تاکہ گورُو جی کہیں خفا نہ ہو جائیں۔ گورُو جی کے خط اگرچہ خفگی بھرے اور شاید طعنہ آمیز آتے تھے۔ مگر آپ جواب بڑے ہی عاجزانہ۔ صداقت اور بھگتی سے بھرے شبدوں میں دیتے تھے۔ ۲۸ جون ۱۸۹۵ء کو کہیں بہت خفگی بھرا خط گورُو جی کے پاس سے آیا ہوگا۔ مگر آپ اُس کے جواب میں لکھتے ہیں کہ: "مَیں خط برابر اپنے معمول کے موافق ارسال کرتا رہا ہُوں۔ شاید آپ کو دیر سے ملتا ہوگا۔ یا میرا آدمی ڈاک میں ڈالنا بھول جاتا ہوگا۔ حقیقت میں دُنیا کی کوئی چیز پائدار نہیں۔ جو آدمی اِن چیزوں پر بھروسا کرتا ہے (اور اپنی خوشی کا مدار ان پر نہیں رکھتا) وُہ ضرُور نقصان اُٹھاتا ہے۔ دُنیا کے دولت مند برہنہ دراز دامن کی مانند ہیں۔ یعنی یہ لوگ ہیں تو بالکل برہنہ (ننگے) اور کنگال۔ مگر اپنے آپ کو بڑا دامن دراز یعنی پوشاکوں والا خیال کرتے ہیں۔ ایسے برہنہ دراز دامن سے ہمیں کیا سُکھ مل سکتا ہے۔ آپ نے غلام پر سدا نظرِ عنایت رکھنی۔ اور اپنا عاجز نوکر تصوّر کرنا۔ کوئی فکر نہ کرنا۔ آپ نے ہر طرح سے خوش رہنا۔ کسی طرح بھی خفا نہ ہونا۔ مَیں آپ کا ٹہلیا ہُوں":

اِن ہی دنوں میں گورُو جی کی اپنے رشتہ داروں کے ساتھ کہیں گھر میں کشمکش و ناچاقی ہو گئی۔ اور اُنہوں نے اِس کشمکش کا حال گوسائیں جی کو لکھدیا۔ مگر گوسائیں جی کا عارفانہ جواب اِس امر پر واضح طور سے روشنی ڈالتا ہے کہ سوامی جی کا چِت ایم۔اے کی تعلیم پانے وقت بھی کیسا دھارمک و شانتی بھرا تھا۔ گوسائیں جی ۵ جون ۱۸۹۶ء کو گورُو جی کو

جواب دیتے ہیں کہ "مہاراج جی! پرمیشور بڑا ہی چنگا ہے۔ مجھے بڑا ہی پیارا لگتا ہے۔ آپ اسکے ساتھ صلح رکھا کریں۔ آپکے ساتھ جو کبھی کبھی ذرا سختی سے پیش آتا ہے یہ اُسکے بلاس (تخول) ہیں۔ وُہ آپکے ساتھ ہنسی مخول کرنا چاہتا ہے۔ ہمیں چاہیئے کہ ہنسنے والوں سے خفا نہ ہو جائیں۔ کسی اور خط میں مَیں آپ کی خدمت میں اُس کی کئی باتیں سناؤں گا (عرض کروں گا) حقیقت میں وُہ بڑا ہی موتیوں والا ہے"۔

"یہ خط مَیں میز پر رکھکر لکھ رہا ہوں یہاں صبح تھوڑی سی کھانڈ پڑی تھی اُس کھانڈ کے پاس میز پر چار پانچ کیڑیاں اکٹھی ہو رہی ہیں۔ اور وُہ سب میری قلم کی طرف اور حرفوں کی طرف تک رہی ہیں۔ اور آپس میں بڑی باتیں کر رہی ہیں۔ جتنی گفتگو مَیں نے اُن سے سُنی ہے وُہ عرض کرتا ہوں۔ (مگر مَیں پہلے یہ عرض کرنی چاہتا ہوں کہ گو میرا خط بہت ہی خراب اور ناقص ہے۔ مگر اُن کیڑیوں کی نگاہ میں تو چین کے نقش و نگار سے کم نہیں) جو کیڑی سب سے پہلے بولی وُہ بڑی انجان اور معصوم تھی۔ ابھی ننھی بچی تھی:۔

پہلی کیڑی کہتی ہے:۔ "دیکھ بہن! اِس قلم کی کاریگری۔ کاغذ پر یہ کیا گول گول گھیرے ڈال رہی ہے۔ اسکی ڈالی ہوئی لکیروں (یعنی حرفوں) کو سب لوگ بڑی پریت سے اپنی آنکھوں کے پاس رکھتے ہیں (یعنی پڑھتے ہیں)۔ اور جس کاغذ پر یہ (قلم) نشانیاں کردے (یعنے لکھ دے) اُس کاغذ کو لوگ ہاتھوں میں لئے پھرتے ہیں۔ کاغذ پر گویا موتی ڈال رہی ہے۔ کیا رنگ آمیزیاں ہیں۔ بعضے بعضے حروف تو خاص ہماری اور ہماری ماسی کے بیٹوں (یعنے کیڑوں) کی تصویروں کی طرح معلوم ہوتے ہیں۔ کیا ہی خوبصورت ہیں+

؎ قلم گوید کہ من شاہِ جہانم ۔ قلم کش را بدولت می رسانم

اِس قلم میں جان نہیں ہے۔ مگر ہمارے جیسے جانداروں کو بیسیوں دفعہ پیدا کر سکتی ہے“۔

اتنا کہہ کر پہلی کیڑی تو خموش (خاموش) ہو گئی۔ اب دُوسری بولی۔ یہ کیڑی پہلی سے کچھ بڑی تھی اور اُس سے زیادہ بصارت رکھتی تھی۔ یعنی اِسکی آنکھیں تیز تھیں۔ دُوسری کیڑی: ”میری بھولی بہن! تُو دیکھتی نہیں کہ قلم تو بالکل مُردہ شئے ہے۔ وُہ تو بالکل کچھ کام نہیں کر سکتی۔ دو اُنگلیاں اِسے چلا رہی ہیں۔ جتنی صفت تُونے قلم کی کی ہے یہ سب اُنگلیوں پر عاید ہونی چاہئیے“۔

اب اِن دونوں سے ایک بڑی اور سیانی کیڑی بولی: ”تُم دونوں ابھی انجان ہو۔ اُنگلیاں تو پتلی پتلی رسیوں کی طرح ہیں۔ وہ کیا کر سکتی ہیں۔ وُہ موٹی بینی ہاتھ کی اِن سب سے کام لے رہی ہے“۔

اب ان کیڑیوں کی ماں بولی۔ ”یہ سب قلم یا اُنگلیاں ۔ بینی۔ بازو وغیرہ اِس بڑے موٹے دھڑ کے آسرے کام کر رہے ہیں۔ یہ سب تعریف اُس دھڑ کو موزوں ہے“۔

اتنا کہہ کر جب کیڑیاں ذرا چُپکی ہُوئیں۔ تو مَیں نے اُنکو یہ کہا کہ ”اے میرے دُوسرے سرُوپو! یہ دھڑ بھی جڑ رُوپ ہے۔ اِس کو بھی ایک اور چیز کا آسرا ہے۔ یعنی جان کا۔ اِس لئے حمد و ثنا اُس جان کے شایاں ہے“۔ جب مَیں نے اتنا کہا تو میرے دِل میں آپ کی طرف سے آواز آئی اور وُہ آپکے بچن بھی مَیں نے اُن کیڑیوں کو سُنا دیئے۔ اُن کا خلاصہ

مَیں درج کرتا ہُوں ”آدمی کی جان کے پرے بھی ایک وستُو ہے۔

ارتھات پرماتما۔ اِس وستُو کے آسرے سب بھُوت (پدارتھ) چیشٹا کرتے

ہیں۔ دُنیا میں جو کچھ ہوتا ہے۔ اُسکی مرضی سے ہوتا ہے۔ پتلیاں بغیر تار والے کے نہیں ناچ سکتیں۔ بانسری بغیر بجانے والے کے نہیں بج سکتی۔ اِسی طرح دُنیا کے لوگ بغیر اُسکے حکم کے کوئی کام نہیں کر سکتے۔ جیسے تلوار کا کام گو مارنا ہے مگر وُہ تلوار بغیر چلانے والے کے نہیں چل سکتی۔ اِسی طرح سے گو بعض اشخاص کا سبھاؤ بہت ہی خراب کیوں نہ ہو جب تک اُنہیں پرمیشور نہ اکسائے وُہ ہمیں تکلیف نہیں پہنچا سکتے۔ جیسے بادشاہ کے ساتھ صُلح کرنے سے تمام عملہ فعلہ ہمارا دوست بن جاتا ہے۔ اسی طرح پرماتما کو راضی رکھنے سے تمام خلق ہماری اپنی ہو جاتی ہے"+

مہاراج جی! آپ کا نوازشنامہ صادر ہُوا تھا۔ کمال خوشی کا باعث ہُوا تھا

مہاراج جی! اگر آپ یہاں رہنا چاہیں تو بڑی خوشی کی بات ہے۔ اور اگر وہاں آپ ایک آدمی رکھنا چاہیں تو آپ بیشک رکھ لیں۔ جہاں اتنا خرچ ہو رہا ہے۔ وہاں اور ایک آدمی کا خرچ بھی پرماتما بڑی اچھی طرح سے دیدینگے۔ میری طرف سے کوئی فرق نہیں۔ جس طرح سے جی چاہے کریں"۔

مجھے کسی پر ذرا غصّہ نہیں ہے۔ مَیں بڑا خوش ہُوں۔ اکثر طیش میں آکر منشیوں کی زبان سے کئی باتیں نکل جاتی ہیں۔ ہمیں سب معاف کرنی چاہئیں۔ آپ بھی معاف کردیں۔ آپ اُن سے صُلح کریں۔ کھانا آپ اُنکا چاہے کھائیں۔ چاہے نہ کھائیں۔ مگر صُلح ضرور کرلیں۔ اور سب خطائیں معاف کردیں۔ سادھوؤں کا کرتشا بھوشن ہوتا ہے"+

آپ اِن دنوں ذرا اچاہ (بلا خواہش) ہُوئے تھے اِس لئے آپکے بھائیا جی (یعنی والد صاحب) آپکے پاس آئے تھے"+

یہ خط بے اختیار اتنا لمبا ہو گیا ہے۔ معاف فرمانا۔ پرمیشور آپ کو بڑی

خوشی دیگا۔ آپ کا عاجز غلام تیرتھ رام

ایم۔اے کے زمانہ میں خوراک عموماً گوسائیں جی ستوگن بھوجن کھایا کرتے تھے اور دودھ کو سب سے بڑھ کر ترجیح دیتے تھے۔ مگر ایم۔اے میں آن کر آپ شاید بوجہ کثرت کام کے یا اور وجہ سے ضروری سمجھ کر محض دودھ پر گزارہ کرنے لگے۔اور کتنے ہی عرصہ تک یہ ہلکا اہار (بھوجن) جاری رکھا۔ ۱۱ر مارچ ۱۸۹۴ء کے خط میں آپ گورو جی کو لکھتے ہیں کہ "مہاراج جی! میں ان دنوں صرف دودھ پر گذارہ کرتا ہوں۔اور میرا دماغ بہت اچھی طرح کام کرتا ہے۔ بدن میں طاقت کسی سے کم نہیں۔من بھی تندرست رہتا ہے۔اگر آپ بھی اسی طرح صرف دودھ وغیرہ پر گزارہ کرنے کی عادت ڈال لیں تو مجھے بڑی خوشی ہو۔ خرچ کی کچھ پرواہ نہ کریں۔ دودھ پینا فضول خرچی نہیں ہے۔ دودھ زیادہ استعمال کرنے سے خرچ ہرگز ہرگز زیادہ نہیں ہوتا۔ اور اگر زیادہ ہو بھی۔تو کچھ پرواہ نہیں ہے" حقیقت میں گسائیں جی کو اس غذا کے جاری رکھنے سے گمان سے بھی بڑھ کر طاقت حاصل ہوئی۔ کہاں تو ہر روز بیمار رہنا۔ اور مشکل سے ہر روز ایک دو میل چلنا اور کہاں اب اس ہلکی دودھ کی غذا سے ہر روز بلکہ تندرست رہنا اور میلوں ہی تیز رفتار سے بلا تکان پیدل چلنا۔ آگے چل کر ۲۳ر دسمبر ۱۸۹۵ء کے خط میں گوسائیں جی اس غذا کا اثر لکھتے ہیں کہ" مجھے آٹھ دن روٹی کھائے ہو گئے ہیں۔ صرف دودھ پیتا ہوں۔ لیکن آج پورے تیس۳۰ میل کا چکر بطور سیر کے لگا آیا ہوں اور ذرا معلوم تک بھی نہیں ہوا۔ . . .۔"

کام میں آنند یہاں یہ امر ذہن نشین کرنے کے لائق ہے کہ بی۔اے پاس کرنے کے بعد گوسائیں تیرتھ رام جی علومِ ریاضی میں اتنی شہرت حاصل کر چکے

تھے کہ بہت سے کالجوں کے بی۔اے اور ایم۔اے کے طلبا آپ سے ریاضی سیکھنے آیا کرتے تھے۔ شاید ان دنوں میں آپ ایک انگریز طالبعلم کو بھی بطور ٹیوٹی پڑھایا کرتے تھے۔ اپنے کالج میں صرف ایک گھنٹہ برائے نام جایا کرتے تھے۔ اور اپنا باقی وقت مشن کالج میں ایف۔اے اور بی۔اے کے طلبا کو ریاضی پڑھانے میں صرف کرتے تھے گویا ایک ہی وقت میں آپ گورنمنٹ کالج میں ایم۔اے کلاس کے طالبعلم تھے۔ اُدھر مشن کالج میں ریضی کے آنریری پروفیسر تھے۔ علاوہ اسکے دیگر پروفیسروں کے پرچے امتحانوں کے برائے ملاحظہ آپکے پاس آجاتے تھے۔ اِس لئے گسائیں جی کے پاس کام سخت بڑھ گیا۔ اور دن رات کام میں مصروف رہتے تھے ؛

۱۴ر جولائی ۱۸۹۴ء کے خط میں آپ اپنے گورو جی کو لکھتے ہیں کہ "میں کل بڑا ہی کام میں مصروف رہا ہوں۔ چنانچہ رات کے دو بجے سویا ہوں۔ اور آج صبح پانچ بجے پھر کام کے لئے اُٹھ کھڑا ہوا ہوں۔ اِس لئے خط کل نہیں لکھ سکا۔ معاف فرمایئے گا۔ مشن کالج کے لڑکے بڑا ہی خوش ہوتے ہیں۔ یہ سب آپ کی دَیا ہے" ؛

باوجود اِس سخت مصروفیت کے گوسائیں جی کو کام میں حد سے بڑھ کر آنند آتا تھا اور کام کی کامیابی کا راز بھی بخوبی معلوم تھا ؛

آپ ۱۴ر مارچ ۱۸۹۴ء کے خط میں گورو جی کو لکھتے ہیں۔

"آج مَیں دیر کے بعد عریضہ بھیجنے لگا ہوں۔ اِن دنوں مجھے نہایت درجہ کا کام رہا ہے۔ چنانچہ آج مَیں سویا بھی پانچ گھنٹہ سے کم ہوں۔ پروفیسری کا کام بھی کرنے والا ہے۔ سارٹیفکیٹ نہایت ہی عمدہ ملے ہیں۔ آپ ہر طرح سے خوش رہا کریں۔ کسی قسم کا فکر نہ کریں۔ اگر ہم کسی کام کو کرنا چاہیں تو میری رائے میں ہم کو چاہیئے کہ اپنے من کو ذرا نہ ہلائیں (اُسکو اڈول

اچل اور بے حرکت رکھیں) مگر اس کام کے کرنے کے لئے اپنی اندریوں کو ذرا ساکن نہ ہونے دیں۔ اُن کو ہلانے اور چلاتے رہیں۔ اور نہایت مصروف رکھیں اس طرح سے ہم کو ضرور نہایت جلدی کامیابی ہوتی ہے۔ کرشن جی نے بھی ایسا ہی کہا ہے[۱]؛

مالی دِقتیں وظیفوں سے اگرچہ ساٹھ روپیہ کے قریب ماہوار آجاتا تھا مگر خانہ داری اور دیگر اخراجات کا بوجھ جو گوسائیں جی پر اسقدر بڑھ گیا تھا کہ ایک پیسہ بھی اُن کے پاس اور خرچ کو نہ بچتا تھا۔ ہر وقت بے زر ہی رہتے تھے۔ ایسی تنگی کے دنوں میں گسائیں جی ذرا اس فکر میں تھے کہ ایم۔ اے کے امتحان کا داخلہ کیسے دیا جائے؛

یہ پہلے واضح کیا جاچکا ہے کہ گوسائیں جی کا ایشور پر کامل وشواش تھا۔ اور جب کبھی کوئی مشکل درپیش ہوتی تو جھٹ ایشور کے دھیان میں چت لگا دیتے۔ اور سب کچھ بھگوت کرپا پر ہی چھوڑ دیتے تھے۔ اس تنگی کے وقت بھی پست ہمت ذرا نہیں ہوئے۔ بلکہ پختہ اعتقاد سے گورو جی کو آپ اپنے ۱۳ر نومبر ۱۸۹۴ء کے خط میں اطلاع دیتے ہیں کہ "......جو پرماتما اتنک مدد کرتا رہا اب بھی ضرور کرے گا۔ حوصلہ چھوڑنے کی کچھ ضرورت نہیں" ایسے پختہ وشواش سے ایشور بھروسا پر اپنے آپ کو چھوڑنا تھا کہ

---

[۱] زمانہ طالب علمی میں گسائیں جی کو کرشن گیتا کے پڑھنے کا بڑا شوق تھا بلکہ ایکدفعہ اپنے گورو جی کو لکھتے ہیں کہ میں نے ابھی گیتا کا بھوگ پایا ہے۔ نہایت ہی بڑا اُتم گرنتھ ہے۔ اس کو سمجھ کر پڑھنے سے پرمیشور کے اُوپر اتنا وشواش ہو جاتا ہے۔ جتنا دُنیادار پُرشوں کو اپنے شریر پر ہوتا ہے۔ اس لئے یہاں کرم کے راز میں گیتا کا حوالہ دیتے ہیں؛

گوسائیں جی کو جھٹ اپنے خالو صاحب سے ہمدردی بھری چٹھی آئی۔ گوسائیں جی خوشی میں آکر گورُوجی کو ۲۱ر نومبر ۱۸۹۴ء میں لکھتے ہیں کہ "ماسٹر خالو جی کا خط آیا تھا وہ لکھتے ہیں کہ امتحان کے داخلے کے واسطے روپیہ ہمارے بغیر اور کسی سے نہ لینے۔ پرماتما کی صفت کوئی کِس زبان سے کرے"؛ اِس طرح آپ اپنے ماسٹر جی سے داخلہ کی مدد لیکر امتحان ایم۔اے میں داخل ہُوئے

ایم۔اے میں کامیابی

اِس طرح بیسیوں مشکلات میں سے گزرتے ہُوئے آپ نے ایم۔اے کا امتحان دیا۔ اور اپریل ۱۸۹۵ء میں اُسکا نتیجہ نکلا۔ آپ نہایت کامیابی کے ساتھ پاس ہُوئے۔ آپ اپنے خط میں اپنے محسن مہربان معاون و مددگار ڈاکٹر رگھناتھ ل جی کو لکھتے ہیں۔ کہ "آج میرا نتیجہ نکلا ہے پرماتما نے دَیا کی ہے۔ بَس پاس ہو گیا ہُوں۔ امتحان ازحد مشکل ہُوا تھا۔ کبھی ہندوستان کی کِسی یونیورسٹی میں ریاضی کے ایسے مشکل پرچے نہیں آئے۔ یہ صرف پرماتما کی دَیا اور آپ کی دُعاؤں کی بدولت ہے"۔ اگرچہ اِس امتحان میں گوسائیں جی نے بی۔اے کی طرح کُل نمبر حاصل نہیں کئے تھے۔ مگر دونوں اے اور بی کورسوں میں کامیابی پائی۔ اور اس سے پہلے ایم۔اے کا کوئی طالب علم ریاضی کے دونوں کورسوں میں شاذ و نادر ہی پاس ہُوا تھا۔ سوانح عمری کے پڑھنے والے اِس قُدرت کے برگزیدہ رُکن اور آئندہ کے قُدرت مجسّم رامؔ کے خیالات کا ابھی سے اندازہ لگا سکتے ہیں کہ باوجود کامیابیوں پر کامیابیوں کے آپ اپنے محسنوں کو نہیں بھُولے۔ پرماتما کو نہیں بِسارا۔ گورُو بھگتی و گورُو سیوا کا خیال کم ہونے نہیں دیا۔ ہر لحظہ و ہر دم یہی سوچ و بچار جاری رہا کہ "یہ پرماتما کی مہربانی کا پھل ہے" "یہ گورُوجی کی کرپا اور دَیا ہے" وغیرہ +

اور گوروجی سے اسقدر اجتناب تھا کہ ابھی نتیجہ امتحان کا نہیں نکلا تھا
کہ آپ ۱۸ اپریل ۱۸۹۵ء کے خط میں اُنکو لکھتے ہیں کہ "آپ نے جو ایم اے
کا امتحان دیا ہؤا ہے اُس کا نتیجہ ابھی نہیں نکلا۔ جب آپ کے پاس
ہو جانے کی خبر آئے گی۔ مجھے بڑی خوشی ہوگی۔ یہ سب آپ ہی کا کام ہے۔
مجھے کوئی جلدی نہیں ہے۔ جس دن آپ کی خبر نکالنے کی مرضی ہو۔ اُسی
دن سہی"۔

ایم۔ اے پاس ہونے کے بعد کلاس کھولنے کا ارادہ

ایم۔ اے میں کامیابی حاصل کرنے کے بعد آپ کے چند خطوط سے ظاہر ہوتا ہے کہ بہتری کالج میں آپ کو جگہ مل سکتی تھی۔ پشاور اسکول کے ہیڈ ماسٹر
کی جگہ مل سکتی تھی مگر آپ کسی وجہ سے وہاں نہیں گئے۔ اپنے ایک خط میں
آپ لکھتے ہیں کہ "گورنمنٹ کالج کے پرنسپل مسٹر بیل اور دیگر کالجوں کے پرنسپل مجھے
بہت کچھ امیدیں دلاتے ہیں اور مسٹر بیل نے تو فی الحال (جب تک اِس کالج
میں جگہ خالی نہ ہو) مجھے اِس بات پر آمادہ کیا ہے کہ ریاضی میں مَیں پرائیوٹ
جماعتیں کھولوں۔ اور ایف۔ اے والوں سے دس دس روپے اور بی۔ اے والوں
سے پندرہ روپیہ ماہوار فیس لیکر اُنہیں ریاضی پڑھاؤں۔ چنانچہ مئی ۱۸۹۵ء
میں مسٹر بیل نے اپنے خرچ سے اِس قسم کے نوٹس وغیرہ چھپوائے۔ اور
دیواروں پر بعد ازاں لگوا دیئے تھے۔ اِس طرح سے کچھ عرصہ میں گسائیں جی
جماعتیں پرائیوٹ کھول کر پڑھانے لگے۔ اور علاوہ اِن جماعتوں کے کالج کے
ایک دو پروفیسر صاحب بھی گوسائیں جی سے ریاضی میں تعلیم پانے لگے۔
اور یہ سب کام بہت محنت طلب تھا گسائیں جی کی صحت امتحانِ ایم۔ اے کی محنت
مشقت کے سبب پہلے سے خراب ہو چکی تھی۔ اب اِن کلاسوں کے کھولنے اور پرنسپل

کو مدد دینے سے اُنکو لگاتار کام کرنا پڑا۔ جس سے کام کا پہلے سے بھی زیادہ بار ہو گیا۔ اِس لئے اُنکی صحت اور زیادہ بگڑ گئی اور اُنکو لاچار اپنے گھر مراریوالہ (ضلع گجرانوالہ) میں جانا پڑا:

ملازمت چند ماہ کے اندر شفا پاکر گوسائیں جی واپس لاہور تشریف لائے۔ اور کوئی ملازمت کرنے سے پیشتر پبلک کام میں قدم رکھنے لگے۔ ۳ جولائی ۱۸۹۵ء کے خط سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ سناتن دھرم سبھا کی تعلیمی سبھا کے ممبر بنائے گئے۔ اور وہاں کی انٹرنس جماعت کا امتحان لینا بھی اِنکے ذمہ ہُوا۔ اسکے بعد پھر سناتن دھرم سبھا کی سب کمیٹی کے سکریٹری بنائے گئے۔ اِس کمیٹی کے ممبر مفصلہ ذیل اصحاب تھے۔

(۱) پنڈت اشری پرشاد جی (۲) پنڈت ٹھاکُر دت جی (۳) پنڈت گنپتی جی (۴) پنڈت درگا دت جی (۵) پنڈت شیودت جی (۶) لالہ اودھیا داس صاحب بی۔اے اور گسائیں جی خود۔ ان پبلک خدمات کے ساتھ گسائیں جی کو معلوم نہیں کس وجہ سے علم نقشہ کشی (ڈرائنگ) سیکھنے کا بھی شوق ہو گیا۔ اور آپ لالہ ہنسراج صاحب پرنسپل ویدک کالج لاہور سے اِس علم کے سیکھنے کی اجازت لیکر اپنے گورُو جی کو ۵ نومبر ۱۸۹۵ء کے خط میں لکھتے ہیں کہ "لالہ ہنسراج جی کو میں جاکر ملا تھا۔ اُن سے علم ڈرائنگ یعنی نقشہ کشی بغیر فیس سیکھنے کی مجھے اجازت مل گئی ہے۔ ویدک کالج میں۔ آپ غلام پر دیا درشٹ رکھا کریں"۔ اِس شوق کے تھوڑے ہی دنوں بعد آپ سیالکوٹ امریکن مشن ہائی اسکول میں ۱۸۹۵ء میں بعہدۂ سکینڈ ماسٹری مامُور ہُوئے:

سیالکوٹ پہنچنے کے چند ہی روز بعد تمام سکولوں کے لڑکوں میں یہ بات مشہور ہو گئی تھی کہ مشن ہائی سکول میں ایسے ٹیچر آئے ہُوئے ہیں۔ جو

لاکھوں کروڑوں کی ضرب یاد سے بتا دیتے ہیں۔ اِنکی ایسی شہرت سے دُور
دُور کے طلباء سیالکوٹ مشن اسکول میں آنے لگے۔ آپ کی تنخواہ صرف اَسّی
روپے تھی۔ اُسوقت بھی آپ کی تنخواہ کا زیادہ حصّہ آپ کے زمانۂ طالب علمی
کے وظیفہ کی طرح طلباء کی امداد میں خرچ ہوتا تھا۔ جس لڑکے کا جی چاہتا
آپ کا نام لیکر حلوائی سے حسب ضرورت دُودھ پی لیتا تھا۔ جسمانی ورزش
کا آپ کو بے انتہا شوق تھا۔ اور طلباء سے آپ کا ربط ضبط اتنا بڑھ گیا تھا
کہ جو چیز وُہ چاہتے تھے آپ بلا تامّل مہیّا کر دیتے تھے۔ آپکی سادہ مزاجی۔
رحم دلی۔ ہمدردی۔ بے غرضی اِن دِنوں بھی ایسی ہی مشہور ہیں کہ آبِ زر
سے لکھنے کے قابل ہیں۔

ذیل کے ایک واقعہ سے آپکی سادہ دِلی اور پاک زندگی پر روشنی پڑتی
ہے۔ بیان ہے کہ جب آپ پہلے سیالکوٹ مُلازم ہوکر گئے تو وہاں پہنچنے کے
تھوڑے ہی عرصہ کے بعد آپکے پاس خرچ ختم ہو گیا تھا۔ مجبوری ضرُوریات
پُورا کرنے کے لئے وہاں کے ہی ایک واقف سے دس روپے قرض لئے۔ یُوں
تو قرض عام لوگ لیتے ہیں اور ادا بھی کر دیتے ہیں۔ مگر اِس بے غرض
سادہ مزاج اور ایشور بھگتی سے رنگے ہُوئے گوسائیں جی کے قرض کی
ادائیگی کی بھی عجیب صُورت تھی۔ یعنی جب تک آپ سیالکوٹ میں رہے
آپ اُس شخص کو ہر مہینے دس رُوپے ادا کرتے رہے۔ وُہ ہر چند انکار
کرتا تھا۔ مگر آپ اپنے محسن کے اُس دس روپیہ کے احسان کو بار بار
یاد کرتے اور رُوپے دے دیتے ‡

سیالکوٹ آنے سے پہلے لاہور کی سناتن دھرم سبھا کو تو اپنی خدمات سے
مستفیض کیا ہی تھا۔ لیکن یہاں کی سناتن دھرم سبھا اور دیگر ست

منگیوں کو بھی اپنے پریم بھرے اُپدیشوں سے بہت فائدہ پہنچایا۔

۸ اکتوبر ۱۸۹۵ء کے خط میں آپ گورو جی کو لکھتے ہیں کہ "...... آپ کی دیا سے یہاں آنے والے سب لڑکے خدا بن گئے ہیں۔ مگر بھجن بھی کیا کرینگے"۔ اور ۱۱ اکتوبر ۱۸۹۵ء کے خط میں لکھتے ہیں کہ "...... کل انہوں نے (سناتن دھرم سبھا والوں نے) میرے لیکچر کا اشتہار نہیں دیا تھا۔ مگر آپ کی کرپا سے میرے بولتے بولتے سناتن دھرم مندر کا میدان آدمیوں سے بالکل بھر گیا تھا۔ ڈپٹی صاحب اور بڑے بڑے عہدہ دار بھی تھے۔ ویش پر بھی لولا تھا۔ مگر لوگوں کی آنکھیں آنسوؤں سے تر نظر آتی تھیں اور تالیاں بھی بہت بجی تھیں.......... "۔

ایک اور خط میں اپنے خالو صاحب کو لکھتے ہیں :۔ کہ "یہاں کی سناتن دھرم سبھا کو بھی میرے سبب سے بڑی رونق ہو گئی ہے۔ جب میں اپنے فرائض دِل و جان سے اچھی طرح بھگتا دیتا ہوں تو ایک سُرور سا آجاتا ہے۔ جس کے آگے شاہی خزانے کی بھی کچھ حقیقت نہیں ہے۔ یہاں کے تمام لوگ ہندوستانی اور انگریز میرے مہربان بن گئے ہیں"۔

اصل بات تو یوں ہے کہ آپ چونکہ خود پریم کے پُتلے اور مہربانی مجسّم تھے اِس لئے جو کوئی بھی اُنکے پاس آتا وہ ویسا ہی اُنکے ساتھ ہو جاتا تھا۔ ایسے مہاپرش کے آگے دُنیوی خزائن اور دفائن بھلا کیا حقیقت رکھتے ہیں :

بورڈنگ ہاؤس کا مہتمم ہونا سیالکوٹ مشن ہائی سکول کا بورڈنگ ہاؤس بھی تھا۔ وہاں کے سپرنٹنڈنٹ ایک مسلمان اُستاد تھے۔ ۵ مارچ ۱۸۹۶ء کے خط میں گسائیں جی اپنے گورو جی کو لکھتے ہیں کہ "۔ پچھلے دنوں یہاں

کے مسلمان سپرنٹنڈنٹ صاحب نے ایک نا جائز حرکت کی (یعنی ہندوؤں کی قسم کا گوشت بورڈنگ ہاؤس میں منگوایا۔) اس بات کی خبر ہو گئی۔ سو اسکو نکال دیا گیا ہے۔ اب بورڈنگ کا مہتمم میرے سوا اور کوئی ہندوستانی نہیں بن سکتا۔ اس لئے مجھکو انتظام سنبھالنا پڑا ہے۔ آج وہاں (بورڈنگ) چلے جانا ہوگا۔ جو جگہ میں نے وہاں لی ہے وہ اس جگہ سے بہت اچھی ہے اور آپ کو وہاں بہت سکھ ہوگا۔ ایکانت بھی ہے"۔

مشن کالج لاہور کی پروفیسری

صرف چند ماہ تک ہی سیالکوٹ میں مہتمم بورڈنگ ہاؤس کا فرض نبھایا تھا کہ اپریل ۱۸۹۶ء میں گسائیں جی مشن کالج لاہور میں ریاضی کے پروفیسر مقرر ہو گئے۔ اور یکم مئی ۱۸۹۶ء میں اس سینیر پروفیسری کی کرسی کو زینت بخشی۔ آپکے ایک خط سے واضح ہوتا ہے کہ ان دنوں آپ ایس۔سی۔ڈی (ڈاکٹر آف سائنس) کی ڈگری حاصل کرنا چاہتے تھے جو اُس وقت تک کسی ہندوستانی نے حاصل نہیں کی تھی۔ مگر جیسا کہ آپ کو سول سروس کو مجبور ہو کر خیرباد کرنا پڑا۔ ایسا ہی علم ریاضی کے پڑھانے کے شوق میں آپ کو یہ بھی ترک کرنا پڑا۔

سچّا دلی ترک (ویراگ)

اس پروفیسری کے زمانہ میں بھی جیسا تیاگ گسائیں جی کے دل میں جوش مارتا تھا۔ کسی میں شاذ و نادر ہی نظر آیا ہوگا۔ جسقدر تنخواہ یا دیگر رقم یونیورسٹی سے موصول ہوتی اُسے فی الفور مستحق پُرشوں میں تقسیم کر دیا کرتے۔ اور اپنے پاس اپنی خاطر محض ایک یا دو ہی روپے شاید بچاتے۔ گسائیں جی اپنے ۵ جون ۱۸۹۶ء کے خط میں گورو جی کو لکھتے ہیں کہ۔۔۔۔"میں تو بالکل ہی آپ کا ہوں۔ کسی چیز کو اپنا

نہیں سمجھا ہُوا۔ دولتِ دُنیا کو جمع کرنا خوشی کا کارن نہیں سمجھا ہُوا۔ نہ گہنا

بنانے کا نہ سامان مہیا کرنے کا خیال ہے۔ آپکی کرپا سے درخت کا سایہ گھر کی جگہ بھبوت کپڑوں کی جگہ۔ زمین بچھونوں کی جگہ۔ اور بھیک کا ٹکڑہ کھانے کو اگر ملے تو بھی بڑا آنند مانا ہُوا ہے۔ کس دولت کی خاطر میں آپ کو خفا کردُوں؟ اگر فقیروں کی طرح رہنے کا آپ مجھے حکم دو تو مَیں اب حاضر ہُوں۔ سب کچھ چھوڑکر ساہدؤوں کی طرح رہنے کو (تیار ہُوں)۔ کالج میں کام بھی کرتا رہوُں گا جو کچھ وہاں سے ملے۔ جس طرح آپکا چت چاہے برت لیا کرنا چاہئے گھر بھی جو منا سب چاہو دیدیا کرنا۔ عاجز غلام تو صرف کام کرنے اور پرماتما کو دل میں قائم رکھنے میں وُہ سُکھ پاتا ہے۔ جو کسی بیرونی سُکھ یا جاہ و جلال کی ذرا احتیاط نہیں رکھتا مجھے تو جو پرمیشور کی خاطر کام کرنے میں سُکھ ہوتا ہے وہی کافی تنخواہ ہے۔ میری تنخواہ جانے اور آپ جانیں۔ میرا آتما تو ان چیزوں سے نہ گھٹتا ہے نہ بڑھتا ہے سدا آنند رُوپ ہے۔ یہ سب آپکی کرپا کا پھل ہے......"

کرشن بھگتی اِس قلبی تیاگ کے زمانہ میں گسائیں جی کا از حد عشق (پریم) بھگوان کرشن چندر سے ہو گیا۔ کرشن گیتا کا مطالعہ تو روز بروز ترقی پر تھا ہی۔ اور کئی بھوگ بھی گیتا کے پائے تھے (یعنی کئی دفعہ مکمل پڑھ ڈالا تھا) مگر اب کرشن بھگوان کے عشق کی یہ نوبت پہنچی کہ دن رات اپنے پیارے کی یاد کے سوائے اور کچھ نہ سُوجھتا تھا۔ ہر وقت اُسکے دیدار کی تمنّا دل کو پاگل بنائے رکھتی تھی۔ جہاں بھی کہیں کرشن کا نام سُنا۔ جھٹ وہیں محویت طاری ہو جاتی۔ اگر کہیں بانسری کی سی۔ آواز سُنائی دے جاتی۔ تو وہیں دل بے سُدھ ہو جاتا۔ چنانچہ لاہور میں آپ صبح کئی گھنٹہ دریائے راوی کے کنارے پر اپنے دل رُبا کی یاد میں محو رہتے تھے۔ اپنے دوستوں و دیگر رفیقوں سے فضول بات چیت اور تمسخر نہیں کیا کرتے تھے۔ ہمیشہ دھرم کے متعلق بات

جیت کیا کرتے تھے۔ اِس بھگتی کی کیفیت کا مفصل حال گوسائیں جی کے اُس وقت کے ایک دوست یا واقف کار نے رسالۂ کل بھاسکر میں یوں تحریر فرمایا ہے۔ کہ "ایک روز شام کو راوی دریا سے پرے جنگل میں گوسائیں جی ٹہلتے تھے۔ آسمان پر گھنگور گھٹا چھا رہی تھی۔ کالے کالے بادلوں کو دیکھ کر کچھ دیر تو آپ عالم محویت میں رہے اور پھر زار و قطار رو کر کہنے لگے "اوہ اے کرشن! اے گھنشام! یہ شیام رنگ کے بادل آپکا رنگ ہیں۔ یہ مجھے بیاکل کر رہے ہیں۔ پیارے! اتنا کیوں ترساتے ہو؟ بتاؤ تو سہی؟ کون سے کنج میں تم چھپے ہوئے ہو؟ ارے بادل! تو اونچائی سے بہت کچھ دیکھ سکتا ہے۔ پھر بتاؤ میرا کرشن کہاں ہے۔ اچھا میں سمجھ گیا۔ تُو نے بھی اُنکی جُدائی کے غم میں اپنا کالا (کرشن) رنگ بنا رکھا ہے۔ کیا مجھ کو اُس پیارے کرشن کا دیدار حاصل نہ ہوگا؟ یہ دُنیا بغیر اُس کرشن کے درشن کے کاٹ کھائے گی۔ یہ جُدائی کے دُکھڑے کس کے آگے روؤں؟ اے کرشن! تمہاری خاطر دوست و اقارب سے مُنہ موڑا۔ دُنیاوی شرم و حیا چھوڑی۔ لیکن ناز و نخرے کا ٹھکانا ہی نہیں۔ میرا آپکے سوا کون ہے؟"

بادلوں کو غائب ہوتے دیکھ کر کہنے لگے۔ "او بھائی بادل! جاتے ہو تو جاؤ مگر میرا پیغام کرشن کے پاس لیتے جاؤ! تم دیکھتے ہو کہ میری آنکھوں سے آنسو بہ رہے ہیں۔ اُس بیوفا کو میری طرف سے کہنا ؎

مزا برسات کا چاہو میری آنکھوں میں آ بیٹھو
سیاہی ہے سفیدی ہے شفق ہے ابر باراں ہے

جانِ من! کبتک ترسا کریں۔ اب صبر نہیں آتا۔ یا تم ملک الموت کو بھیجکر خاتمہ کردو۔ یا شربتِ دیدار سے اِس تشنۂ لب کی پیاس بجھاؤ۔ یہ

کس قسم کا دستور ہے کہ محبت کی آگ سے میرا جگر کباب بنا دو۔ آپ دُور ہی دُور سے تماشا دیکھو! سُورج کو بغیر مانگے آپنے جلال بخشا۔ چاند کو شانتی اور خوبصورتی عطا فرمائی۔ پھُولوں کو بغیر ہاتھ پھیلائے گُونا گوں کے رنگوں سے مالا مال کر دیا۔ ایک مجھکو گیان بخشنے سے آپ کا خزانہ خالی ہو جائیگا؟ اَے کرشن! اگر درشن نہیں دوگے تو یہ طائر رُوح قفس تن سے پرواز کر جائیگی۔ اور آپ کی یاد میں آنکھیں کھُلی رہ جائیں گی :: ع

بلبم رسید جانم تُو بیا کہ زندہ مانم

پیارے بادل! بس یہی الفاظ دوہرا دینا"۔ یہ کہکر اے کرشن اے کرشن!! بولتے ہُوئے بیہوش ہو کر گر پڑے ::

آپ رات کے دو بجے تک جس پریم میں مگن رہتے تھے۔ آپ کے اِس دلی عشق کی کیفیت سے بہت تھوڑے لوگ واقف تھے مگر تھوڑے ہی دنوں بعد آپ کی انتہائی بھگتی کی حالت عام طور پر مشہُور ہو گئی۔ لالہ اجودھیا پرشاد وکیل ہوشیار پُور کا بیان ہے کہ گُوسائیں تیرتھ رام ایک دفعہ لاہور میں بھائی نند گوپال کے مندر میں راماین کی کتھا سُن رہے تھے۔ چند منٹ کے بعد دَوران کتھا میں بچّوں کی طرح ہونٹ بسار کر رونے لگے۔ یہاں تک کہ ڈھاریں مارنے لگے۔ بہت منع کیا۔ پنڈت جی (کتھا کہنے والے) نے بھی دلاسا دیا۔ مگر بے سُود۔ آخر مجبوراً کتھا بند کرنی پڑی۔ رفتہ رفتہ بے صبری بڑھتی گئی۔ گویا ع

مرض بڑھتا گیا جُوں جُوں دَوا کی

کتھاؤں کے سُننے کے بعد رو رو کر آپ یہی کہتے سنائی دیتے تھے "اے کرشن! مجھ پر رحم کیجئے۔ درشن دیجئے۔ کیا مَیں کسکندھا کے بندروں سے

بھی گیا گزرا ہُوں۔ کیا مَیں بھیلنی سے بھی گیا گزرا ہُوں ؟ اگر آپ نہ ملے تو چُولھے میں جائے یہ علم۔ خاک میں جائے یہ عزّت۔ اور بھاڑ میں جائے یہ جِسم"۔

ایک دفعہ کالج میں گرمیوں کی چھٹّیوں کے بعد آپ نے یہ ارادہ کیا کہ بہت پڑھایا۔ شب و روز محنت کی۔ اب یہ چھٹّیاں تو ایشور کے بھجن میں ہی گزاریں گے۔ صبح اُٹھ کر راوی پہنچے۔ اپنے پیارے کے دھیان میں مستغرق ہوئے اتنے میں کوئل کی آواز سُن کر چونک پڑے۔ کہنے لگے اری کوئل! تیری آواز میں یہ دِل آویزی کہاں سے آئی ؟ کیا تُو نے اُس بانسری والے کو دیکھ لیا ہے! معلُوم ہوتا ہے اُس سے تُو آواز اُدھار لائی ہے۔ تُو نے اُس کرشن پیارے کو دیکھ لیا ہے۔ سچ بتا وُہ ہمسے کس ترکیب سے اور کب ملیگا؟ اری آنکھوں! اگر شیام کو نہیں دیکھ سکتی ہو تو ابھی پھُوٹ جاؤ! ارے ہاتھو! اگر پیارے کرشن کے چرن نہیں چھُو سکتے ہو تو مَیں تُم کو رکھ کر کیا کروں گا گل جاؤ! مرجاؤ!!........" اُسی مہینے میں کسی دُوسرے دن گھبراکر بولنے لگے "اے بھگوان! ایک دن اور گزر گیا۔ آپ کا دیدار نصیب نہیں ہُوا کیا اسی طرح میری زندگی ضائع ہو جائے گی ؟ اِس جنم میں تو مَیں نے کوئی گُناہ بھی نہیں کیا۔ پھر آپ کی جُدائی کے صدمہ کیوں برداشت کرتا ہُوں"۔

"اچھّا مَیں پاپی گنہگار ہی سہی۔ اب تو مَیں آپ کے شرن آیا ہُوں بخش دیجئے۔ جھلک دکھا دیجئے۔ اے ناتھ! اگر جان دینے سے بھی آپ ملتے ہیں تو لے لیجئے۔ یہ پران بھی آج آپ کی بھینٹ کئے دیتا ہُوں۔ مجھے آپکے درشن کی چاہ ہے......" یہ کہتے کہتے زار زار رونے لگے۔

آنسوؤں سے کپڑے تر بتر ہو گئے۔ رونا بند ہی نہیں ہوتا تھا۔ بیہوش ہو گئے۔ جب آنکھیں کھلیں تو ایک کالا سانپ پھنکاریں مارتا ہوا آپ کے سامنے آکھڑا دکھائی دیا۔ آپ اُس کو دیکھتے ہی اُٹھ بیٹھے اور کرشن کرشن کہتے ہوئے لپکے۔ "کرُ مہاراج آپ نے اِس رُوپ میں درشن دیا۔" یہ کہتے ہوئے پھر گر پڑے اور بیہوش ہو گئے۔ ہوش میں آئے تو سانپ چلا گیا تھا۔ بولنے لگے "ناتھ بھلے تو سہی مگر دِل کی دِل ہی میں رہی۔ مَیں تو آپ کی شیام سُندر مورتی کے درشن کرنے چاہتا ہوں۔ مَیں تم کو اُسی خوبصورت جسم میں دیکھوں گا۔ جس پر گوپیاں قربان ہوئی تھیں۔ اَے من موہن!......" یہ کہتے ہوئے پھر بے ہوش ہو گئے؛ اسوقت آپ کے ایک دوست نے دروازے کے اندر قدم رکھا جو آپ کی یہ تمام حالت دیکھ رہا تھا۔ وُہ کہنے لگا کہ "گوسائیں جی! مُبارک ہے وُہ ماں جس نے آپ جیسے پُتر کو پیدا کیا۔" اتنے میں آپ ہوش میں آگئے۔ اور نہایت بلند آواز سے کہنے لگے "اَرے وُہ ہمارا دِل رُبا کہاں گیا؟ ابھی تو میرے سامنے کھڑا تھا۔ ہائے اب زِندگی بیکار ہے"۔ دوست بولا "گوسائیں جی! جس کی آپ کو تلاش ہے وُہ آپ کے دِل میں موجُود ہے" یہ سُن کر آپ نے اپنے کپڑے پھاڑ ڈالے اور سینہ نوچنا شروع کیا۔ خُون نکل آیا۔ کہنے لگے۔ "اَرے من موہن! اگر تم دِل ہی میں ہو تو بچکر کہاں جاؤ گے۔ ابھی کھوج ڈالتا ہوں"

دوست گھبرایا۔ گوسائیں جی کے دونوں ہاتھ پکڑ کر کہنے لگا۔ "مہاراج! صبر کیجئے۔ بھگوان آپ کو مِلیں گے" گوسائیں جی: "کیوں ناتھ! کیا باہر آگئے؟ اگر کچھ دیر اور نہ آتے تو دیکھتے کہ مَیں آپ کو کہاں سے نکالتا" یہ کہکر پھر بے ہوش ہو گئے۔ شام کو اُٹھے۔ اُس وقت طبیعت بالکل شانت

تھی اور چھٹیاں بھی بالکل ختم ہو چکی تھیں گویا اس دفعہ چھٹیاں پریم کے ولولوں اور عشق کی اُمنگوں و جوشوں میں گذریں۔

پھر جب اگست ۱۸۹۶ء میں کالج کی چھٹیاں آئیں۔ تو اِسی طرح کرشن بھگتی سے گسائیں رام کو متھرا برندابن جانے کی سُوجھی۔ پنڈت دین دیال جی آپ کے دوست اور واقف کار تھے۔ اور وُہ متھرا برندابن اکثر جایا کرتے تھے۔ اِس لئے اُنکے ہمراہ برج بھومی کی یاترا کو آپ چلے۔ اور پنڈت جی کا کُل خرچ اپنی جیب سے ادا کیا۔ متھرا میں بیٹھکر آپ گورو جی کو اپنے ۹ر اگست ۱۸۹۶ء کے خط میں تحریر فرماتے ہیں کہ "آج ہم برج کی یاترا کو چلے ہیں۔ تین چار دن لگیں گے۔ گوبردھن۔ برسانا۔ نندگام۔ گوکل بلداؤ۔ یہ سب مقامات دیکھیں گے۔ اُمید ہے کہ ستمبر میں حاضر خدمت ہو جاؤنگا۔ آپ نے تو خط بھلے پتہ پر ہی لکھنا۔ تین مہاتماؤں کے درشن ہُوئے:۔ پتہ۔ شری برندابن دھام۔ کیشی گھاٹ۔ نارابن سوامی جی مہاراج کی معرفت تیرتھ رام کو ملے۔ پنڈت جی کی طرف سے جے سری کرشن چندر مہاراج کی"؛ اپنے اور خطوں میں اِس برج بھومی کی آپ بہت تعریف لکھتے ہیں۔ اور یاترا کرتے وقت قدم قدم پر اپنے پیارے کی یاد فرماتے جاتے ہیں۔ اور جگہ جگہ پیارے کرشن کی رہائش وغیرہ کے مقامات دیکھ کر دِل ان کا بلیوں اُچھلتا تھا۔ اُس کے نام سُننے سے گھڑی گھڑی سمادھی طاری ہو جاتی تھی؛ اپنے پیارے کے پریم میں مگن ہُوئے آپ نے ایک لیکچر بھی انگریزی میں متھرا میں دیا۔ شہر کے کُل رؤسا اور امیر سُننے آئے تھے۔ ہر ایک نے مضمون سُنکر عش عش کی؛

کرشن مہاراج کے درشن اس اا انتہا بھگتی کا یہ ثمرہ ملا کہ گوسائیں جی کی

بار بار سمادھی محض کرشن جی کے نام سے لگ جاتی تھی - زمانۂ خانہ داری میں گوسائیں جی نے اپنی زبانِ مُبارک سے راقم سے یُوں فرمایا کہ "آج ہمارے گولو بار (کرشن مہاراج) نے اشنان کرتے سمے (وقتِ غُسل) خُوب درشن دیئے - اور باہم مُٹھ بھیڑ خُوب ہُوئی - یعنی گلے لگ کر خوب گھُٹ کر ملے - مگر ملنے کے تھوڑے ہی عرصہ بعد ہاتھ پر ہاتھ مار کر گُم ہو گئے - اور مجھے ویسے ہی اپنے عشق میں بلبلاتا اور روتا چھوڑ گئے"۔ اِس طرح کی سمادھی اور دیدار کی حالت گوسائیں جی پر گھڑی گھڑی طاری ہو جاتی تھی اور سُور داس اور میراں بھائی کی طرح بھگوان کرشن کے عشق میں بہت دنوں پاگل بنے رہے ؛

نارائن کے دل پر اثر اس کرشن بھگتی کے زمانہ میں گُسائیں جی کے لیکچر دربارۂ عِشق الٰہی سناتن دھرم سبھا لاہور میں ہُوا کرتے تھے - لیکچر کیا ہوتے تھے گویا پریم کے آنسوؤں کا طُوفان اُمڈ آتا تھا - اُپدیش کرتے وقت آپ کے آنسوؤں سے کپڑے بھیگ جاتے تھے - اور بعض اوقات گھگّی بندھ جاتی تھی - سُننے والے بھی عِشق سے گھائل ہو کر دم بخود رہ جاتے تھے - اور مدّت تک سکتے کا عالم طاری ہو جاتا تھا - ایک دفعہ دورانِ تقریر میں "ہائے میرے کرشن کو لوگ کالا کہتے ہیں - اے کرشن تُو بھی کالا - میرا دل بھی کالا - پھر تُو مجھے کیوں نہیں ملتا" کہتے ہُوئے رو پڑے - اور اتنا روئے کہ لیکچر بند کرنا پڑا - انہی دنوں میں آپ کے کئی لیکچر پریم اور بھگتی کے مضامین پر اجمیر - شِملہ - امرتسر سیالکوٹ اور پشاور میں ہُوئے - پشاور میں آپ اپنے ایک لیکچر (تریتی) میں اتنے روئے کہ آپ کی آواز تک نہیں نکل سکتی تھی - اِس بارے میں نارائن (راقم) کا ذاتی تجربہ ہے کہ امرتسر میں سناتن دھرم سبھا کے سالانہ جلسہ پر جو اثر آپ کے ویاکھیانوں سے لوگوں کے دِل پر ہُوا وہ کسی دُوسرے اُپدیشک

کے لیکچر سے ہرگز نہ ہُوا تھا۔ خاصکر کرشن گیتا اور کرشن لیلا کے ویاکھیانوں نے جو اثر راقم کے دِل پر کیا وُہ بیان سے باہر ہے۔ اُن دنوں راقم اگرچہ آریہ سماج کے خیال والا تھا اور کرشن مہاراج کو محض ایک مہاتما پُرش مانتا تھا۔ اَوروں کی طرح ایشور کا اَوتار قبول نہیں کرتا تھا۔ اور کرشن لیلا کو ایک فحش طریقۂ زندگی محسُوس کیا کرتا تھا۔ جس سے اِس لیلا سے اُسے مُطلقاً نفرت تھی۔ اور نہ بھگوت گیتا ہی کی طرف چنداں رغبت تھی۔ تاہم گوسائیں جی کے اُن بھگتی بھرے ویاکھیانوں سے کچھ ایسا جادُو بھرا اثر دِل پر پڑا کہ نارائن جیسا مُنکر و ناسنک چِت والا پُرش بھی گوسائیں جی کی عِشقیہ لہر (پریم ترنگ) سے متاثر ہوگیا۔ بھگوت گیتا و کرشن لیلا کے مخفی معنوں کے سمجھنے کی طرف جُھک گیا۔ اور لگاتار اِس گیتا کو مفصل و مسلسل پڑھنے پر وُہ آمادہ ہوگیا۔ اور یہ سب اُسی اثر کا پَھل ہے کہ نارائن تب سے مذہبی تحقیقات کے درپے ہوگیا اور عشقِ الٰہی دِل میں جاگزیں ہوگیا۔ جس نے آخر میں جاکر انہی گوسائیں جی کے چرنوں میں لا ڈالا۔

جگت گُورو شنکر آچاریہ کے درشن

انہی دنوں میں دوارکا مٹھ کے مٹھادیش شری ۱۱۰۸ جگت گُورو شنکر آچاریہ جی مہاراج لاہور میں آ پدھارے۔ آپ اُپنشدوں۔ ویدانت شاستر (فلسفہ) میں کافی دسترس رکھتے تھے۔ اور دیگر شاستروں و زبانِ سنسکرت میں بھی اتنے عالم تھے کہ اپنی مثال نہ رکھتے تھے۔ اسی لئے پُرانے رواج کے مطابق صُبح شام آپ کے سنگھاسن کے اِرد گرد مشعلیں (گیان کے دیپک جو کُل علم کی فتح کا نشان تصوّر کیا جاتا ہے) جلا کرتی تھیں۔ سنسکرت زبان میں نہایت ہی عالمانہ و مُؤثر لیکچر دیا کرتے تھے۔ بھارت ورش کے تقریباً تمام اطراف میں

آپ کی شُہرت کا جھنڈا بلند تھا۔ جب اِن کا دورہ ہندوستان میں ہو رہا تھا اُس وقت گُسائیں جی جو عشق الٰہی کے پُتلے یعنی پریم مُورتی مشہور تھے سناتن دھرم سبھا لاہور کے بہت سے پبلک کاموں میں حصہ لیا کرتے تھے۔ جب جگت گورُو جی کی آمد کی خبر لاہور میں پہنچی کہ وہ ایک دو دن میں آنے والے ہیں تو گوسائیں جی کے اندر اشتیاقِ دیدار کی آگ بھڑک اُٹھی اور جب تک اُنکے درشن نہ کرلئے دِل کا اضطراب نہ گیا۔ چونکہ سناتن دھرم سبھا کا بہت سا کام گوسائیں جی کے ذمّہ ہی رہتا تھا لہذا جگت گورُو جی کی خدمت بجا لانے کا بہت سا فرض بھی گوسائیں جی کے حصہ میں آگیا۔ جس کی وجہ سے اِن کو جگت گورو شنکر آچاریہ جی کی خاطر خواہ صحبت (سنگت) کا موقع مل گیا۔ جگت گورُو جی کی گاہے گاہے اُپنشدوں کی کتھا۔ گاہے گاہے ویدانت پر اُپدیش اور اُن کی سنگت نے گوسائیں جی کے پاک دِل پر ایسا جادُو بھرا اثر کیا کہ پریم کی زردی کی جگہ وہاں اب گیان کی لالی شُعلے مارنے لگی جسقدر اشتیاق سیام کرشن کے دیدار کا دِل میں جوش مارتا تھا اب وہی جوش اِنکشافِ ذات (آتم ساکھشات کار) کے اشتیاق میں اُمڈنے لگا۔ اب گوسائیں جی کا رُجحانِ طبع اُپنشدوں۔ برہم سُوتروں اور ویدانت کے پرکرن گرنتھوں کے مطالعہ کی طرف اُلٹ پڑا۔ اب بجائے برندابن یا متھرا کی یاترا کرنے کے ہر سال گرمی کی رُخصتوں پر اُترا کھنڈ (یعنی ہردوار۔ رشی کیش وغیرہ) جانے اور خلوت نشینی کا اشتیاق بھڑکنے لگا۔ دِن بھر میں جب بھی ذرا موقعہ ملتا جھٹ ویدانت وچار اور آتم دھیان میں مشغول ہو جاتے تھے۔ اپنے ۲۲ فروری ۱۸۹۶ء کے خط میں گورُو جی کو لکھتے ہیں کہ:۔ جب فرصت ملتی ہے ویدانت کے گرنتھ انگریزی میں دیکھتا ہوں۔ اور چھٹی کے دن چت ایکاگر کرنے کا بھی زیادہ وقت مِلتا ہے۔ آنند صرف اپنے سُروپ میں ستھت ہونے میں ہے۔ اور اختیار بھی

اِس جگت پر اپنا ہی ہے۔ خواہ مخواہ ہم اپنے تئیں اوروں کے (افسروں وغیرہ کے)
اختیار میں خیال کرلیتے ہیں . . . . . . " گوسائیں جی کے آیندہ کے کئی
خطوں سے ثابت ہوتا ہے کہ بھگت دھنّا رام جی بھی (گوسائیں جی کے زمانۂ خانہ داری
کے گورُو) شاید کرشن بھگتی کے چنداں شائق نہیں تھے۔ صرف ویدانت کی تعلیم ہی
کے مدّاح تھے۔ اِس لئے ویدانت کو عمل میں لانے کے لئے یعنی عالمِ باعمل بننے کی
پے در پے تاکیدیں گوسائیں جی کو کیا کرتے تھے۔ اِس بارہ میں وہ شاید بہت
سخت تاکید گوسائیں جی کو اِس دفعہ کر بیٹھے ہونگے۔ جس کے جواب میں گوسائیں
جی ۱۸ اپریل ۱۸۹۷ء کو بھگت جی کو یوں لکھتے ہیں کہ "میں آپ کی کرپا سے
اپنا وقت ویرتھ (بے سُود کاموں میں) خرچ نہیں کرتا۔ اور زیادہ تر ویدانت چرچا
ہی ہوتی ہے۔ آیندہ آپ کے حکم کے مطابق دیگر قسم کی گفتگو بالکل تیاگ دینے
کی کوشش کرونگا . . . . . "

ہر چرن کی پوڑیوں میں نواس

گوسائیں جی نے واٹر ورکس کے متصل مکان لیا ہوا تھا۔ بہت
عرصہ تک وہاں ہی رہتے تھے۔ مگر جب ویدانت کے مطالعہ و عمل
کا اشتیاق بڑھا اور ایکانت ابھیاس کی طرف زیادہ رغبت ہوئی
تو اپنے مکان کو ایکانت نہ سمجھ کر ایک نہایت عمدہ مکان ہر چرن کی پوڑیوں میں
کرایہ پر لے لیا۔ آپ یکم اگست ۱۸۹۷ء میں اِس عمدہ اور صاف مکان میں
داخل ہوتے ہی بھگت جی کو لکھتے ہیں کہ "ہم اِس نئے مکان میں آگئے ہیں۔ یہ
ہر چرن کی پوڑیوں میں ہے ہر چرنوں میں (تیرتھ) شری گنگا جی کا نواس ہے۔
اور تیرتھ (رام) کو بھی ہر چرنوں میں ہی رہنا واجب ہے۔ یہاں جب کا آیا ہوں
ہری چرنوں میں ہی دھیان ہے۔ اور اپنے سروپ کے شری گنگا جل میں آپ کی
دیا سے سنان کر رہا ہوں"۔ اِس مکان میں آکر گوسائیں جی ایکانت سیون (آتم

وچار) میں حتی الوسع اپنا سارا وقت دینے لگے۔ اور جُوں جُوں ایکانت ابھیاس سے لُطف ملنا شروع ہُوا اُس کے اظہار کئے بغیر قلم نہیں رُکی۔ ۵ ر اگست ۱۸۹۷ء کے خط میں آپ بھگت جی کو لکھتے ہیں کہ ''۔ . . . . . . آج کل تو ویدانت بچار اور بھجن۔ ایکانت سیون ہی کو کُل وقت دیتا ہُوں۔ اِس میں وہ آنند ہے کہ چھوڑنے کو جی نہیں چاہتا۔'' آگے چل کر لکھتے ہیں کہ:۔ ''اگر بیوہار کال (کام کرتے وقت) میں چلتے پھرتے اور سب کام کرتے ہماری برتی برہما کار ہے۔ اور دِل عرشِ اعلیٰ سے کبھی نیچے نہ اُترے۔ تو دھن ہے ہمارا جیون۔ ورنہ نُشادیہ نشپھل کھو دیا۔''

اِس طرح روز مرّہ کے ابھیاس سے جب ویدانت کا عملی ثمرہ ملنے لگا۔ تو قلم ویدانت کی صداقت کا اظہار کئے بِنا نہ رہ سکی۔ آپ ۶ ر اگست ۱۸۹۷ء کے خط میں لکھتے ہیں کہ ''حقیقت میں ذرا عمل کرنے سے شاستروں کے بالکل انوسار نتائج ظاہر ہوتے ہیں۔ دُنیا میں اگر کوئی چیز سچ ہے تو ویدانت شاستر ہے۔''

اسی مکان میں آکر گوسائیں جی کی مستی دِن دُگنی اور رات چوگنی ترقی پکڑنے لگی۔ اِسی جگہ میں آپ کے پاس ویدانت کے شائقین کے گروہ کے گروہ آنے لگے۔ اور اسی مکان میں سوامی وویکانند جی کو مع اپنے ہمراہیوں کے دعوت ملی۔ اِسی مکان میں نارائیں کو گوسائیں جی کی دِل بھر کر لگاتار صحبت و درشن کرنے نصیب ہُوئے۔ اور اسی مقام سے ویدانت کا عملی جھنڈا (رسالۂ الف قلم بند ہو کر) بذریعہ نارائن لہرانا شروع ہُوا۔ اور اسی مکان سے جب ایکانت ابھیاس سے مستی جوبن پر آئی تو رام کو مع اپنے بیوی بچّوں کے باہر بنوں میں جانے کی ترنگ اُٹھی۔ یعنی اسی مکان سے رام جنگلوں میں مان پرست کی زندگی بسر کرنے کے لئے چل دیئے۔ گویا اپنی اُس قلم کو جو اِس مکان میں داخل ہوتے ہی بھی تھی اپنے عمل سے

لفظ بلفظ درست کر دکھایا۔ اور رامؔ کا نواس ہمیشہ کے لئے ہری کے چرنوں میں (یعنی اپنے سُروپ کے قدمِ اقدس میں) ہی ہو گیا:

رام سمرپن اسی مکان میں رہتے رہتے جب روز مرّہ کے ابھیّاس سے مستی بڑھنے لگی اور دُنیا سے دن بدن مُنہ مُڑنے لگا۔ یعنی ویراگ ازحد اُمنڈنے لگا تو گُسائیں جی نے اپنا تن من ہمیشہ کے لئے آبخدہ یارِ حقیقی کے دھیان میں ارپن کر دیا۔ اور بالکُل لاتعلّق ہو کر اپنے جسمانی والدین کو ۲۵ر اکتوبر ۱۸۹۷ء کے خط میں آپ نے یُوں لکھدیا کہ:۔ "میرے پیارے والد بزرگوارِ من دام ظلکم چرن بندنا۔ نوازش نامہ سامی شرفِ صدُور لایا۔ ازحد آنند ہُوا۔ آپ کے لڑکے تیرتھ رام کا شریر تو اب بک گیا۔ بک گیا رامؔ کے آگے۔ اُس کا اپنا نہیں رہا۔ آج دیوالی کو اپنا جسم ہار دیا۔ اور مہاراج کو جیت لیا۔ آپ کو مُبارک ہو۔ اب جس چیز کی ضرورت ہو میرے مالک سے مانگو۔ فوراً خود دیدینگے۔ یا مجھ سے بھجوا دینگے۔ مگر ایک دفعہ نشچیہ کے ساتھ آپ اُن سے مانگو تو سہی۔ انیس ۱۹ بیس ۲۰ دن سے میرے کُل کام بڑی ہوشیاری سے اب وُہ خود کرنے لگ پڑے ہیں۔ آپ کے کیوں نہ کرینگے۔ گھبرانا ٹھیک نہیں ہے۔ جیسی اُس کی آگیا۔ ہو گی عمل ہوتا جائے گا۔ مہاراج ہی ہم گوسائیوں کا دھن ہیں۔ اپنے رنج کے قیمتی دھن کو تیاگ کر سنسار کی جھُوٹی کوڑیوں کے پیچھے پڑنا ہم کو مناسب نہیں۔ اور اُن کوڑیوں کے نہ ملنے پر افسوس کرنا تو بہت ہی بُرا ہے۔ اپنے اصلی مال و دولت کا مزا ایک دفعہ لے تو دیکھو"۔

سنیاس آشرم کی اُمنگیں اس آتم سمرپن کے بعد رامؔ کے قلب کی کچھ عجب حالت ہو گئی۔ اب دن رات اپنے سُروپ میں نشست رکھنے کے سوائے اور کچھ نہیں سُوجھتا تھا۔ بلکہ لوگوں کو خط

نکلنے بھی بند ہو گئے۔ اور تو کیا بھگت جی کو بھی روز مرّہ خط لکھنا بند ہو گیا۔ بھگت جی کی بہت تاکیدوں کے آنے پر آپ ۹ر نومبر ۱۸۹۷ء کو لکھتے ہیں کہ:۔ مہاراج جی! .... گو مَیں نے اتنے دن خط نہیں لکھا مگر سوائے آپ کے سُروپ میں رہنے کے اور کوئی کام بھی نہیں کیا۔ جب اپنا آپ ہو گئے تو خط کِسکو لکھیں"۔ جب اِس طرح گوسائیں جی کی قلبی حالت آزادگی و تیاگ سے بھرپور ہوئی۔ یعنی آزادگی و تیاگ کی مجسّم حالت بذریعہ خطوط مترشح ہوئی تو بھگت جی شاید بہت سی مثالیں دے کر اندرونی تیاگ سے اُن کی برتی کو نیچے لانے کی کوشش کرنے لگے۔ رام جانے کیا اُپدیش بھگت جی نے لکھ بھیجا ہوگا۔ مگر گوسائیں جی ۹ر دسمبر ۱۸۹۷ء کو اُس کا جواب یُوں تحریر فرماتے ہیں:

"آپ کا نوازشنامہ شرف صدُور لایا۔ ازحد آنند ہُوا۔ آپ کی نہاست دیا ہی بہت آنند ہے۔ مَیں تو خود کچھ نہیں کرتا۔ مناسب موقعہ سب کارروائی اپنے آپ ہو رہی ہے۔ کسی دن مستی اور دُنیا کی جانب سے بے ہوشی رہنا بلائے آجائے تو میرا کیا قصُور؟ بِنا کئے کام ہو رہے ہیں۔ سُورج اور شیش ناگ تو ہمارے غلام ہیں۔ ہمارا کام تو شیش ناگ کی سیج پر آرام کرنا ہے۔ سُورج کو پرکاش ہم کرتے ہیں اور حکم کا بندہ بنکر وُہ گردش کرتا ہے۔ سُروپ تو سب کا ایک ہی ہے۔ مگر سُروپ میں ستھتی درکار ہے۔ اور تُریا اوستھا و سمادھی کال کی کہاں مہما نہیں آئی؟ شری رامچندر جی و شری کرشن پرماتما خود ایسے مہاتماؤں کے چرنوں پر سر رکھتے رہے ہیں۔ اور یاگیہ ولک اور اشٹاوکر جی کا مرتبہ راجہ جنک سے بڑھ کر ہے۔ راجہ جنک و کرشن پرماتما تو بی۔ اے کلاس کے ہیں۔ اور یاگیہ ولک اشٹاوکر وغیرہ ایم۔ اے کلاس

کے ہر قدر بی۔ اے اور ایم۔ اے کا یکساں ہوتا ہے۔ مگر سچائی کو چھپانا ٹھیک نہیں۔ جو بڑا ہے اُسکو بڑا ہی کہنا مناسب ہے ؛

غُلام کی بابت ابھی کچھ عرصہ تک کوئی اندیشہ و خطرہ[۱] نہیں کرنا چاہئے۔ ملائی والا دُودھ اور مِصری ملے ہُوئے تو ایک طرف پینے کو ملتے ہیں اور باجرہ و جوار کی روٹی دُوسری طرف۔ مَیں یہ نہیں کہتا کہ باجرہ و جوار خراب ہیں (کیونکہ وُہ بھی تو مَیں ہی ہُوں)۔ مگر میرے معدے کے موافق نہیں۔ میرے معدے کو تو دُودھ مصری ہی ہضم ہوتے ہیں ؛

جب بادشاہ کے کام بغیر ہاتھ پیر ہلائے ہو رہے ہیں تو وُہ مزدوروں کے ساتھ ملکر ٹوکری کیوں ڈھوئے ؛

ولٹوہی (یعنی دیگچی یا بٹا) میں گرم جلانے والے پانی میں اُبلنے سے بچنے کے لئے دیگچی سے باہر جا پڑنا ہی واجب ہے۔ دیگچی کے ساتھ لگے رہنا مناسب نہیں ؛

شری شنکر آچاریہ جی نے گیتا بھاشیہ میں نہایت صاف طور پر ثابت کر دیا ہے کہ آخر میں بالکل کرم کا تیاگ ہو جانا چاہئے۔ گو خود اُن دنوں وُہ تھوڑا بہت کرم کرتے ہی تھے۔ غُلام کے لئے ایسے دن آنے میں ابھی دیر ہے

سے کاش آنانکہ عیبِ من جستند ؛ رُویت اے دلستاں بدیدندے

سے این خرقہ کہ من دارم در رہنِ شراب اولیٰ ؛ وایں دفترِ بیمعنی غرقِ مئے ناب اولیٰ

اخیر مصرعہ کا مطلب:۔ یہ کتابیں پُستکیں دفتر وغیرہ بالکل بے معنی۔ لا طائل اور نکمے ہیں۔ اگر اُنکے پڑھنے سے یہ نتیجہ نہیں نکلتا کہ ہم اُن کو خالص شراب میں ایسا ڈالدیں کہ وہاں بالکل گل کر خراب خستہ ہو جائیں۔ اور اُنکا نام

[۱] مُراد یہ ہے کہ ابھی ایسا ڈر آپ نہ کریں کہ میں ضرور یعنی سنیاسی ہو جاؤں گا یعنی کچھ عرصہ تک تو خانہ دار ہی رہوں گا۔ اور بعد ازاں دیکھیں کیا ہوتا ہے ؛

ونشان باقی نہ رہے - بلکہ شراب رُوپ ہی ہو جائیں ؛ شراب سے مُراد نشہ توحید و مستی وحدانیت ہے ؛

یہ کپڑے (یعنی گرہست) مُردے کا کفن ہیں - اگر اخیر میں انکو بیچکر شراب کے رنگ میں ہم رنگے نہیں جاتے - فقط زیادہ آنند" ؛

اسی طرح پھر ۱۳ دسمبر ۱۸۹۷ء کے خط میں گُوروجی کو لکھتے ہیں کہ :-

ہری چرن اوم تتری

لاہور - ۱۳ دسمبر ۱۸۹۷ء القاب مذکورۂ بالا

آپ کی دیا سے آنند سروپ کے ساتھ سنگ بڑھنا جا رہا ہے - واہ ! دھن ہو ! فقط زیادہ آنند ؛ راقم رام

پہلا کارڈ لکھ رہا تھا کہ آپ کے تین پوسٹکارڈ صادر ہوئے - بہت ہی آنند ہوا - آپ نے جو لکھا ہے نہایت ہی ٹھیک اور دُرست رقم فرمایا ہے - جو آپ کی اچھا ہے وُہی ہو گی - کرنے کرانے والے سب آپ ہیں - ویراگ کی اُمنگیں جو یہاں آتی ہیں آپ کی بھیجی ہُوئی ہیں - اور آپ ہی روکتے ہو - عجب تماشا ہے - واہ کیا خُوب کھیل ہے - بلہار !

سب کے لئے سنّیاس ٹھیک نہیں - اور سنّیاس کا سنسار میں نہ ہونا بھی دُرست نہیں - ہر رنگ کا مصالحہ جگت میں بنایا ہُوا ہے - کسی کو ہنسانا کسی کو رُلانا اور آپ الگ کھڑے تماشا دیکھنا - یہ ہمارا کام ہے - جس طرح سے آتشباز انار کے مصالحہ کو گرم گرم آگ سے جلاتا ہے اور اُس بیچارے مصالحے سے شُوں شُوں ٹُوٹی ہائے ہائے کا شور کراتا ہے - پر آپ سدا پرسنّ رہتا ہے ساکشی رُوپ بن کر - بعض پھل پک کر بھی درخت کے ساتھ لگے رہتے ہیں - پر بعض پھل پک کر گر پڑتے ہیں - فقط زیادہ آنند ؛ راقم رام

اسکے بعد گوسائیں جی کا گوروجی سے بھی اپنی ابھیدتا (ایکتا) کا ابھیاس اتنا بڑھ گیا کہ اب خطوں میں اپنا نام تک لکھنا انہوں نے بند کردیا- اور ۲۵ دسمبر ۱۸۹۷ء کے خط میں آپ گوروجی سے اسطرح رقم طراز ہوئے:-

۲۵ دسمبر ۱۸۹۷ء اوم شمری

القاب مذکورۂ بالا

رات کے آٹھ بجے والے ہیں- ورزش کرچکا ہوں- اندر بالکل صاف ہے- اور نہایت ہی آنند کی حالت ہے- اسوقت نہایت پریم کے ساتھ آپ یاد آئے ہیں- آپ دھن ہیں- جنکی بدولت اِس طرح آنند کے سمندر میں سنان ہوتے ہیں- آپ پر بلہار- بالکل ایکتا کی حالت ہے- آپ سے اِس وقت ہرگز بھی کسی بات میں اختلاف نہیں-

من تو شدم تو من شدی	من تن شدم تو جاں شدی
تاکس نگوید بعد ازیں	من دیگرم تو دیگری

راقم آپ خود

ادویت امرت ورشنی سبھا اس ویدانت کی تعلیم گسائیں جی کے دل کو بہت محظوظ کر رہی تھی- اِس آنند کے رنگ میں خوب غوطے لگاتے رہنے کے خیال سے ۵ فروری ۱۸۹۸ء کو ایک ادویت امرت ورشنی سبھا اپنے گھر پر قائم کردی اور اُس کی خوش خبری وہ اپنے گوروجی کو یُوں دیتے ہیں-

..... یہاں ایک ادویت امرت ورشنی سبھا قائم کی ہے- جس میں زیادہ تر سادھو مہاتما ہی شریک ہیں- اِس کے اکٹھ کا ستھان میرا ہی گھر ہے- اور ہر دیروار کو اکٹھ ہوتا ہے- جس میں اُپدیش وغیرہ بھی ہوتے ہیں- مگر کیول ویدانت پر- چونکہ یہ سبھا اور سبھاؤں کی طرح لوگوں میں شور و غل کے

پھیلانے کی غرض سے یا دُوسروں کو ادنیٰ گرا سمجھکر راہ راست پر لا
سے نہیں تھی۔ بلکہ اپنے دِل و دماغ کو ہردم ویدانت وچار میں مصروف
اور اُس کے شرون منن و ندِدھیاس سے برہمانند کا حظ اٹھانے کے خیال
سے تھی۔ اِس لئے ہفتہ بھر میں ایک ہی دن گوسائیں جی جو مہاتماؤں کے ست
سنگ سے سبھا میں شرون کرنے باقی تمام دن وہ ایکانت میں اُس کا منن
و ندِدھیاسن کرتے رہتے۔ اور جو آئیندہ اِس طرح کے ویدانت وچار اور ایکانت
سیون میں اُنکو مِلتا اُس سے گورُو جی کو مُطلع فرماتے۔ ۱۵ فروری ۱۸۹۵ء
کے خط میں گوسائیں جی گورُو جی کو لکھتے ہیں "اِس میں کچھ شک نہیں کہ جو آنند ایکانت
سیون اور انترمکھ ہونے میں ہے وہ اور کہیں نہیں۔ اور کروڑوں اشو میدھ
یگیہ کئے ہُوئے ہوں تو ہردم سروپ میں نیشٹھا رہتی ہے۔"

باہر ہولی اندر سمادھی

اِس ویدانت وچار و ایکانت ابھیاس سے گوسائیں جی کا دِل
یہاں تک رنگا گیا کہ اب گردو نواح کے اثر اُن کو اپنے سروپ
سے ذرا نہیں ہلا سکتے تھے۔ بلکہ اُنکے اِرد گِرد خواہ کچھ ہی بڑا ہو دِل اپنے
برہمانند میں آر وڑنو (محفوظ) رہتا تھا۔

۸ مارچ ۱۸۹۵ء کے خط میں گوسائیں جی اپنے گورُو مہاراج کو یُوں لکھتے
ہیں کہ "کل کا نتیجہ کل نکل گیا۔ میرے مکان کے قریب اِس وقت بڑا رَولا
پڑ رہا ہے بباعث ہولی کے۔ مگر آپ کی کرپا سے دِل کے مکان میں کوئی کسی
قسم کا شور و غُل نہیں۔ آنند ہے۔ جس طرح شِو جی کے اِرد گِرد بھوت بہت رَولا
اور واویلا مچاتے رہتے ہیں۔ پر وہ آنند کی سمادھی میں [illegible]
ہیں۔ اِسی طرح سنسار کے رشی گیان کی سیاہی اور [illegible]
سروپ کو چھپا کر ہر وقت شور مچاتے رہتے ہیں۔ باوجود [illegible]

آپ میں کسی قدر نواس ہونے کی بدولت بکھیر سمندر میں رہنے کا سُکھ ہے۔۔"٭

مزاج پُرسی کا جواب

اتفاق سے اِن دنوں گورُو جی اُن کی مزاج پُرسی بذریعۂ خط کرتے تھے اُس کے جواب میں گسائیں جی اپنے ۱۹ مارچ ۱۸۹۸ء کے خط میں یُوں تحریر فرماتے ہیں کہ "آپ کے نوازش ناجات شرفِ صدور لائے۔ نہایت آنند کا باعث ہُوئے۔ ایک راجہ نے ایک مہاتما سے پُوچھا کہ آپ کی طبیعت کیسی ہے اُنہوں نے جوابدیا جس کی مرضی بِنا ایک پتّہ نہ ہل سکے۔ جس کا حکم سُورج اور چندرماں مانیں۔ ندیاں اور ہوا جس کی آگیا (اجازت) کو ایک دم بھر کے لئے بھی نہ توڑ سکیں۔ جہاں چاہے خوشی بھیجدے۔ اور جہاں چاہے ماتم روانہ کردے۔ اور اَے راجن! جس کے فرمان کے بِنا تیرے مُنہ کے دانت نہیں ہل سکتے اور جس کی اِچھّا کے انوسار بادشاہوں کی رگوں میں خُون تک گردش کرتا ہے۔ ایسے قادرِ مُطلق کے آنند کا کیا ٹھکانہ ہے۔ ہے راجن تو خود ہی اندازہ لگا لے"٭

رام بولا:"دھنیہ ہو۔ ایسا ہی ہے۔ جس کا الپگیہ بھاؤ اُٹھ گیا ہے اور جس کی جیو بُدّھی نشٹ ہو گئی ہے اور برہم مئے ہو گیا ہے۔ وہ پرجاپتی (برہما) سروپ بنا ہُوا وہی جگت کے کُل کام کر رہا ہے۔ اور اُس کی کُل خواہشیں ہر وقت پُوری ہو رہی ہیں اور شادی کا سمندر ہے"٭

अहो अह यस्य मे नास्ति किञ्चन ।

अथवा यस्य सर्वं यद्वा मनसि गोचरं ॥

بھگوان شنکر کہتے ہیں "واہ کیسا سُندر اور آشچریہ ہے میرا اپنا آپ کہ جس میں میرے اپنے آپ کا جتنا یہ جگت ہے (جو کچھ وید میں شُنید میں اور خیال میں آسکتا ہے) یہ سب کچھ جس میرے اپنے آپ کا ہے (پرنتو ایسا ہوتے ہوئے بھی میرے اپنے آپ کا کچھ نہیں ہے) ایسا جو مَیں ہُوں اُس کے نِمِتّ مرا بہت بہت

پرنام اور نمسکار ہے ۔
آجکل کام بہت زیادہ رہا - امتحانوں کے نزدیک ہونے کی وجہ سے کالج کے امتحانوں کے لئے پرچے بھی بنائے تھے - نیز طالبعلموں کی دِقّتیں بھی رفع کرنی پڑتی ہیں - مگر دِل ایکانت میں رہا :

کٹاس راج تیرتھ کی یاترا

اپریل ۱۸۹۵ء میں گسائیں جی نے کٹاس راج تیرتھ کی یاترا کی ۔ اِن دِنوں اِس تیرتھ پر بڑا بھاری میلہ ہوتا ہے - اِس میلہ میں بہت مہاتما وِدوان لوگ اکٹھے ہوتے ہیں - اور کئی طالبانِ حق تو محض مہاتماؤں کے درشن ارتھ اور اُنکے منوہر اُپدیش سُننے کی غرض سے اِس میلہ پر ہر سال بلاناغہ جاتے ہیں - گوسائیں جی کے گُورو بھگت دھنّا رام جی اپنے وطن گجرانوالہ کو چھوڑ اسی کٹاس راج کے میلہ پر آئے تھے - یہاں کی آب و ہَوا سے اور مہاتماؤں کے درشن سے محظوظ ہو کر اور اپنے بیشہ کو بافراط دیکھ کر وُہ کٹاس راج کے نزدیک ، قصبۂ پنڈ دادنخاں میں ہی مقیم ہو گئے تھے - اور کئی سال وہاں گذارنے کے بعد گوسائیں جی کو اُن کے نزدیک رہنے اور اُن سے کتھا وغیرہ سُننے کا موقعہ ملا - جِس صحبت و کتھا کے اثر سے بالک تیرتھ رام جی کا دِل اُن پر نوچھاور ہو گیا تھا - ممکن ہے کہ بھگت جی سے ہی کٹاس راج کی مہا (تعریف) سُن کر گوسائیں جی نے اِس تیرتھ کی یاترا کا عزم کیا ہو - مگر وہاں پہنچکر گوسائیں جی کی طبیعت پر جو اثر ہُوا وہ اُنکے مفصلۂ ذیل خط سے مترشح ہو رہا ہے -

۱۷ اپریل ۱۸۹۵ء -

کٹاس راج کے رستے نے جو اُپدیش کیا وُہ نہایت دُرست ہے - جو سُکھ ایکانت سیون اور بنج دھام میں ہے وُہ کہیں بھی نہیں -

سـ ۹ ہے مرگ تیری سُگند ھ سوں بھجیو یہ بن بھرپور

کستوری تو نکٹ ہے کیوں دھاوت ہے دور

اپنا ہی آنند جگت کے پدارتھوں میں آنند بھاؤنا کر دکھلاتا ہی۔ سب وید کتیب بھی ہمارے اندر ہی ہیں۔"

گوسائیں جی کے خطوں سے واضح ہوتا ہے کہ اِس یاترا سے لوٹنے کے بعد اُنکو پہلے کی نسبت ایکانت سہون کی لٹک اور آتم ابھیاس کی چٹک بہت لگ گئی اور اس چٹک لگنے کے بعد دِل کی حالت دن بدن بہت شانت۔ ستھر اور اُجل ہوتی گئی۔ آپ اپنے ۲۵ مئی ۱۸۹۵ء کے خط میں لکھتے ہیں:-

"آپ کا کرپا پتر ملا۔ آنند ہُوا۔ آپ کی دیا سے چت تو دن بدن اُجل ہوتا جاتا ہے۔ اِس میں ذرا فرق نہیں آتا۔ میرے شریر کے بیوہار سے چت برتی کا اندازہ لگانا درست نہیں۔ پچھلے دنوں کام ذرا بہت رہا۔"

ریاضی پر گوسائیں جی کی تقریر و تصنیف

انہیں دنوں گوسائیں جی نے طلبا کے فائدے کے لئے ریاضی پر ایک انگریزی لیکچر دیا جو بعد ازاں بعنوان "ریاضی میں کیسے ترقی پا سکتا ہے" (How to excel in mathematics) کے ایک کتاب کی شکل میں چھاپا گیا۔ جہاں تک دریافت سے معلوم ہُوا۔ تقریر و تصنیف بزبانِ انگریزی گوسائیں جی کی پہلی تھی اِس سے پہلے کوئی تصنیف کسی طرح کی گوسائیں جی کی قلم سے نہیں نکلی تھی۔ بلکہ اِس تصنیف کے بعد وُہ زیادہ تر اُردو زبان میں لکھنے لگے۔ تصنیف ہذا نے گوسائیں جی کی خُوب شُہرت پھیلا دی۔

یکم جون ۱۸۹۵ء کے خط میں آپ تحریر فرماتے ہیں کہ "...... ..

کتاب پر مع اشتہاروں کے ایکسو پچیس ۱۲۵ روپیہ خرچ آیا ہے۔ ایکسو جلد کتاب کی میں نے مُفت تقسیم کر دی ہیں۔ ہندوستان کے انگریزی ریاضی دانوں نے

نہایت عمدہ دائیں اس کی تعریف میں لکھی ہیں*

اُترا کھنڈ کی یاترا کرشن بھگتی کے زمانہ میں گوسائیں جی جب فرصت پاتے جھٹ متھرا بندرابن کی طرف چل دیتے تھے۔ اور اپنی تعطیلات کا تقریباً سارا وقت وہاں ہی راس لیلا وغیرہ کے دیکھنے میں صرف کیا کرتے تھے۔ مگر جب سے ایکانت سیون اور بخانند کی چاٹ لگی۔ تب سے فرصت پاتے ہی ہردوار رشی کیش وغیرہ مقاموں کی سیر کا خیال دل کو گھیرنے لگ پڑا۔ ۱۸۹۸ء کی گرمیوں کی چھٹیوں میں ایکانت سیون کا زیادہ آنند لینے کے خیال سے آپ ہردوار رشی کیش اور تپوبن کو گئے۔

اپنے ۱۴ اگست ۱۸۹۸ء کے خط میں ہردوار کی سیر اور ایکانت ابھیاس کی للک کا یوں تذکرہ کرتے ہیں "آج ٹھاکر داس کو لاہور بھیجدیا ہے۔ اتنے دنوں میں یہاں کے قابلِ دید مقامات دیکھے ہیں۔ سنتوں کے درشن کئے ہیں۔ اب آج (سیر یعنی تریت ہوکر) اپنے گھر کے دروازے بند کرکے اپنے گھٹ میں گھٹ جانیکو جی چاہتا ہے۔ مہاراجہ جموں کی حویلی میں ٹھہر رہا ہوں۔ میرے رہنے کا کمرہ ہردوار میں سب سے اُتم ہے"۔

اُترا کھنڈ میں ایکانت نواس و آتم ساکھشات کار ہردوار سے چل کر گوسائیں جی رشی کیش پہنچے۔ اور جسقدر خرچ پاس تھا اُسے تمام مہاتماؤں کی سیوا

* نوٹ اس میدہ یلیکر کے شائع ہونے کے دو سال بعد گوسائیں جی خانہ داری کا تعلق توڑ جنگلوں میں پدھارے تھے۔ لہٰذا اسکے دوبارہ شائع ہونے کا اتفاق نہ ہُوا۔ پہلے انگریزی کلیاتِ رام کی جلد چہارم کے آخر میں اسے درج کر دیا گیا تھا۔ اس نئی اشاعت کی شاید ساتویں جلد میں اسے دیا جائیگا۔ جو سال ۱۹۳۱ء کے اندر اندر شائع ہو جاویگی تاکہ رام بھگت اور ناظرین کرام گوسائیں جی کی سب سے پہلی تصنیف کے مطالعہ سے بھی محروم نہ رہیں

میں صرف کر دیا۔ آپ برہنہ تن دیوانہ وار۔تن تنہا۔صرف چند اُپنشدیں ساتھ لئے وہاں سے پتوبن برائے ایکانت ابھیاس پدھارے۔ یہ پتوبن رشی کیش سے صرف چند میل کے فاصلے پر ہی شروع ہو جاتا ہے اور اس میں ایک برہم پوری مندر ہے جو رشی کیش سے قریب آٹھ میل کے فاصلے پر ہے۔ اس مندر کے نزدیک گنگا کنارے گسائیں جی نے اپنا آسن جمایا۔اور اپنے کھانے پینے کا ذرا فکر نہ رکھکر بلکہ اِس امر کو سچے نشچے سے محض ایشور پر چھوڑ کر ذیل کے مصمم ارادے سے گنگا کنارے جم کر ایکانت ابھیاس کرنے لگے۔

بیٹھے ہیں تیرے در پہ تو کچھ کرکے اُٹھیں گے
یا وصل ہی ہو جائے گا یا مر کے اُٹھیں گے

اِس مقام کا حال اور اپنی قلبی حالت اور آتم ساکھشات کار کا مفصل ذکر گوسائیں جی نے اپنی تصنیف (جلوۂ کہسار) کے اندر خود درج فرمایا ہے۔ جسے ہو بہو دوسرے باب میں دیا جاتا ہے۔ تاکہ طالبانِ حق رام کے طلب کی حالت تیاگ و مستی کا ملاحظہ اُن کی اپنی ہی قلم کے لباس میں کرسکیں۔

———— ❖ ————

مہادو دیو سوامی رام تیرتھ

महानुभाव स्वामी रामतीर्थ

Ganga Fine Art Press, Lucknow

بابِ دوم

جلوۂ کہسار

یعنی

عزمِ وصال و عالمِ مستی

(از قلم عالیجناب سوامی رام تیرتھ جی مہاراج)

(راگ بھیروی۔ تال دُھمار)

(۱) اے دل اینجا کُوئے جانان است از جاں دم مزن
از دل و جان و جہاں در پیشِ جاناں دم مزن

(۲) جاں ندارد قیمتے بسیار از جاں وا مگو
گرچہ جاں در باختی در راہِ جاناں دم مزن

(۳) گر تُرا دردے است از وَے ہیچ از درماں مگو
دردِ اُورا بہ ز درماں داں نہ درماں دم مزن

(۴) چوں یقیں آمد رہا کُن قصۂ شک و گماں
چُوں عیاں بنمود رُخ دیگر ز برہاں دم مزن

(۵) علم بے دنیاں گزار و جہل را حکمت مخواں

از خیالات و فسون و اہلِ یونان دم مزن

(۶) بالبِ میگون و روئے خوب و زلفِ دل کشش
از شراب و شاہد و شمع و شبستان دم مزن

(۷) کفر و ایماں را بہ پیشِ زلف و رویش کن رہا
پیشِ زلف و روے او از کفر و ایماں دم مزن

(۸) چونکہ ما او بر نیاری بودن از وصلش مگو
چونکہ بے او ہم نمی باشی ز ہجراں دم مزن

(۹) مہرِ تاباں چونکہ ہست از عکسِ رویش تابشے
مغربی در پیشِ او از مہرِ تاباں دم مزن

(۱) اے دل یہاں اپنے پیارے کی گلی ہے اپنی جان کا بھی دم مت مار (یعنی جان سے بھی دریغ مت کر) اور اپنے پیارے کے آگے جان وجان اور دل کا دم مت مار یعنی اپنے پیارے کے آگے اِن کو بھی عزیز مت سمجھ۔

(۲) جان پست اپنے پیارے کے زیادہ قیمت نہیں رکھتی ہے۔ اِسلئے اُس جان کا افسوس مت کر۔ اگر تو اپنے پیارے کے رستہ میں جان پر کھیلتا ہے تو چپ رہ (تو اُس کام پر بھی شیخی مت کر)۔

(۳) اگر تجھکو (اپنے پیارے کی محبت میں) کچھ تکلیف ہے تو اُس کے علاج کی بات کچھ ذکر نہ کر۔ اُسکی تکلیف کو (یعنی اُسکی محبت میں جو تکلیف ہو اُس کو بھی علاج سے بہتر سمجھو اور علاج کے بارے میں ذکر نہ کر بلکہ چپ رہ۔

(۴) جب تجھکو یقین ہوگیا تو شک شبہ کا قصہ چھوڑ دے۔ جب اُس (پیارے) نے اپنا چہرہ دکھلا دیا تو دلیل و حجت نہ کر۔

(۵) لادینوں (بے دینوں) کا علم (خیال) چھوڑ اور بے دینوں کو حکمت مت کہو۔ اور اہلِ یونان کے خیالات و حکایات کا بھی دم مت مار۔

(۶) شراب جیسے ہونٹ۔ خوبصورت چہرہ۔ دلکش زلف۔ شراب اور معشوق اور شمع و شبستان کے بارہ میں بھی ذکر نہ کر۔

(۷) کفر اور ایماں کو اُس کے چہرہ اور زلف کے سامنے چھوڑ دے اور اُس پیارے کے زلف و چہرہ کے سامنے کفر و ایمان کا ذکر مت کر۔

(۸) چونکہ تو اُس (پیارے) سے علیحدہ نہیں رہ سکیگا، اِسلئے اُسکے وصل کا ذکر مت کر چونکہ تو اُس پیارے کے بغیر بھی نہیں رہ سکیگا اِسلئے ہجر کا بھی ذکر مت کر۔

(۹) چونکہ منور آفتاب اُس (پیارے) کے چہرہ کی تجلی کی ایک چمک ہے اِسلئے اے مغربی اُس کے سامنے مہرِ تاباں (منور آفتاب) کا بھی ذکر مت کر۔

(راگ بھیروی - تال جھپ)

(۱) میار اَے بخت! بہرِ غرقِ ما در شور دریا را
پرِ ماہی مگرداں بادبانِ کشتیٔ مارا

(۲) لباسِ ما سُبکساراں تعلّق بر نمی تابد
بوَد ہمچوں حباب از بخیہ خالی پیرہن مارا

(۳) دمِ جاں بخشِ تو تا رنگِ حیرت ریخت در عالم
ز حیرت آئینہ در پیشِ نفس دیدم مسیحا را

(۴) اگر لب از سخن گوئی فرو بندیم جا دارد
کہ بنوَد از نزاکت تابِ بستن معنیٔ مارا

(۱) اے نصیبے ہمارے غرق کرنے کے لئے دریا کو طوفان میں مت لا (اے بخت! ہم کو ڈبونے کے لئے خواہشات دُنیوی کے دریا میں طوفان مت برپا کر) اور اے مچھلی کے پر! ہماری کشتی کے بادباں کو مت پھیر۔

(۲) ہم ہلکے (آزاد از تعلّقاتِ دُنیا) لوگوں کا لباس تعلّق کی تاب نہیں لا سکتا ہے یعنی تعلّقات کی طرف راغب نہیں ہو سکتا اور ہمارا کُرتہ بلبلہ کی طرح بخیہ سے خالی (لا تعلّق) ہے۔

(۳) جب سے تیرے جاں بخش دم نے دُنیا میں حیرت (تعجّب) کا رنگ بکھیر ڈالا ہے تو اُس وقت سے مَیں نے مسیحا کو تیری محبّت کی وجہ سے (آئینہ در پیشِ نفس) متحیّر دیکھا ہے یعنی اے معشوقِ حقیقی! چونکہ تیرے دم جاں بخش سے مریضانِ محبّت کو شفا دی ہے۔ اِس لئے تیری محبّت کی وجہ سے اب مسیح (جس کو معجزہ تھا کہ مُردہ کو زندہ کر دیتا تھا) متحیّر ہو رہا ہے چونکہ اب اُس کا معجزہ بے سُود ہے۔

(۴) اگر ہم کہنے تو ہم بات کرنے سے لب بند رکھیں (چُپ رہیں) مگر کیا یہ واجب ہے؟ کیونکہ تیری نزاکت کی وجہ سے ہم کو معنی (راز) چھپانے کی تاب نہیں۔ یعنی قدرتاً ہمارے مُنہ سے تیری تعریف ضرور نکلے ہی گی اور تیرا راز ظاہر کئے بغیر نہ رہیں گے۔

(۵) شود از شعلۂ آوازِ قُلقُل بزمِ مے روشن
سرت گردم مکُن خاموش ساقی! شمعِ مینا را

(۶) غنی ساغر بکف جمشید پیشِ مے فروش آمد
کہ شاید در بہائے بادہ گیرد مُلکِ دُنیا را

گنگا! کیا وُہ تیری ہی چھاتی ہے جس کے دُودھ سے برہم وِدیا پرورش پاتی ہے؟ اے ہمالیہ! کیا وُہ تیری ہی گود ہے جس میں برہم وِدیا (گرجا) کھیلا کرتی ہے؟ کیا تمہیں بھی وُہ دِن یاد ہے جب پہلے پہل رامؔ "رنگِ زرد و آہِ سرد و چشمِ تر" کے ساتھ تمہاری پناہ میں آیا تھا؟ تن تنہا اِن پتھروں پر پڑے پڑے راتیں کٹتی تھیں۔ آنسوؤں سے یہ شِلا تر بتر ہوتے تھے۔ ہچکیوں کا تار بندھتا تھا۔ ہائے! وُہ پرم آنند کہاں ہے "جس کی مستی میں کوئی فردا ہے نہ امروز ہے"؟ وائے! وُہ بحرِ سُرور کب ملے گا جو لذّاتِ دُنیوی کو خس و خاشاک کی طرح بہائے جاتا ہے! آفتابِ معرفت کا طوفانِ نُور (گیان کا مارتنڈ پرچنڈ) کب عین سمت الراس پر آئے گا!۔ اغراضِ جسمانی اور جذباتِ نفسانی دھند اور اندھیرے کی مانند کب صاف اُڑ جائیں گے! گنگا کا جل ہیچگاہ گرم نہیں ہوتا۔ کاش! وُہ وقت کب آئے گا کہ نشۂ حقیقت کی بدولت رامؔ کے دِل پر

(۵) چونکہ شراب کی محفل (شراب کی) صُراحی کی آواز کے شعلہ سے روشن ہو جاتی ہے۔ اِس لئے اے ساقی! میں تجھ پر قربان جاؤں کہ شیشۂ شراب کی شمع کو مت بجھا یعنی اے مُرشدِ کامل! شرابِ محبتِ الٰہی کا دَور ہمیشہ جاری رہے۔ مِرا سے مُلّا سے چشم لِدی کے لئے بھی بند نہ کر۔

(۶) اے غنیؔ! جمشید اپنے پیالہ (جامِ جہاں نُما) کو ہتھیلی پر رکھے ہُوئے شراب فروش کے پاس آیا کہ شاید شراب کے بدلے وُہ شراب فروش مُلکِ دُنیا کو لے لے یعنی عشقِ الٰہی کی شراب اِسقدر قیمت رکھتی ہے کہ جمشید اُسکے لینے میں مُلکِ دُنیا کو مع اپنے اُس پیالے کو جس میں کہ تمام جہان کا نظارہ دکھائی دیتا تھا دے دینے دریغ نہیں کرتا ہے۔

خواب میں بھی بیم و رجا (favours and frowns) دخل پانے کے
ناقابل ہو جائیں گے! گناہ اور غم (sin and sorrow)
زمانۂ ماضی کی طرح کب کے گذرے ہوں گے! تریا کیا گرنتھوں ہی
میں مذکور ہونے کو ہے۔ ورنہ وہ تریا کہاں سے؟ ننگے سر، ننگے پیر،
برہنہ بدن۔ اپنشدیں ہاتھ میں لئے۔ دیوانہ وار رام پہاڑی جنگلوں
میں پھر رہا ہے:

(۱) خونِ جگر شراب ترشح ہے چشمِ تر
ساغر مرا گرو نہیں ابرِ بہار کا

(۲) نالہائے کلبۂ احزاں تسلّی بخش نیست
در بیاباں می تواں فریاد خاطر خواہ کرد

(۳) برگِ حنا پہ جا کے لکھوں دردِ دل کی بات
شاید کہ رفتہ رفتہ لگے دلربا کے ہات

پہاڑ کی کھوہ کا ہر ایک کی کندرا کا نالہائے زار کو ہمدردی بھرا جواب (گونج)
دینا کبھی نہیں بھولیگا۔

(۴) عشق کا منصب لکھا جس دن میری تقدیر میں
آہ کی نقدی ملی صحرا ملا جاگیر میں

بس۔ تخت یا تختہ۔ والدین! تمہارا لڑکا اب واپس نہیں جائے گا۔ ودیارتھی لوگو!
تمہارا ودیا گورو اب واپس نہیں جائے گا۔ اہلِ خانہ! تمہارا رشتہ کب تک
نبھے گا۔ بکرے کی ماں کب تک خیر منائے گی؟ یا تو سب تعلقات سے برتر ہوگا

(۱) جگر کا خون تو میرے لئے شراب ہے اور آنسوؤں سے تر تر آنکھیں میرے لئے [illegible] میرا پیالہ ابرِ بہار کی ضرورت نہیں رکھتا۔
(۲) ماتم کدہ کا نالہ (آہ و زاری) تسلّی بخش نہیں۔ بیاباں میں جا کر اسکے عشق میں زار زار رو کر دل بھر کر فریاد کی جا سکتی ہے۔

یا تمہاری سب امیدوں کے سر یک قلم پانی بھر جائے گا۔ یا تو رام کی آمد گھن ترنگوں میں کون و مکاں غرقاب ہوگا (تریا اِسمت) اور یا رام کا جسم گنگا کی لہروں کے حوالے ہوگا۔ تن بدن کا خاتمہ ہوگا۔ مرکر تو ہر ایک کی ہڈیاں گنگا میں پڑتی ہیں اگر حلوۂ عُریانی (ابروکتس) نہ ہُوا۔ اور اگر جسمانیت کی بُو باقی رہ گئی تو رام کی ہڈیاں اور ماس جیتے جی مچھلیوں کی بھینٹ ہونگی ؛

؎ تن کے پروانہ ترا آیا ہوں میں لے شمع طُور

بات وُہ پھر چھیڑ نہ جائے بہ تقاضا اور ہے
مرے ارتی لس ترانی

(راگ اساوری تال یکہ)

نین مرے سُکھ کیوں نہیں سُونے۔ کدم بار ہا تیری دیکھ دن میرے کاگ مرے گھر نت اُٹھ لونڈے

(نیں مرے سُکھ کیوں نہیں سُونے)

اگر رام کے چرنوں میں گنگا نہ بہی — करे रथांग शयने भुजंग

याने विहंग चरणो म्बुगा गम्। تو رام کا جسم گنگا بر ضرور بہے گا۔

آنکھیں جل برسا رہی ہیں۔ ٹھنڈے اور لمبے سانس گویا تیز ہَوا کی طرح مینہہ کا ساتھ دے رہے ہیں۔ اندر جھڑی لگ رہی ہے باہر بھی برسات زور پر ہے۔

الحاح و زاری کے ساتھ رام کے تو دِل سے یہ نالہ نکل رہا ہے۔

(راگ جنگلہ۔ تال تین)

گنگا! تینتھوں صد بلہارے جاوُں

(۱) باڈجام سب وار کے پھینکوں دہی پھُول بتاشے لاؤں ؛ گنگا تینتھوں صد بلہارے جاؤں
(۲) من تیرے مندر کو دیدوں۔ بُدھ دھارا میں بہاؤں۔ گنگا تینتھوں صد بلہارے جاؤں
(۳) چت تیری مچھلی جب کھاویں ؛ اہنگ گر گہا میں دباؤں ؛ گنگا تینتھوں صد بلہارے جاؤں
(۴) پاپ پُن سبھی سُلگا کر ؛ یہ تیری جوت جگاؤں ؛ گنگا تینتھوں صد بلہارے جاؤں

(۵) تجھ میں پڑوں تو تو بن جاؤں ؛ ایسی ڈبکی لگاؤں ؛ گنگا تیتھوں صد بلہارے جاؤں
(۶) پنڈے جل تھل پون دِشوں دِک، اپنے رُوپ بناؤں ؛ گنگا تیتھوں صد بلہارے جاؤں
(۷) زن کروں ست دھارا ماہیں ؛ نہیں تو نام یہ رام دھراؤں ؛ گنگا تیتھوں صد بلہارے جاؤں

اُونچے لمبے درخت گنگا کنارے کھڑے گویا سندھیا کر رہے ہیں اور منوہر لتا پتا میں رنگا رنگ کے پھول کھِلے ہوئے ننھّے بچوں کی طرح تبسم کر رہے ہیں۔ ہَوا آن کر اُنہیں جھوٹے جھُلا رہی ہَے۔ ٹھنڈی ٹھنڈی پَون مند سپند سے دِل لبھا رہی ہے ؛

۵ بادِ صبا کے جھونکوں سے شاخوں کا جھُومنا
اور جھُوم جھُوم کر وہ رُخِ گُل کو چُومنا

چاروں طرف یہ کیفیت ہے کہ رام شش و پنج میں ہے کہ بیٹھ کس طرف کرکے بیٹھوں۔ ایک سے ایک بڑھ کر سہانا ہے ؛ ؛ پربتوں کے ڈھلوان پر ہرے ہرے باس منی کے کھیت لہلہا رہے ہیں۔ اِن کھیتوں میں پہاڑوں سے اُترتا ہُوا نِرمل جل بہ رہا ہَے۔ یہ جل مُکت پُرشوں کی مانند برہم سرُوپ ندی بھاگیرتھی میں مِل کر اُس سے ابھید ہو رہا ہَے ؛ ندی بھاگیرتھی کی شوبھا کَون ورنن کرے۔ کیا راٹ بھگوان کا ہردے استھان یہی ہے؟ اُسکا گمبھیر (عمیق) اور شیتل سبھاؤ۔ اور اُس کی اونگ کار اناہت رُوپی آواز جت کی چلبلاہٹ اور کدورت کو صاف کر رہے ہیں۔ بعض بعض مقامات پر گنگا جل کے عجب شانتی بھرے کُنڈ بن رہے ہیں۔ چاندنی میں تو چمکتی دمکتی گنگا ہَے کہ کوٹان کوٹ ہیرے موتی کُوٹ کُوٹ کر بھرے ہیں۔ میری جان یہ مرجان والا سُرمہ آنکھوں میں کیا ٹھنڈک دیتا ہے۔ دیدۂ دِل کو بھی روشن کرتا ہے ؛ گنگا اپنی مہاشیتلتا اور نِرملتا سے وشنوپن دکھاتی اور مہاشکتی اور زور شور سے شیر کی طرح گرجنے اور استیوں کو چبانے

(مہا لیوانے) سے شانتی پن ظاہر کرتی وشنو اور شو۔ دونوں کی جھلک مارتی ہوئی بابا پوری (حکمت) کو کرنار تھ کرنے جا رہی ہے ؛ گنگا کے ترنگ اس جگہ نہنگ کی مانند نعرے مارتے اور زور سے چھلانگیں بھرتے چلے جاتے ہیں ؛ یہاں تہ پر بہت بڑے بڑے پتھر ہو گئے۔ لہریں جھاگ جھاگ ہوئے جاتی ہیں۔ موجیں کس بلا کے پیچ کھاتی ہیں۔ وہ دیکھو۔ گنگا کی دھارا غضب کا آبشار بن رہی ہے۔ پانی سب کا سب ایکدم گرا۔ پھر اچھلا۔ گنگا کے جوش و مستی کو جتلانے والی پھین کف نلیج رہی ہے کہ شیر غراں کے ایال (mane) لہرا رہے ہیں۔ اس جوش و خروش کے ساتھ گنگا گویا یہ کہہ رہی ہے کہ اے اہنکار (ہرن) آ میں تیرا شکار کروں۔ اے جہل (گیدڑ)! تیری جسمانیت و انانیت کی ہڈیاں چبا جاؤں گی۔ پسلیاں الگ الگ کر دونگی ؛ اے موہ روپی پتھر! آ میں تجھے چیر ڈالوں۔ پہاڑوں کو کاٹ کر آئی ہوں۔ اب تیری باری ہے۔

پر اسوقت کل اگیان کی سینا نہ معلوم کہاں معدوم ہو گئی ہے۔ نہ اندھیرے کا کہیں پتہ لگتا ہے نہ اودیا تمر کا۔ ان ہرے بھرے پہاڑوں کا نور و سرور سے یوں بھرپور ہونا کس بات پر دال ہے۔ یہ ٹھنڈک اور آنند کیا مژدہ سنا رہے ہیں رام کی مراد یہاں بر آئے گی۔ خواہشیں سب سرگباش ہو جائیں گی۔

سے ۵ مژدہ اے دل کہ مسیحا نفسے می آید
کہ ز انفاسِ خوشش بوے کسے می آید

کس لطف کے ساتھ رام سنان کرتا ہے۔ جل اچھالتا ہے اور خوشی کے نعرے بلند کرتا ہے ؛

سے ۵ خوشخبری ہو اے دل کہ کوئی مسیحاء نفس آ رہا ہے۔ کہ اس کے خوش دم سے کسی کی بو آ رہی ہے۔

(راگ سندھڑہ۔تال تین)

ندیاں دی سردار۔ گنگا رانی!
چھینٹے جل دے دین بہار۔ گنگا رانی!
سانوں دکھ جندڑی دے نال۔ گنگا رانی!
کدے وار کدے پار۔ گنگا رانی!
سو سو غوطے رگن مار۔ گنگا رانی!
تیر مان لہراں رام اسوار۔ گنگا رانی!

Mother of mighty rivers
Adored by saint and sage,
The much beloved peerless Gunga,
Famous from age to age.

—:—

Unconscious roll the surges down,
But not unconscious thou,
Dread spirit of the roaring flood,
For ages worshipp'd as a God,
And worshipp'd even now!
Worshipp'd and not by serf or clown;

(۱) اے بھاری دریاؤں کی ماں جس کی پرستش بزرگ اور کامل فقیروں نے کی ہے۔ اے پیاری لاثانی گنگا جو کہ تمام زمانہ سے مشہور و معروف رہی ہے۔

(۲) تیری لہریں خود بخود بلا سوچے سمجھے متحرک ہیں لیکن تو جو کہ نعرہ زن طغیانی کی بھیانک روح رواں ہے اور اسی تک صدیوں سے خدا کی طرح پوجی گئی اور اب بھی پوجی جا رہی ہے۔ خود نے مگر نہیں۔

For sages of the mightiest fame
Have paid their homage to thy name
Dutt

Sacred Gunga, ample-bosomed, sweeps along in real pride,
Rolling down her limpid waters through high banks on either side.

— : —

شام پڑنے کو ہے۔ ایک چھوٹی سی پہاڑی پر رام بیٹھا ہے۔ عجیب حالت ہے!
نہ تو اسے اداسی نام دے سکتے ہیں نہ رنج وغم ہی ہے۔ دنیاداروں والی خوشی بھی
یہ نہیں۔ اسے جاگتا نہیں کہہ سکتے۔ سویا بھی نہیں۔ کیا معلوم مخمور ہو۔ پر یہ کوئی
دنیا کا نشہ نہیں۔ کیا رس بھینی اوستھا ہے!؛ دور اشجار میں سے گھڑیال اور
شنکھ کی آواز آنے لگی۔ شاید کوئی مندر ہے۔ آرتی ہو رہی ہے لے لو! سامنے
بلند پہاڑ کی چوٹی سے دو تین فیٹ کی بلندی پر ترودسی کا چندرماں بھی اپنا
چاند سا مکھڑا لئے آرہا ہے۔ کیا یہ آرتی میں شریک ہونے آیا ہے؟ شریک
کیوں نہ ہو لئے ڈھلکتے ہوئے نورانی بدن کی جوت بنا کر اسے نیئیں سدا نتو یر دار
رہا ہے؛ آرتی روپ بن رہا ہے؛ آہا! سارا نیچر آرتی میں شریک ہو گیا۔ چاروں
طرف سے کیسی آواز (گونجار) آنے لگی؛ اے چاند! تو سبقت لے جانے والا کون ہے
پیارے! اکیلا مت رہ۔ اپنی ہڈیوں کو اور تن بدن کو آگ کی طرح سلگا کر تیری

(۱) تیری پرستش غلام یا مسخروں (ادنیٰ درجہ کے لوگوں) نے ہی نہیں کی بلکہ مشہور و معروف کامل فقیروں نے
تیرے نام کی پوجا کی ہے۔ ستوتہ پوتر اور وشال چیت (کشادہ دل) گنگا شاہی فخر کے ساتھ اپنے شفاف پانی کو لئے
ہر دو جانب کے بلند کناروں کے بیچ میں بہاتے ہوئے جا رہی ہے۔

طرح رام اپنے تئیں اس آرتی میں کیوں نہ وار ڈالیگا؛

اُن دنوں رام کی تلاش کرتا کرتا ایک خط پہاڑوں میں آیلا۔ اُس کا جواب۔

۵۱ "بہر بےسر نامہ را پیدا کنم

عاشقان را در جہاں شیدا کنم"

ایک خط ملا۔ جس میں (۱) گھر آنے کی بابت ترغیب تھی۔ یہ خط فوراً پرم دھام کو روانہ کردیا گیا یعنی شری گنگاجی میں پرواہ دیا گیا۔ (یعنی بہا دیا گیا)

(راگ اساوڑی)

ر۔ رنگ نہیں میرا کتنے دا	جو بن بتہ کے جوڑے نہ گھٹ مائے
پیڑاں پیڑ کے جان پیٹر یعنی	ماسا ماس ناہیں رتی رت مائے
جرخہ دیکھ کے رنگ کرنگ ہویا	سیاں وچ باہاں کیڑ ہے وٹ مائے
متیں عشق حسین نہ مت سجھے	متیں دبند باندی ماری مت مائے

(۲) لوگوں کے گلے اُلاہنوں کا ڈر دکھایا تھا۔ سو بھگون اب تو ہم ہیں اور گنگا۔ سے

سے کفن باندھے ہوئے سر پہ کنارے تیرے آ بیٹھے

ہزاروں طعنے اب ہم پر لگائے جس کا جی چاہے

نبردل ایسے الزام یہاں کچھ نہیں اثر کرسکتے۔

۵۲ گر نماند در دلم پیکان گناہِ تیر نیست

آتش سوزانِ من آہن گداز افتادہ است

(۱) بے نام ونشان (لاپتہ) کے راز کو میں پیدا کرتا ہوں۔ تاکہ جہاں میں عاشق لوگ اُس کے شیدا ہوں۔

(۲) اگر میرے دل میں تیر کی نوک نہیں ٹھیتی تو اُس میں تیر کا قصور نہیں۔ کیونکہ میرے اندر عشق کی آگ ایسی جل رہی ہے کہ اگر لوہا بھی اُس میں پڑے تو گل جاتا ہے۔

تا نخواہد سوخت از ما بر نخواہد داشت دست

عشق بس مارا جو آتش در قفا اُفتادہ است [1]

تمہارا۔ (رام) تو اب پُورا ہو گیا پُورا۔ نہ گھر کا نہ گھاٹ کا۔ (گوء مالک ملکہ لاٹ کا)۔

(۳) کسی خانگی معاملے کے افسوس کی بابت پُوچھو تو سخت حیرت ہے کہ تمہیں اصلی گھر سے غافل رہنے کا کچھ افسوس نہیں آتا!

(۴) آپ نے "سب لوگوں کے دُنیوی کام کاج میں ہمہ تن مصروف" ہونے کا اشارہ کرکے بُلایا چاہا ہے: اچھا اگر لوگوں کی کثرت رائے پر ہی حقیقت کا فیصلہ کرنا منظور ہو تو بتائیے آدم سے ابکر ابندم تک کثرت (majority) اُن لوگوں کی ہے جو موجودہ زندگی کے کاروبار کو زبانِ اعمال سے سچ کہنے والے ہیں یا اُن کی جو رُوئے زمین کی خاک کے تقریباً ہر ذرّے میں زُبانِ حال سے بول رہے ہیں کہ دُنیا معدومی المعلوم ہے۔

۲

अव्यक्तादीनि भूतानि व्यक्तमध्यानि भारत।
अव्यक्तनिधनान्येव तत्र का परिदेवना॥

(۵) بھگوان! آپ ہی کی آگیا پالن ہو رہی ہے۔ یعنی آپ سے بہت جلدی ملنے کی کوشش ہو رہی ہے: از رُوئے جسم تو جُدائی ہرگز دُور نہیں ہو سکتی۔ خواہ کتنے نزدیک ہو جائیں پھر بھی جہاں ایک بدن ہے وہاں دُوسرا بدن نہیں آسکتا۔ ورنہ تداخل اجسام لازم آتا: فی الواقع جُدائی کو دُور کرنے کے دام

(۱) عشق جب تک بیماری جودی کو جلا نہ لیگا اب تک وہ ہمارا پیچھا نہیں چھوڑیگا۔ عشق تو آگ کی طرح ہمارے پیچھے پڑا ہوا ہے۔

(۲) جن کے شروع کا پتہ نہیں۔ جن کے درمیان کا بھی ٹھیک پتہ نہیں اور جن کے ختم (آخر) کا بھی پتہ نہیں ایسی دُنیا کے پدارتھوں پر رونا دھونا کس کام کا۔

رات دن دریئے ہے۔ غیریت کا نام نشان نہیں رہنے دے گا؛ آپ کا اِشتر آتما۔ آپ کے سینے میں۔ آپ کی آنکھوں میں بلکہ سب کے دل جگر میں رام اپنا گھر (قیام) دیکھے ما چین نہیں لگا۔ آؤ۔ آپ بھی ناچیز مدیوں (خون۔ بول۔ یسینہ۔ وِیریہ۔ رال) کے کیچڑ یعنے جسم سے اپنے رُخ دھام (اصل سروپ) کی طرف مراجعت کرو۔ اِس پنجاب سے اُٹھ کر حقیقی دھام کی پہاڑیوں پر کشاں کشاں تشریف لائے گا۔ ملنا اب مرکز ہی پر مناسب ہے۔ جہاں پر ملے پھر جُدائی نہیں ہو سکتی۔ محیط بر (samudra ke andar) چھیّن گنگ کھلتے کھلتے کہاں تک پہنچے گی۔ رام نے تو اگر خود گنگا کو اپنے چرنوں سے نکلتی ہوئی نہ دیکھا تو لوگ اُس کا جسم گنگا کے اُوپر رواں ضرور دیکھیں گے۔

ع ہیں کُشتگانِ عشق میں سردار ہی رہا
سر بھی جُدا کیا تو سر دار ہی رہا

سیپ سے موتی نکلا ہُوا پھر سیپ میں واپس نہیں آتا ؛

ع پھر زلیخا نہ نبلند بھر سوئی ۔ جب سے یُوسف کو خواب میں دیکھا

گنگا میں پڑی ہوئی ہڈیاں وارثوں کو واپس کیسے مل سکتی ہیں؟ البتہ ملنے کے خواہشمند اپنی ہڈیاں بھی حوالۂ گنگ کردیں تو شاید میل ہو جائے۔ ؛ کچھ مشکل تو نہیں۔ نت پراپت کی پراپتی۔ ہے نت نرپت کی نرپتی ؛

ع عشق کا منصب لکھا جس دن میری تقدیر میں
آہ کی نقدی ملی صحرا ملا جاگیر میں

ع کب سبکدوش رہے قیدِ زندانِ وطن
بوئے گُل پھاندتی ہے باغ کی دیواروں کو

سلہ خونِ عاشق چہ کار می آید ۔ نہ شود گر حنائے پائے دوست

(۱) عاشق کا خون کس کام کا اگر وہ اپنے پیارے کے پاؤں کی مہندی نہیں بنتا۔

سلہ رہ نوردانِ محبت را پیام از ما رساں
کاندرین راہ یک قدم از خود گزشتن منزل است

سہ نہیں کچھ غرض دُنیا کی نہ مطلب لاج سے میرا
جو چاہو سو کہو کوئی لسا اب تو وُہی من میں

ایک کالے سانپ کا پاؤں تلے آنا۔ وہاں بجوشن رام پیار کرنے کو ہاتھ بڑھاتا ہے۔

سہ میرے پیارے کا یہ بھی پیارا ہی + میری آنکھوں کا یہ بھی تارا ہے
سانپ کا دَوڑ جانا

اپرو کش۔ گھنا جنگل۔ جل کا کنارا۔ جنگلی گُلزار شگفتہ۔ تحلیہ۔ چند اُپنشدیں ختم ۔ . . . .

اَے نُطق! تجھ میں ہے طاقت اُس سُرور کو بیان کرنے کی؟ دھنیہ ہُوں مَیں! مبارک ہُوں مَیں!

جس پیارے کا گھونگٹ میں سے کبھی پَیر کبھی ہاتھ کبھی آنکھ کبھی کان مُشکل کے ساتھ نظر پڑتا تھا۔ دِل کھول کر اُس دُلارے کا وصال نصیب ہُوا۔ ہم ننگے وُہ ننگا۔ چھاتی چھاتی پر ہے ۔ اے ہاڑ چام کے جگر کلیجے! تم بیچ میں سے اُٹھ جاؤ۔ تفاوت! ہٹ۔ فاصلے! بھاگ۔ دُوری! دُور۔ ہم یار۔ یار ہم۔ یہ شادی ہے کہ شادی مرگ۔ آنسوں کیوں چھما چھم برس رہے ہیں۔ . .

. . . .

کیا یہ ساہا (سیاہ) کے موقع پر کی جھڑی ہے کہ مَن کے مرجانے کا ماتم ہے

(۱) محبت کا راستہ طے کرنے والوں (عاشقوں) کو ہماری طرف سے پیغام پہنچادو۔ کہ اِس راستے میں اپنے سے ایک قدم گزرنا ہی منزل ہے۔

سنسکاروں کا آخری سنسکار ہو گیا۔ خواہشوں پر مری پڑی۔ دُکھ دارِد ر اجالا آتے ہی اندھیرے کی طرح اُڑ گئے۔ بھلے بُرے کرموں کا بیڑا ڈوب گیا۔

۵ بڑا شور سُنتے تھے پہلو میں دِل کا
جو چیرا تو اِک قطرۂ خون نہ نکلا
شکر ہے آئی خبر یار کے آ جانے کی
اب کوئی راہ نہیں ہے مرے ترسانے کی
آپ ہی یار ہوں بس خط و کتابت کیسا
مستثنٰی کُل ہوں ہیں حاجت نہیں سمجھانے کی

وُہ ثریا جو عنقا کی طرح معدُوم تھی ہم خود ہی نکلے۔ جس کو صیغۂ غائب (third person) سے یاد کرتے تھے۔ وُہ متکلّم ہی نکلا۔ صیغہ غائب اب غائب ! اوم (ॐ) ہم۔ ہم (ॐ) اوم ! ہم نہ تُم دفتر گُم۔ اوم ! اوم !! اوم!!! - . . . .

آنسوؤں کی جھڑی ہے کہ وصل کا مزا دلانے والی برسات !
اے سر! تیرا ہونا بھی آج سُپھل ہے: آنکھوں ! تُم بھی مُبارک ہو گئیں ؛ کانوں ! تمہارا پرشارتھ بھی پُورا ہُوا۔ یہ شادی مُبارک ہو۔ مُبارک ہو۔ مُبارک ہو؛ مُبارک کا لفظ بھی آج مبارکِ (کرتارتھ) ہو گیا ؛

لہ شاد باش! اے عشقِ سَودائے ما	اے دوائے جُملہ عِلتہائے ما
اے دوائے نخوت و ناموسِ ما	اے تو افلاطون و جالینوسِ ما

اہنکار کا گُڈّا اور بُدھی گڑیا جل گئے۔ ارے آنکھوں ! تمہارا یہ کالا بادل برسانا مُبارک ہو؛ یہ مستی بھرے نینوں کا ساون سعید ہے۔

(۱) اے عشقِ پاگل! بیچ! واہ وا اے میری کُل خرابی کی دوا۔ اے میری بیکاری و تکبر کی دوا اے میرے جالینوس افلاطون تو جو تن ہوا کیوں کر پیدا ہو گیا)

س۵ یار اساڈے نے انگیا سلایا - اساں کھول تنی گل لاء لیا
اساں گھُٹ جانی گل لاء لیا
مست دہاڑے ساون مُوے آئے - ساوَن یار ملاوَن دے آئے۔
بھاگ لے او یار! بھاگ ؛ کہاں بھاگیگا۔ آسمان پر جھُپیگا؟ بس وہاں موجُود؛
کیلاس پربت جا۔ بس وہاں حاضر؛ سمندر میں جا بیٹھ۔ تجھ سے پہلے پہنچا ہُوں۔
اگنی میں گھس جا۔ میرا ہی مُکھ ہے؛ تمام ابدان میں۔ کُل اجسام میں میں۔ جُملہ اسماء
واشکال میں میں؛ ابدان و اجسام۔ اسماء اشکال یہ خود میں؛ کَون بولے۔ کون
کہے۔ گُونگے کا گُڑ۔ . . .
آہا ہا ہا ہا! میں کیسا خوبصورت ہُوں۔ میری سوہنی صُورت۔ میری موہنی مُورت۔ میری
جھلک۔ میری ڈلک۔ میرا حُسن۔ میرا جمال۔ اس کو میری آنکھ کے سوا کوئی آنکھ دیکھنے
کی تاب نہیں لاسکتی۔
میں اپنی مہا (جلال) میں مست پڑا ہُوں۔ ہائے میرے حُسن کا خریدار کوئی
نہیں۔ میرے جوبن کا گاہک کوئی نہیں۔ اس بے بہا ہیرے کو کَون خریدے؟
مُل گھت سی آن کے کَون کیہڑا - نہیں دِسدا دُوسرا ہور کوئی
میں خود ہی عاشق ہُوں خود معشوق؛ عاشق ہُوں کہ معشوق ہُوں؟ میں
عشق ہُوں؛ . . . .
باہر جب نگاہ جاتی ہے ہر برگ و گل "تُوہی" "تُوہی" کے نغمہ سے استقبال کرتا ہے۔
اندر سے آنند کے بادل اپنی گرج میں سب کچھ غرق کر رہے ہیں؛ رفتہ رفتہ
اعضاء جسم؛ دیش کال کہاں چلے گئے؟ فاصلہ دُوری اور اندر باہر کیسے؟
اب آگے بیان کون کرے؟ . . . . .
کئی روز اسی حالت میں بیت گئے۔ لیکن رات دِن دِن رات کس کے؟

ع جت وَل دیکھاں توں ہی توں ؛ تانا پیٹا رُوں ؛

سہ پہر کا وقت ہوگا - ایک کاٹھ کے جھولے پر عین وسط میں رام مگن بیٹھا ہے - نیز میگھ کے سروپ میں بیگ ناو کی طرح اوپر سے کڑک رہا ہے - بجلی بن کر اپنے تیج کی چمک سے آب و سنگ پر دمک رہا ہے - پانی بن کر اپنی بوچھاڑ سے کل جانداروں کو اپنے اپنے گھونسلوں میں گھسٹر دیا ہے - آکاش اور زمین اور پہاڑ کوئی نظر نہیں آتا جل ہی جل ہے - گویا گنگا بھی زمین سے اٹھ کر آسمان تک جا چڑھی ہے - تاکہ اپنے گھر دھام میں آرام کرے - اِن سب کو تو گھر مل گئے - اب لامکان رام کہاں بسرام کرے؟

(۶)ع نہ نشیمنے کہ کنم مکاں نہ پرے کہ بر پرم از میاں

رام جل شاین نارائن اُس جل میں بیاپ رہا ہے ؛ بادلوں پر چل رہا ہے - سمندر کو رمبہ بنا رہا ہے ؛

کبھی بارش آتی ہے کبھی دھوپ - لیکن رام کے ہاں کچھ چڑھتا ہے نہ اترتا -

ع جد پایا بھید قلندر دا	راہ کھوجیا اپنے اندر دا
سکھ باسی ہو اُس مندر دا	جتھے کیسے نہ چڑھدی لہندی ہے

مُنہ آئی بات نہ رہندی ہے ؛

دنیا نہیں یاد رہتی ہو - بھنگ بوٹی ہر وقت گھوٹ رہی ہے - جتو کی آنکھ کھلی پیالہ جھٹ حاضر - ذرا ہوش آیا - نشہ میں بہا با ؛

آ ع میرے بھنگڑا تو آ ع بھنگ پی جا	آ ع میرے بھنگڑا - نشنگ - بھنگ پی جا
بھر بھر دیندیاں ہیں بھنگ دے پیالے	نشنگ بھنگ پی جا - نہنگ بھنگ پی جا

بھنگ گھوٹنے والی پرکرتی نہیں یہ تو خود بھنگ اور شراب ہے ؛ بھنگ اور

(۶) نہ کوئی گھونسلا (گھر) ہے کہ جہاں ٹھہر جاؤں اور نہ پر ہی ہے کہ جس سے اُڑ جاؤں ؛

شراب نہیں یہ تو بھنگ شراب کا نشہ اور مستی ہے۔ یہ تو خود میں ہوں ؛

سـ۵ نہ ہے کچھ تمنا نہ کچھ جستجو ہے | کہ وحدت میں ساقی نہ ساغر نہ بُو ہے
ملیں دِل کو آنکھیں جبھی معرفت کی | جدھر دیکھتا ہے صنم رُو برُو ہے
گلستاں میں جا کر ہر اِک گُل کو دیکھا | تو میری ہی رنگت ہے میری ہی بُو ہے
مرا تیرا اُٹھا ہوئے ایک ہی ہم | رہی کچھ نہ حسرت نہ کچھ آرزو ہے

بھر دے نی کٹورا بھنگ دا
تیرا کبھڑی گلوں جیا سنگدا

ایک انوکھا خواب :-

گول چند (جس کو عام لوگ کرشن پرماتما کہتے ہیں) رام [illegible] لکن (hide and seek) کھیلتا ہے ؛ ڈھونڈتے ڈھونڈتے دِق ہو کر

رام :- ارے کہاں چھپ رہا؟ نہ باہر ہے نہ اندر ہے۔ غائب کہاں ہو گیا۔ بڑا اندھیر ہے ؛ ہائے! ہائے!... ... ہاں! ہاں!! اب لگا پتہ۔ کواڑ کی آڑ میں گھسے کھڑے تھے آپ۔ باہر نکل گوتو!۔ اب جاتا کہاں ہے۔ کان کھینچکر چپت جڑا۔ مونہہ پھیر دونگا! .. .. "

اتنے میں جھٹ آنکھ کھل گئی ؛ اپنا کان درد کر رہا تھا اور اپنی ہی گال پر (تھپیڑ مارتا ہوا) ہاتھ تھا ؛ اِس خواب کی تعبیر جو بتائے وہی یوسف ؛

. . ..

ایک رُقعہ چند سوالات اُٹھائے ہوئے اِس آنند گنگا میں سنان کرنے آگیا ؛

سوالوں کے جوابات ۔

(۱) "کیا رام اکیلا ہے؟"

(۱) کوئی وِدیارتھی ساتھ نہیں ؛ نوکر پاس نہیں ؛ آبادی بہت دُور ہے ۔ آدمی

کا نام کا دور ہے ؛ تاروں بھری رات آدھی اِدھر آدھی اُدھر ہے۔ بالکل سنسان ہے۔ بیابان ہے۔ سناٹے کا عالم ہے ؛ یہ کیا ہم اکیلے ہیں ؟ اکیلی ہماری بلا ! ابھی ترشنا باندی سنان کرا کر گئی ہے۔ ہوا لونڈی چاروں طرف دوڑ رہی ہے۔ سامنے گنگا اپنی گنگ گنگ کی راگنی الاپ رہی ہے۔ سینکڑوں خادم اِرد گرد جھاڑیوں میں آرام کر رہے ہیں۔ لو یہ نعرہ کدھر سے آیا ؟ کوئی جنگلی جانور درختوں میں سے بول اُٹھا ہے "حاضر" :۔ ۔ ۔ ہم اکیلے کیوں ؟ ہر ہاں ! ہم اکیلے ہی ہیں ؛ یہ خادم وادم اور نہیں ہم ہی ہیں۔ گھن کے درخت نہیں، ہم ہی ہیں۔ ہوا نہیں ہم ہیں۔ گنگا کہاں ؟ ہم ہیں۔ تارے وارے اور چاند نہیں ہم ہیں۔ خدا نہیں ہم۔ معشوق اور وصل کیسا ؟ ہم ہی ہم ؛ ارے "تنہائی" کا خیال بھی ہم سے بھاگ گیا۔ اکیلے کا لفظ بھی اکیلا چھوڑ گیا ؛

سلہ تنہا ستم تنہا ستم حد بو العجب تنہا ستم ؛
جز من نباشد ہیچ شئے یکتا ستم تنہا ستم ؛

سلہ ایں نعرہ و ایں نعرہ زن و نیز ایں صحرا
اشجار و کہستان و شب و روز و نگارا
باد انجم و گنگا جل و ابر و مہ تاباں
معشوق و خدا خاص۔ وصال و دم ہجراں

(۱) میں اکیلا ہوں۔ میں اکیلا ہوں۔ کیسے تعجب کی بات ہے کہ میں اکیلا ہوں۔ میرے سوا کسی چیز کی ہستی نہیں ہے۔ میں یکتا اور واحد مُطلق ہوں ؛

(۲) یہ نعرہ۔ نعرہ مارنا۔ اور ساتھ ہی یہ جنگل۔ درخت۔ پہاڑ۔ دن رات۔ طرح طرح کے نقش۔ ہوا۔ تارے گنگا جل بادل چمکتا چاند معشوق اور خاص اور وصال و جدائی کا دم۔ غرض تمام جسم و مضمون اور موجودات۔ سب کچھ رام ہے۔ اس سے الگ دوسرا کچھ نہیں۔ وُہ ہی ہے۔ تمام وُہی ہے ؛

کاغذ قلم چشمست و مضموں وتو خود جاں
رام است ہمہ نیست دگر۔ اوست ہمہ آں

(۲) کیا رام بیکار ہے؟

(۲) من کا مانسرودر امرت سے لبالب ہو رہا ہے۔ آنند کی ندی ہردے میں سے بہ رہی ہے۔ انتہ کرن کرت کرت اور گد گد ہے؛ وِستنو کے اندر ستوگن اتنا بھرا کہ سما نہ سکا۔ اس چشمۂ ستوگن سے پیروں کی راہ ستوگن کی گنگا جاری ہو گئی۔ ٹھیک اِس طور پر پرم آنند سے بھرپور رام بھگوان جس کا برہم آنند سمٹنے سے سمٹتا نہیں۔ پورن آنند کا چشمہ بنکر آنند آنند کی ندی سنسار کو بھیج رہا ہے۔ خوشحالی اور فارغ البالی کی بادِ نسیم روانہ کر رہا ہے؛ کون کہتا ہے وہ بیکار بیٹھا ہے؛

راگ پروا۔ تال دادرا

۱؎ الا یا ایہا الساقی مئے باقی بچش ازما
کہ روز افزوں شود عشقت کند آسانت مشکلہا

۲؎ بہ حسنِ موج خیزِ من کہ شد طرفہ نقابِ من
زموجِ خوبئے بحرم چہ شور افتاد در دلہا

---

(۱) خبردار اے ساقی! باقی (لافانی) شراب ہم سے چکھ تاکہ تیرا عشق (پریم) روز بروز ترقی کرتا رہے۔ اور تیری مشکلوں کو آسان کر دے۔ (یہاں مجذوب عشق الٰہی اپنے مرشد سے کہتا ہے کہ ہم سے پریم کو بند چکھ تاکہ تمام عقدہ ہائے دلی کھل جائیں۔ اور انکشافِ رازِ حقیقی ہو جائے۔

(۲) میری لہراتی ہوئی خوبصورتی کی وجہ سے جو کہ میرا ایک عجب پردہ بن گئی ہے۔ اور میرے بحرِ عشق کی خوبصورتی کی لہر سے دِلوں میں کتنا ہی شور برپا ہو گیا ہے یعنی کتنے ہی دِل بیقرار ہو گئے ہیں

۵۳ شبِ مہتاب و بادِ خوش لبِ دریا صنم دربر
چساں دانند حالِ ما غریقانِ نمو جہا

۵۴ مرا در منزلِ جاناں۔ ہمہ عیش و ہمہ شادی
جرس بیہودہ مینالد۔ کجا بندیم محملہا

۵۵ ہمہ کارم زِ بیکامی۔ بہ خوش کامی کشید آخر
نہاں چوں ماند ایں رازے کہ بودہ شمعِ محفلہا

۵۶ حضوری چہ میخواہی؟۔ ازو غائب نۂ اے جاں!
توئی عقبےٰ۔ توئی مولا۔ توئی دنیا و مافیہا

۵۷ بہ صدقِ دل انا الحق گو۔ چنیں رامؔ فرماید
کہ در یک دم زدن گردد وصالِ و قطعِ منزلہا

(۳) جب چاندنی رات اور خوشگوار ہوا۔ دریا کا کنارہ اور پیارا پہلو میں ہو۔ تو ہماری ایسی حالت کو لہروں میں ڈوبے ہوئے لوگ (دنیا کی ہوا وہوس میں گرفتار) کیا جانیں۔

(۴) مجھ کو پیارے کی منزل میں نہایت آرام و نہایت خوشی ہے۔ گھنٹہ بے فائدہ شور مچاتا ہے۔ ہم محمل کہاں باندھیں۔ جبکہ ہم کو تو یہاں ہی پیارے کا وصال ہو گیا اس میں ہمیں نہایت خوشی ہے۔ اب واعظ (ناصح) کا شور مفت میں ہے۔ ہم یہاں سے نہیں ٹل سکتے۔ یا اب سانس کا شور بے فائدہ ہے۔ ہم کو آنا جانا باقی نہیں رہا۔

(۵) میرے تمام کام جو کہ نامکمل تھے اب مکمل ہو گئے۔ یہ بھید کیونکر چھپا رہ سکتا ہے۔ کیونکہ یہ اب محفلوں کی شمع ہو گیا ہے۔ (میری کل خواہشات پیارے کے ملنے سے پوری ہو گئیں ہیں۔ یہ بات اب چھپی نہیں رہ سکتی) ۔!!

(۶) اے پیارے! تو حضوری کیا چاہتا ہے؟ تو اس سے پوشیدہ نہیں کیونکہ وہ ہر ایک کے اندر موجود ہے۔ تو ہی آخرت تو ہی مولا ہے تو ہی جہان و مافیہا ہے۔

(۷) رامؔ یہ مجھے حکم دیتا ہے کہ سچے دل سے انا الحق کہو کیونکہ ذرا سی دیر میں انا الحق کا ایک دم مارنے میں (انا الحق کو ایک دفعہ بھی کہنے سے) پیارے کا وصال ہو جائے گا۔ اور منزلیں (مرادیں) طے ہو جائیں گی۔

[1]

No sin, no grief, no pain,
Safe in my happy Self
My fears are fled, my doubts are slain,
My day of triumph come

— : —

O Grave! where is thy victory?
O Death! where is thy sting?

— : —

My Self to me my kingdom is
Such perfect joy therein I find
No worldly wave my mind can toss
To me no gain, to me no loss.
I fear no foe, I scorn no friend,
I dread no death, I fear no end.

—— ؛ ——

ع جس نے کہا کہ رنج و غم مٹتے ہیں کس طرح کہو
سینہ لگا کے سینے سے مہ نے بتا دیا کہ یوں

---

[1] اب نہ کوئی پاپ ہے نہ غم اور نہ دُکھ ہے۔ مجھے اپنے آنند سروپ آتما میں عین راحت ہے۔ میرے سب خوف جاتے رہے۔ میرے شک و شبہ سب جھٹ پٹ ہو گئے۔ اور اب میری خوشی کے دن آ گئے

اے قبر! کہاں ہے تیری جیت (فتح)؟ اے موت! کہاں ہے تیرا ڈنک؟ میرے لئے تو میرا اپنا آتما ہی بادشاہی ہے اور اسی میں مجھے ایسا مکمل آنند ملتا ہے کہ دُنیا کی کوئی طرح کی لہر (ترغیبِ لذت) میرے من کو ڈگمگا نہیں سکتی۔

اب میرے لئے نہ کوئی نفع ہے نہ نقصان۔ نہ مجھے کسی دشمن کا ڈر ہے اور نہ کسی دوست سے نفرت۔ نہ مجھے موت کا خوف ہے اور نہ خاتمہ کا بھے (ڈر)

رامؔ بیکار کبھی نہیں۔ دُنیا حرکت سے نکلے کام رامؔ ہی کرتا ہے۔

۵۱ مہر گشتہ آفتاب کجاست	آب ہر سُو دواں کہ آب کجاست
۵۲ خوابِ دوشم ز دیدہ می پرسید	کائے جہاں بیں بگو کہ خواب کجاست
۵۳ مست پرساں کہ مست را دیدی؟	یارب آں بیخود و خراب کجاست
۵۴ بادہ در میکدہ ہمی گردد	گردِ مجلس کہ گوئے شراب کجاست
۵۵ یارِ خود بے نقاب می گردد	کہ مراں یار بے نقاب کجاست

۵۶ چوں کار مردم می کنند۔ از دست و پا حرکت کنند
بیکار ماندم جائے حرکت ہم منم ہر جا ستم

۵۷ از خود بجا بیروں شوم۔ گو من کجا حرکت کنم
از بہر چہ کارے کنم من روحِ مطلبہا ستم

(۱) آفتاب پریشان ہو رہا ہے کہ سورج کہاں ہے۔ پانی ہر طرف بھاگ رہا (بہتا پھرتا) ہے کہ پانی کہاں ہے۔

(۲) کل رات میری نیند میری آنکھ سے پوچھتی تھی کہ اے جہاں کی دیکھنے والی (آنکھ) تو بتا کہ نیند کہاں ہے۔

(۳) مست لوگ پوچھ رہے ہیں کہ تم نے مست کو دیکھا۔ یارب وہ بیخود و خراب (بدمست) کہاں ہے

(۴) شراب شرابخانہ میں مجلس کے گرد دورہ کرتی ہوئی پوچھتی پھرتی ہے کہ شراب کہاں ہے؟

(۵) اپنا یار مطلوب حالانکہ بے نقاب پھرتا ہے۔ لیکن پھر پوچھتا ہے کہ وہ بے نقاب کہاں ہے

(۶) جب تمام آدمی کام کرتے ہیں۔ اور ہاتھ پاؤں کو حرکت دیتے ہیں تو میں بیکار رہتا ہوں۔ کیونکہ منبعِ حرکت میں ہوں یعنی تمام عالم میرے ہی سے متحرک ہے اور میں ہی سب کا منبعِ حرکت ہوں۔

(۷) میں اپنے سے باہر کہاں جاؤں۔ اور بتلاؤ کہ میں کہاں حرکت کروں اور کس لئے کوئی کام کروں۔ کیونکہ تمام مطلب اور مقصدوں کی جان میں ہی ہوں۔

(۳) کیا یہ انانیت ہے؟

مغرور اور متکبر کون ہے؟ جو جہلِ مرکب میں مبتلا ہو

ع آنکس کہ نداند و نداند کہ نداند

اہنکاری وُہ ہے جو عُہدہ سے۔ خاندان سے۔ روپیہ سے۔ علم سے یا چمڑے کی رنگت سے یا درجہ سے چھٹی بڑائی بڑائی کی خلعت اُدھار مانگ کر پہن رہا ہو اور اُس پر نازاں ہو۔ یعنی ہو تو دراصل غیر سے بھیک مانگنے والا پر اِس لئے حقیقی اِفلاس کو باعثِ عزت خیال کر بیٹھا ہو۔ فرعون اور نمرود نے خُدائی دعویٰ کیا تھا۔ کفر اور بھول کے باوجود وُہ مبارک تھے کہ ایک دفعہ کلامِ عظیم "اناالحق" تو بول اُٹھے۔ اُن کا کفر اور بھول فقط یہ تھا کہ اُنہوں نے اپنی ذاتِ پاک کو الزام لگایا۔ اپنے تئیں محدود بنایا۔ اپنے آپ کو "وحدہٗ لا شریک" نہ جانا۔ حقیقی مرتبت کو نہ پہچانا۔ اپنا شریک ایک دُوسرا خُدا فرض کرکے اُس کی نقل اُتارنا یا ہمسری کرنا چاہا۔ حقیقی کبریائی کو چھوڑ کر بناوٹی تکبّر اختیار کیا۔ جسمانیت میں پھنسے۔ پاؤں کے جُوتے کو سر پر چڑھایا۔ اپنے پیروں آپ کُلہاڑا مارا۔ اور خود بخود مُشرک و مُلحد بنے۔ لیکن رام جو خود گلوں کا تنفس (شمیم) گلزاروں میں یہاں کا دم پھونکنے والا اور منصور کو سردار اور ناصر بنانے والا ہے۔ اس رام کو کیا ضرورت ہے۔ کہ وُہ اپنی ذاتی شانِ کبریائی اور جلال کو چھوڑ کر گدیہ گری یعنی تکبّر اور انانیت اختیار کرے:

سلہ نمرُود شد مردُود چُوں؟ بُودش نگہ محدُود چُوں
مارا تکبّر کے سزد۔ چوں کبریا مولا ستم

(۴) یہ دیوانگی نہ ہو؟

منجانب اکثر اہلِ عقل یہ شکایت سُننے میں آئی۔ کہ رام کو مرضِ مالیخولیا ہوگیا۔

سلہ نمرُود کیوں ذلیل ہُوا؟ اس لئے کہ اُس کی نگاہ محدُود تھی۔ ہمیں ایسا تکبّر کب زیب دیتا ہے۔ کیونکہ مَیں کبریا (مولا) کی طرح ہرگز

مخبوط الحواس ہو چلا ہے ؛ زمانہ حال کے منطقیوں کا سردار ہے۔ ایس مل لکھتا ہے۔ کہ دو امور میں ایک کو دوسرے پر ترجیح دینے کا صرف اس شخص کو حق ہوتا ہے جو ہر دو واقعات سے بخوبی آگاہ ہو۔ صرف ایک ہی پہلو سے باخبر دونو کا مقابلہ کرنے کی قابلیت نہیں رکھتا۔ اے مقلدانِ مل و ڈیوڈ ہیوم (Mill and David Hume) یعنی اہلِ عقل و منطق! کیا تم نے کبھی اس دیوانگی کا مزا چکھا اس پاگل پن کا تجربہ کیا؟۔ اس سودا کا سواد لیا؟ کبھی نہیں۔

س دل کے جانے کی خبر عاقل کی کیا جانے بلا
کس طرح جاتا ہے دِل بیدل سے پوچھا چاہیئے

پس تمہیں کوئی اختیار نہیں۔ اِس مبارک دیوانگی پر حرف رکھنے کا۔ اے آنند (ecstacy۔ بیخودی) پر شیدا لوگو! جاؤ شراب تمہیں یاد کر رہا ہے۔ سرود و سماع بُلا رہا ہے۔ لذیذ کھانے تیار پڑے ہیں۔ حسن عورتیں منتظر کھڑی ہیں۔ جاؤ ؛ پرسنو تو سہی حسینوں میں۔ سرود و سماع میں۔ شراب و کباب میں۔ یا دیگر وشیوں میں وہ کیا ہے۔ جو تمہیں رات دن اپنا غلام بنائے رکھتی ہے؟ عزیزو! وہ رام کے دیوانہ پن کی ذرا سی جھلک ہے۔ اور بس۔ تمہیں شرم نہیں آتی۔ کیکر کے بھوت (شراب) سے مصنوعی مستی (دیوانہ پن) اُدھار مانگتے ہو۔ لمحہ بھر کی لذتِ بیخودی (دیوانہ پن) کی خاطر لہو ہاڑ چام کے وارے نیارے جاتے ہو۔ زبونِ زن ہوتے ہو۔ طرح طرح کے وشیوں میں گرفتار ہوتے ہو۔ آؤ! شاہنشاہِ زمان کو جو مستی (دیوانہ پن) نصیب نہیں ہے۔ رام مرحمت فرماتا ہے۔

رام ۔ ع دیوانہ ہے ولیکن بات کہتا ہے ٹھکانے کی

جام شرابِ وحدت والا | اپی پی ہر دم رہ متوالا

عرض دعا

پی میں واری۔ لا کے ڈیک
سُن سُن سُن لے رام دوہائی
ذات پاک توں لا نہ پلیک

اللہ شاہ رگ رجھیں نزدیک
بے انتا اکیوں انت ہے چاہی
اللہ شاہ رگ رجھیں نزدیک

رو رو کر روپیہ کو فراہم کرنا اور اُس سے جُدا ہوتے سمے بھر رونا۔ یہ روپیہ کے پیچھے پاگل بننا نا مناسب ہے۔ اپنی دولتِ ذات کو سنبھالو۔ بات بات میں "لوگ کیا کہیں گے"؟ ہائے! "فلاں صاحب کیا کہیگا"؟ اس سہم سے سوکھتے جانا۔ اوروں کی آنکھوں سے ہر بات کا اندازہ لگانا۔ صرف پبلک کی عقل (رائے) سے سوچنا۔ ذاتی آنکھ اور ذاتی ادراک کو کھو کر سراسیمہ اور پاگل بننا ناروا ہے۔ متاعِ غیریّت کا نام و نشان۔ اور اپنے نشئہ حال کو کلاک کے پنڈولم کی مانند رنج و راحت کے مابین متزلزل یتذبذب رہنا ہراساں کر دینے والا پاگل پن ہے۔ اِسے جانے دو۔ اپنے اکال سروپ میں قائم (سنجھنی) ہونے دو۔

ہاں! رام دیوانہ ہے۔ یعنی عقل سے پرے اُس کا مقام ہے۔ بیفائدہ جگت پڑا رچنا اور اُس میں خود گم ہو جانا۔ ایسی حرکات دیوانوں کا کام نہیں تو اور کا ہے؟

سلے

دیوانہ ام دیوانہ ام یا عقل دہش بیگانہ ام
بیہودہ عالم میکنم ایں کردم و من خاستم

سودائی نہیں۔ سَو دائی (سَو داؤ جاننے والا) ہے۔ پاگل نہیں۔ با۔ گل (ر ۰ داں) ہے۔

(۱) مَیں ایسا پاگل اور بے خود ہوں کہ عقل و ہوش سے واسطہ نہیں رکھتا۔ بے فائدہ مَیں اِس جہان کو پیدا کرتا ہوں اور پیدا کرتے ہی اِس سے علیٰحدہ ہو جاتا ہوں۔

میراں رام کی دوائی ونسا مادری کہے ۔

؂۱ ہوش و خرد سے ہم کو سروکار کچھ نہیں
اِن دونوں صاحبوں کو ہمارا سلام ہے

؂۱ گر طبیبے را رسد زین سال جنوں
دفترِ طب را نشرد شوید به خوں

؂۲ جنونے کو کہ از قید خرد بیروں کشم پا را
کنم زنجیر پائے خویشتن دامانِ صحرا را

راگ جوگ۔ تال تین

آ وے مقام اُتے آ میرے پیارا! (ٹیک)

پا گل اصلی پاگل ہو جا	مستِ الست صفا میرے پیاریا!
ظاہر صورت دولا مولا	باطن خاص خدا میرے پیاریا!
پستک پوتھی سٹ گنگا وچ	دم دم الکھ جگا میرے پیاریا!
سیلی ٹوپی لاہ دے سر توں	رُنڈ مُنڈ ہو جاؤ میرے پیاریا!
عزت بھوکی پھوک دُنی دی	آک دھتورا کھاؤ میرے پیاریا!
جھگڑے جھیڑے فیصل نبڑے	لیکھا پاک مُکاؤ میرے پیاریا!
پردے پھاڑ دُوئی دے سارے	لیکو ایک لکھا میرے پیاریا!
آپے بھُل بھُلاویں آپے	آپے بنیں خدا میرے پیاریا!
کُل وچ تیرا پیارا لیٹے	اکھوں تنی گل لاؤ میرے پیاریا!

(۱) اگر حکیم کو اس قسم کے جنوں سے واسطہ پڑے تو وہ حکمت کے دفتر کو خوں سے دھو ڈالے۔

(۲) وہ جنوں کہ جس کی وجہ سے میں عقل کی قید سے اپنے پاؤں کو باہر کرسکوں اور جنگل کے دامن کو اپنے پاؤں کی زنجیر بنا سکوں (یعنی دیوانہ ہوکر صحرا گردی کروں)

(۱) دِل بہ اِستدلال بستم ماندم از مقصُود دُور
نردباں کردم تصوّر راہِ نا ہموار را

ٹیک عقل نقل نہیں چاہئے ہم کو+ پاگل پن درکار
ہمیں اِک پاگل پن درکار

چھوڑ بواڑے جھگڑے سارے + غوطہ وحدت اندر مار
ہمیں اِک پاگل پن درکار

لاکھ اُپاؤ کرلے پیارے + کدی نہ رل سی یار
ہمیں اِک پاگل پن درکار

بے خود ہوجا دیکھ تماشاء + آپے خود دِلدار
ہمیں اِک پاگل پن درکار

آزادی

آزادی۔ آزادی۔ آزادی۔ ہائے لبرٹی! ہائے فریڈم! بچّوں کو ہفتہ کے دِن گننے کون سِکھاتا ہے؟ (چھٹّی کا روز) اِتوار: اُستاد لوگ طلباء کو چھٹّی دینے سے بظاہر اِنکار کیا کرتے ہیں۔ پر چھٹّی کی لذّت کوئی اُن کے جی سے پُوچھے: دفتر والوں کے زرد چہروں پر کس شئے کے نام سے رونق آتی ہو؟ تعطیل: تاریخِ دُنیا میں بڑے بڑے غدر اور جنگ و جدل کس بات کی خاطر ہُوئے؟ آزادی: کروڑوں مخلوق کے لہو کے دریا کس بات پر بہے؟ آزادی: سب مذاہب بالعموم اور ہندو شاستر بالخصوص کس شمع پر اپنا تن من دھن پروانہ بنایا چاہتے ہیں۔ سنّیاسی سرتاپا ہر سرِمُو کس پر نثار کرتا

(۱) جس نے دِل کو دلیل بازی میں لگایا۔ تو منزلِ مقصود دُور ہوگئی۔ اِسلئے دھیان کو اِس مُشکل راستہ کے کاٹنے کا زینہ بنایا۔

ہے ؟ مُکتی (نجات۔ salvation) جس کے لغوی معنی ہیں آزادی

. . . .

(۱) بل بے آزادی! خوشی کی رُوح اُمیدوں کی جان
بُلبلہ ساں دم سے ترے پیچ کھاتا ہے جہاں
(۲) مُلک دُنیا کے ترے بس اِک کرشمہ پر لڑے
خُون کے دریا بہائے نام پر تیرے مرے
(۳) ہائے مُکتی رستگاری ہائے آزادی نجات
مقصدِ کُلّہ مذاہب ہے فقط تیری ہی ذات
(۴) اُنگلیوں پر بچے گنتے رہتے ہیں ہفتہ کے روز
کتنے دن کو آئیگا یکشنبہ آزادی فروز
(۵) رَم براڈی کے مغذ سبھی آزادی سے دُور
ہو گئے نشے یہ لٹو سہسِ آزادی سرُور
(۶) صاحبوں! یہ نیند بھی میٹھی نہ لگتی اِس قدر
قیدِ تن سے دو گھڑی دیتی نہ آزادی اگر
(۷) قید میں پھنس کر تڑپتا مُرغ بے حَیراں ہو
کاش! آزادی مِلے - تن کو نہیں تو جان کو
(۸) لمحہ جو لذّت مزے کا تھا وُہ آزادی کا تھا
سچ کہیں لذّت مزا جو تھا وُہ آزادی ہی تھا

---

(۹) کیا ہے آزادی؟ جہاں جب جیسا جی چاہے کریں
کھانا پینا عیش بکھیڑوں میں سب دن کاٹ دیں

(۱۰) راگ شادی ناچ عشرت جلسے رنگا رنگ کے
بنگلے باغات عالی یوروپین ڈھنگ کے
(۱۱) قطع ٹوپی کی نئی۔ فیشن نرالا بوٹ کا
دلکش و بیداغ کھلنا بدن پر وہ سوٹ کا
(۱۲) دل کو رنگت جسکی بھائے شادی ے ٹھٹکے کریں
دھرم کی آئین چھپکے طاق پر بنہ کر دھریں
(۱۳) خچریں فیٹن کے آگے۔ کوچبان کا پوش پوش
ابلقوں کا بڑھ نکلنا۔ ہنہنانا۔ جوس جوش
(۱۴) کوٹ بھناتا ہے نوکر۔ جوتا پہنائے غلام
ناک چڑہاتا ہے آقا۔ "جلد۔ بے... ! حرام
(۱۵) مُنہہ بس غٹ غٹ سوڈاواٹر یا سگاروں کا دُھواں
ضعف کی دل میں شکایت رام کی اب جاء کہاں
(۱۶) کیا یہ آزادی ہی ؟ ہائے ! یہ تو آزادی نہیں
گوئے چوگاں کی پریشانی ہے۔ آزادی نہیں
(۱۷) اسپ ہو آزاد سرپٹ۔ قید ہونا ہے سوار
اسپ ہو مُطلق عنان۔ حیران روتا ہے سوار
(۱۸) اندریوں کے گھوڑے چھوٹے باگ ڈوری توڑ کر
وُہ مَرا وُہ گر پڑا اسوار سرِ مُہتہ پھوڑ کر
(۱۹) تازی توسن مُتند خوء یر دست و پا جکڑے کرٹے
لے اڑا گھوڑا مَے زیبا جان کے لالے پڑے
(۲۰) جانِ من آزاد کرنا چاہتے ہو آپ کو

کر رہے آزاد کیوں ہو آستیں کے سانپ کو

(۲۱) ہاں وُہ ہے آزاد جو قادر ہے دِل پر جسم پر
جس کا من قابو میں ہے قُدرت ہے شکل و اسم پر

(۲۲) گیان سے ملتی ہے آزادی یہ راحت سربسر
وار کر ٹھنکوں میں اِس پر دو جہاں کا مال و زر۔

سلہ　آزادہ ام آزادہ ام از رنج دُور اُفتادہ ام
از عِشوۂ زالِ جہاں آزادہ ام بالا ستم

حاشیہ متعلقہ شعر ۱۹:ـــــــ مےزپا کی سزا:

تیزی اور تُندی کا پُتلا آفت کا پرکالا ایک گھوڑا جس پر ابھی زین نہیں ڈالا تھا۔ گھوڑوں کے جنگل میں سے منتخب کرکے لایا گیا۔ اس پر مےزپا کو سوار کرکے ہاتھ پاؤں نہایت مضبوط کَس دئے گئے کہ گرنے نپائے اور پھر اُس سراپا بَلا گھوڑے کو سخت چابک مار کر کڑوا کریلا نیم چڑھا کا غضب ڈھایا چھوڑ دیا۔ برقِ رفتار گھوڑا مےزپا کو لے اُڑا۔ ندی نالے چیر گیا۔ خندقیں پھاند گیا۔ دیواروں پر سے کُود گیا۔ چل۔ چل۔ چل چل چلا چل۔ ریگستان گزر گیا۔ کڑی منزلیں آن کی آن میں کاٹ گیا۔ آناً فاناً کہیں کا کہیں جا نکلا: سوار بیچارا شامت کا مارا بیتاب ہو رہا ہے۔ کبھی سر دائیں کو اُچھل اُچھل پڑ رہا ہے۔ کبھی بائیں کو کبھی آگے کے رُخ کبھی پیچھے کی جانب۔ الٰہی! یہ کیسی سواری ہے! دُشمن کے بھی نصیب نہ ہو۔ درختوں کی رگڑ سے بدن چھِل گیا کانٹوں سے جِسم چھلنی ہو گیا

(۱) ترجمہ: میں آزاد ہوں۔ میں آزاد ہوں۔ رنج و غم سے دُور پڑا ہوں دنیا رُوپی بُڑھیا کے ناز و نخرے سے آزاد اور برطرف ہوں۔

گھوڑے کی طرح مُنہ سے جھاگ چھُٹ گئی۔ بدن پر لہُو کا پسینہ جاری ہو گیا۔ الٰہی! اس سفر کا خاتمہ بھی کہیں ہو گا؟ اور منزل مقصود کیا ہے؟ پھُوٹ گئی قسمت۔

۵ خُون روتا ہے جگر یہ دیکھ آزادی تری
ہائے سے زیبا! یہ آزادی ہے بربادی تری

حاشیہ دوم:۔ ایک ضیافت میں بچّوں کو دیکھا کہ مُنہ میں ڈالنے کی بجائے مٹھائیاں جیب میں ٹھونس رہے تھے۔ ایک ظریف بولا۔ عزیزو! لباس کے جیب میں پڑی ہُوئی مٹھائی مزا نہیں دیگی۔ نہ بھُوک ہٹائے گی۔ مٹھائی کو پیٹ کے تھیلے میں بھرو۔

کون مٹھائی یا نعمت ہے۔ جو آزادی سے بڑھ کر لذیذ ہے۔ عزیزو! یہ شیریں جسم رُوپی لباس کے جیب میں بھری ہُوئی انتہا کو ہرگز نہیں ہٹائے گی۔ اِس کو اپنے حقیقی تھیلے میں بھرو۔ گھوڑے کی آزادی سے آپ کو (جو کہ سوار ہو) قید حاصل ہوگی۔

حاشیہ سوم:۔ ایک پٹھان کے لڑکے کو کسی بات پر اُستاد نے بہت جھڑکا۔ خان زادہ نے آنکھیں لال کرکے جھٹ تلوار نکالی۔ مولوی صاحب کے اوسان خطا ہوگئے۔ آگے اُٹھ دوڑے۔ ننگی تلوار ہاتھ میں لئے خان زادہ تعقب کرنے لگا۔ اتنے میں بڑے خان صاحب اتفاق سے موقع پر تشریف لے آئے۔ دُور ہی سے آوازہ کسا "او اخوند! اخوند! ٹھہرو۔ ٹھہرو۔ میرے لڑکے کا پہلا وار ہے۔ خالی نہ جائے"۔ نوجوانو! آزادی چاہتے ہو۔ یہ بتاؤ تو سہی۔ آزادی تمہیں درکار ہے کہ تمہارے شاگردِ رشید (نفسِ امّارہ) کو؟ مانگنا اپنے لئے اور دنیا بھر کو۔ خیر! ہاتھ کھُلنے دو اِس کا تُم ہی پر ہاتھ صاف کریگا۔ جذبات آزاد

ہوتنگے تم گئے گزرے ؛

حاشیہ چہارم :- غدر ۱۸۵۷ء کے دِنوں میں ایک نواب صاحب کے دولتخانہ پر باغی سپاہیوں نے حملہ کیا۔ مکان کا بڑا دروازہ اندر سے بند تھا۔ لیکن مکان کی پچھلی طرف ایک تنگ سی گلی میں ایک دریچہ کھلتا تھا۔ نواب صاحب کا پلنگ اُس دریچہ کے پاس بچھا تھا۔ یہ دیکھکر کہ باغیوں نے بڑا دروازہ توڑنا شروع کر دیا ہے۔ نواب صاحب کو جان بچانے کے لئے اِس دریچہ سے کُود کر بھاگ نکلنے کی سُوجھی۔ لیکن وُہ نواب صاحب جن کے لئے دو آدمیوں کے کندھوں پر ہاتھ دھرے بغیر بگھی میں سوار ہونا اپنی شان کو بٹّہ لگانا تھا وُہ آج خود بخود کُود کیونکر جائیں۔ وُہ نواب صاحب جن کے خیال میں پیدل چلنا ویسا ہی دُون اور خلافِ تہذیب تھا جیسے بندر کا اُچھلنا۔ وُہ آج اپنے آپ بھاگ کیسے نکلیں ؛ خادم کو آواز دی : "علیم ! علیم ! ارے جلد آ۔ ہمیں جُوتا پہنا دے ؛ جب کسی کی اپنی جان پر آ بنتی ہے تو دُوسرے کو بچانا بھُول جاتا ہے۔ مارے ہَول کے علیم کی نظروں میں باغیوں کی چمکتی ہُوئی برچھیاں اور تلواریں پھر رہی تھیں۔ رنگ فق ہو رہا تھا۔

کاٹو تو لہُو نہیں بدن میں

جب نواب صاحب نے بُلایا تو دریچہ کو دیکھتے ہی علیم کو اپنے بچاؤ کی صُورت نظر پڑ گئی۔ جُوتا تو نواب صاحب کو پہنایا نہیں۔ سیدھا دریچہ کے پاس چلا گیا اور کُود کر جھٹ پار۔ وُہ گیا وُہ گیا ؛ نواب صاحب گالیوں کا جھاڑ باندھتے ہی رہ گئے ؛ پھر دُوسرے خادم کو بُلایا "کلیم ! کلیم ! اجی آئیو۔ آئیو۔ ارے جُوتا۔ جُوتا !" کلیم آیا۔ ایسی مصیبت کے وقت جُوتا تو کون پہناتا۔ کلیم بھی جھٹ دریچہ میں سے کُود کر چلتا بنا ؛ تیسرے خادم سلیم کو بُلا کر منّت سے کہا کہ ذرا

جوتا پہنا دو : اتنے میں بڑا دروازہ آدھا ٹوٹ چکا تھا - سلیم میاں کے ہاتھ پاؤں پھول رہے تھے اُس نے سنا ہی نہیں کہ نواب صاحب نے کیا حکم دیا ہے - ہلبلی میں دریچہ سے کودا اور بھاگا : ہائے مصیبت المگنے اندر گھس آئے : نواب صاحب کی جان کی خیر نہیں :

صاحبان! انصاف سے بتانا کہ غلامئے نفس جو جوتا پہننا ہی تو کیا بات بات میں اَوروں کا محتاج سا تی ہے کیا یہ امیری ہے؟ ایسے نواب صاحب مالک یا آقا تھے کہ نوکروں کے نوکر (dependant)؟ دوہائی ہے - اِس قیدِ آزادی نما کے ہاتھوں دوہائی ہے!: جو شخص اودیا (جہل) کے داؤ پیچ میں پھنس کر اِس محالہ کی منتوں مزاجوں (manners) کو پُورا کرنے کے پیچھے پڑتا ہے - اُسے یہ عورت پیچ کھاتی ہے: وُہ آزادی کا دعویٰ کرنے کا مستحق نہیں :

حاشیہ پنجم :- بیدانت شاستر پڑھے بیٹھے - جمائیوں پر جمائیاں آنی شروع ہو گئیں - دِل کبھی کہیں جاتا ہے کبھی کہیں - توجہ لگتی ہی نہیں - طبیعت بے بس ہے - مَن رُوپی گھوڑا یا خادم اختیار میں نہیں : اُسے کہا جاتا ہے "کر یہ کام" - سُنتا ہی نہیں : ایسا پُرش مالکِ خود مختار یا آزاد کہلا سکتا ہے -؟ ہرگز نہیں - جس کے اپنے گھر ہی میں اختیار نہیں چلتا وُہ خود مختار خاک ہوگا :

حاشیہ ششم :- سہ گانہ قیود نفسانی مکانی و زمانی (دیش کال وستو) میں اسیر - یعنی علمِ ذات سے بے بہرہ - آتم گیان سے خالی پُرش کبھی آزادی کا لطف اٹھا سکتا ہے؟ ہرگز نہیں : یہن جیلخانوں میں قید آزادی کا دم بھرنے کا کبھی مجاز ہے؟

حاشیہ ہفتم :- آزاد وہی ہے - جو دیش کال وستو سے مکت ہے -

سُوامی وُہی ہے۔ جو صاحبِ دل ہے۔ شاہنشاہ وُہی ہے۔ جو سوراٹ (स्वराट) ہے۔ گنگا بلا جتن خود بخود شیتل رہتی ہے۔ سورج ہمیشہ پرکاش ہی کریگا۔ کبھی تاریکی نہیں کرسکتا۔ اِس طرح شم دم جس کے سوبھاو میں داخل ہو گئے ہیں وُہ آزاد ہے ؛

حاشیہ ہشتم۔ سوال :- نیچرل (قُدرتی) وَلوَں کو روکنا قانونِ قُدرت کو توڑنا ہے۔ کیا یہ گُناہ نہیں ہے؟ جس کو تم آزادی کہہ رہے ہو یہ تو اُلٹی گنگا بہانا ہے۔ گُناہ ہے ؛

جواب :- بیشک سچی آزادی۔ گنگا کے منبع کی جانب عرُوج کرنا ہی ہی (उर्ध्व रेतस) اُوردھو ریتا) ہونا اور تمہارے قانُونِ قدرت کو توڑنا ہی ہے۔ اگر قانون کی پابندی (قید) رہی تو آزادی کیسی؟

خواہشیں جذبات وَلوے نیچرل ہیں کیا؟ ذرا غور تو کرو

لفظ نیچرل کا اطلاق اِس جگہ کن معنوں میں ہُوا ہے۔ ریل کی سڑک پر دھکا کھاکر ٹرالی کا ہَوا کی طرح اُڑتے جانا نیچرل ہے۔ کیوں؟ اِنرشیا۔ (inertia) یعنی جَڑتا ؛ چوگان کی چوٹ کھاکر گیند کا لُڑھکتے جانا نیچرل ہے۔ کیوں؟ اِنرشیا (inertia) یعنی جَڑتا ؛ ٹھیک اِسیطرح دِرِندوں چرندوں حیوانات کے جسموں سے صعود (اِیوولیوشن) کرتا ہُوا پُرش جب اِنسانی جامہ پہنتا ہے تو اُس پر حیوانی خواہشات اور وَلوَلوں کا جذبہ اور غلبہ ہونا نیچرل ہے۔ آخر کیوں؟ پُرانا اِنرشیا (inertia) جَڑتا؛ پر انسان کی فضیلت (اشرف المخلوقات ہونا) کس بات میں ہے؟ صرف اِس میں کہ اُس کو (inertia) جڑتا پر غالب آنے کی قُدرت حاصل ہے اور پچھلے دھکّے کے اثر کو زائل کرنے کی سکتی ہے + پس یاد رہے

کہ اِبرتشبا کے نیچر پر غالب آنا ہی انسان کی اِنسانیت ہے۔ حیوانی نیچر پر غالب آنا نیچر سے باہر نہیں ہے۔ نیچرل ہے بلکہ اِنسان کا اعلیٰ تر نیچر (فطرت) ہے۔ اور جذباتِ خواہشات حواس اور نفس پر قادر و مالک ہونا نہ تو قانونِ قدرت کو توڑنا ہے۔ اور نہ گناہ ہی ہے ؛ بلکہ حقیقی نیچر یا اصل فطرت ہرگز چین نہیں لینے دیگی جب تک اپنی ذات کو سچ مچ آزاد نہ کرلوگے اور نیچر سے برتر نہ ہو جاؤگے ؛

حاشیہ نہم :۔ سفنکس (sphinx) یعنی بیتال کی کہانی یوروپ اور ایشیا میں تقریباً سب جگہ رائج ہے ۔ لوگ باستسٹ میں بندھا جیل کے بیتال کا ذکر آیا ہے جس کے سوالوں کا جواب ہر راہرو کو دینا پڑے گا۔ صحیح صحیح جواب نہ دینے والے کی جان سلامت بچنی ناممکن ہے لئے رہروانِ منزلِ دنیا! کیا تم جواب دئے بغیر پلا چھڑا سکتے ہو؟ ہرگز نہیں ؛ بیتال ہاتھ دھو کر پیچھے پڑا ہے وہ کھایا کہ کھایا۔ جواب دئے بغیر چھٹکارا ہو سکتا ہے کیا؟ کبھی نہیں۔ وہ جواب طلب سوال دو لفظوں میں یہ ہے۔ آزادی کیا ہے؟ ہر کوئی اِس سوال کا جواب دینے میں غلطاں و پیچاں ہے ؛

نوٹ:۔ علم ریاضی جن لوگوں نے باقاعدہ نہیں پڑھا وہ ریاضی کے سوال ویسے ہی حل کرتے ہیں جیسے ننھے بچے اپنی بڈھی دادی کی پوچھی ہوئی (چیستاں) بجھارتیں پہلیاں بوجھتے ہیں۔ یعنے جو منہ در آیا بول دیا۔ سوچنا سمجھنا خاک نہیں :

ایک شخص نے اپنے بنک والے روپوں کا دسواں حصّہ دھرم ارتھ خرچ کر دیا۔ تیسرا حصّہ ایک جگہ چندہ دیا (خطاب رائے بہادر کے لالچ میں)۔ ساتواں حصہ بیٹی کے بیاہ پر ناچ تماشے میں صرف کر دیا۔ باقی روپوں

کی زمین خریدی بہ آرضی ۱۷۸۰ روپیہ کی ہے۔ اُس کی کُل جائداد بتاؤ -
بے علم لوگوں کا طریقِ حل یہ ہے:-
فرض کرو کہ جواب دو ہزار ہے۔ اُس سے شرائط سوال پوری کرتے ہوئے باقی ۱۷۸۰ بچے۔ اِسے چھوڑو۔ اب ڈھائی ہزار جواب فرض کیا اِس سے بھی شرائط پوری نہیں ہوئیں؛ فرض کرو تین ہزار جواب ہے۔ اِس سے بھی نہیں پٹتی۔ علیٰ ہذالقیاس۔ کبھی کچھ فرض کیا کبھی کچھ۔ خوش قسمتی سے جواب ٹھیک مل گیا تو خیر۔ نہیں تو اندھوں کی طرح لاٹھی سے رستہ ٹٹولتے ٹٹولتے جنگل میں رات کر دینا تو کہیں گیا ہی نہیں۔
بیج تر زمین میں پڑا ہے۔ اُوپر پتھر آگیا۔ اُگتے وقت ننھا پودا کس پہلو کو جھکیگا؟ بلکہ اُس رُخ کو بڑھیگا جدھر نزدیک سے نزدیک رستہ روشنی (آزادی) کو ہو۔ بیج کے رُوپ میں پریش نے سفنکس کے سوالِ آزادی کا ایسا جواب عملی طور پر دیا ہے؛
کسی شے کو ایک حالت میں قرار نہیں۔ ہر چیز متواتر تغیر پذیر ہے - اپنی پہلی حالت سے بھاگتی جاتی ہے۔ موجودہ شکل و اسم سے آزاد ہوا چاہتی ہے۔ بنال کا سوال حل کرنے میں لگی ہے؛
بہر لحظہ بہر ساعت بہ ہر دم ٭ دگر گوں میشود احوالِ عالم
بنال کا سوال اِس طرح تعقب میں پڑا ہے جیسے چڑیا کے تعقب میں باز؛ پر ہائے ایک غلطی سے نکلنے نہیں پاتے کہ دُوسری غلطی میں گر جاتے ہیں صحیح جواب تو ایک ہی ہو سکتا ہے۔ غلط جوابوں کی کچھ حد نہیں؛ توے سے اُترے چولہے میں پڑے والا معاملہ ہو رہا ہے: ٹھیک جواب اسم و شکل کی قلمرو میں کہیں نہیں۔ اِسی لئے اسم و شکل کے دائرہ میں قرار، تمام امن و آرام

عُنقا ہے ؛

کائنات میں (Struggle for existence) جنگ و جدل جدّو جہد کے کیا معنی ہیں؟ ایوولیوشن میں درجہ بڑھنے سے رُکاوٹیں دُور ہوں۔ آزادی ملے ؛ کیا اِس دَوڑ باری کے چکّر میں کہیں بھی کوئی جہد برائے زندگی نہیں۔ بلکہ جہد "برائے آزادی" سے کنارہ کشی کرسکنے کا مجاز ہے ؟ سائنس نے دکھا دیا کہ سُورج کا تاریکی پھیلانا اور گنگا کا گرمی کرنا شاید ممکن ہو۔ لیکن جہد برائے آزادی میں شریک نہونے والے کا بچاؤ جواب ہیں بھی مُمکن نہیں ؛ سُست پیروں تلے روندا جائیگا۔ نکمّا خوشوں تلے کُچلا جائیگا ؛ خالی ہونے والا نہیں بچ سکتا ؛

He is not fit to survive

یہ قانونِ قدرت ہے۔ سب مایوں کی جڑ کیا ہے؟ سُستی۔ تکاہل (جس کو ہندو شاستر تموگُن نام دیتے ہیں) کاہل بیتال کا جواب دینے سے صاف اِنکار کرتا ہے۔ بیتال اُسے کھا جائیگا ؛

ایوولیوشن کے زینے پر جمل کا یار (رِشی) چڑھتے چڑھتے حالتِ انسانی میں آن کر آزادی کی خاطر کہاں کہاں ٹکریں نہیں مارتا۔ کیسی کیسی ٹھوکریں نہیں کھاتا وُہ جو عیش و عشرت میں پڑگیا یا سُستی میں گڑ گیا اُسکا گوشت و خوں تو بیتال کی بھوک پیاس کے کام آیا۔ مرا شاہ ہُوا۔ ایسوں کو چھوڑ کر اُن اِنسانوں کی حالت پر ایک نگاہ ڈالئے جو آزادی کی جُستجو میں ہمت نہیں ہار بیٹھے۔ جدّو جہد اور محنت جھوڑ نہیں بیٹھے

یُوسف جب مِصر میں بکنے لگا تو ایک بُڑھیا نے بہت آگے بڑھکر نیلام کی بولی دی۔ اور (اپنی جائداد) آدھ پاؤ رُوئی کو بڑے اشتیاق سے بطور قیمت پیش کیا۔ شاباش! بُڑھیا۔ شاباش!! آدھ پاؤ رُوئی سے یُوسف تو نہ مِلا۔

لیکن حضرت یوسف کے خریداروں میں تو نام ما بانہ غلامانِ فلشن آزادی کے گاہکوں میں تو شمار ہوئے۔ آزادی تو بھلا کیا ملنی تھی ؛ عام دُنیادار آزادی (یعنی وُہ حالت جہاں کوئی دباؤ سر پر نہ ہو۔ بڑائی۔ بزرگی۔ عظمت) کے لئے جائز یا ناجائز طریق پر کوہکن کی طرح تیشہ چلائے جاتے ہیں ؛ بڑائی۔ بزرگی۔ عظمت (آزادی) کچھ ایسی شیریں ہے کہ اُس کی ہوس کی بدولت کون ہے۔ جس کی زندگی تلخ نہیں ہو رہی۔

وعظ۔ پرچار اور لیکچر کے موقع پر عموماً یہ آواز سُنائی دیا کرتی ہے۔ "ارے بھائیو عاجزی۔ عاجزی۔ عاجزی۔ غریبی اور انکساری اختیار کرو۔ داس بنو۔ داس ہو۔ بڑائی کی خواہش ترک کرو وغیرہ ؛ بابندگی گاہوں میں اِس قسم کے نالے البتہ سنائی دیتے ہیں "میں غلام۔ میں غلام۔ میں غلام تیرا۔ تو دیوان۔ تو دیوان تو دیوان میرا ؛

"ہمکو نوکر راکھو جی ہم کو نوکر راکھو جی" وغیرہ

{معترضہ۔ مسئلہ کرم کے مطابق یہ غلامی کے سنسکار پھل دئیے بغیر ہرگز نہیں رہ سکتے۔ اب پرمیشور اپنے نراکار روپ میں غلام کیسے رکھے یا اپنے پتھر یا حجر کی مورتی سے کیسے نوکر رکھے۔ لیکن یہ داس پن (غلامی) کے سنسکار بھی پھل دئے بغیر ہرگز نہیں رہ سکتے ؛ پس پرکاش سروپ جیوتر کے پرمیشور سفید چمکیلے گورے چٹے بدن دھارن کر کے انڈیا کو غلام بنا رہا ہے ؛ }

لیکن جڑے ہوئے ہاتھوں خمیدہ گردن اور نکالے ہوئے دانتوں کی سطح بلے گھر گھر میں دکان دکان میں ہر دفتر میں ہر چوک اور بازار میں کھانا کھاتے وقت سوتے وقت چلتے پھرتے سمے یہ بیچارہ نِدا ہر ایک کے دل کی نہ سے لگاتار آتی رہتی ہے "بزرگی۔ بزرگی۔ بزرگی۔ ہائے۔ عظمت! ہائے بڑائی آزادی"

اِس اندرونی آواز کو دبانے اور روکنے کی بیشمار کوششیں کی گئیں۔ لیکن اسکا زور دُونا ہی ہوتا گیا۔ گٹھیا کے پُرانے مرض کی طرح ایک جگہ سے نام کو مٹایا بھی گیا تو دوسری جگہ جھٹ پھُوٹ آیا ؛ کیا سچ کہا ہے۔

(۱) Truth crushed to Earth shall rise again
The eternal years of God are here

وُہی سدے جو معبدوں میں سر رگڑ رگڑ کر یہ کہتے ہُوئے سنائی دیتے تھے "مَیں داس۔ مَیں عاجز گنہگار پاپی۔ مَیں سب کا سیوک" وغیرہ۔ یہی پرمیشور کے ساتھ بنا بنا کر چکنی چپڑی اللہ فریب باتیں کرنے والے جب ذرا سُن پاتے ہیں۔ کہ فلاں شخص نے ہمیں کہہ دیا ہے۔ "پاپی! نالائق" ! تو جھٹ آگ بگولہ ہو جاتے ہیں ؛ تعجب ہے۔ وُہ شخص جو ہر روز پرمیشور کے حضور مقدس عبادتگاہ میں پُکار کر اقرار کر آیا ہے "مَیں عاجز۔ نالائق۔ گنہگار" وُہ اَب بازار میں آن کر اپنے ہی اظہار سے چڑتا کیوں ہے۔ ہائے! پرمیشور کی بارگاہ میں جھُوٹ بول آیا۔ گنگا جلی (گنگا جل) اُٹھا کر ہی نہیں گنگا جی میں سنان کرتے "وقت پاپی ہُوں" "پاپ اعمال والا ہُوں" "پاپ آتما ہُوں" وغیرہ کہتے ہُوئے کُفر کا طوفان بہا آیا ؛ کیا ایسا گندا جھُوٹ سزا دئیے بغیر ہی رہ جائیگا؟

یادوؤں نے ایک برہمن کے آگے جھُوٹ بولا تھا۔ سچ کو چھُپایا تھا اور کا اور کرکے دکھایا تھا۔ آدمی کو حاملہ عورت بتایا تھا۔ نتیجہ کیا ہُوا؟ بعد میں یادوؤں نے ہر چند کوشش کی کہ سزا سے رہائی پائیں۔ لیکن کیونکر؟ اِس سچ (برتن۔ باٹی) کو ریت میں رگڑتے رگڑتے مٹیا میل کرنا چاہا۔ اُس کو نیست و نابُود

(۱) سچائی پرچاہے کتنی دھُول ڈالی جائے۔ چاہے اُسے زمین میں خوب تو باز گاڑ دیا جائے۔ وہ پھُوٹے بغیر نہیں رہتی۔ ایشور کے سال تمام اُسی کی خدمت کے لئے ہوئے ہیں۔

کرنے کا پورا پورا ضبن کیا - لیکن

Truth crushed to earth shall rise again
The eternal years of God are hers.

सत्यमेव जयते नानृतम्

وہی رگڑا ہُوا سچ پھر اُگا - اُسی سچ نے یادوؤں کو تباہ کر دیا - نام مٹا دیا - دوارکا پر پانی پھر گیا - اُسی سچ نے (سوفار) بن کر خود کرشن کے پتر کے پدم سے آکر لڑائی اور البسا پاتو بر پڑا کہ کرشن کہاں رہا؟ اِس قدرتی صدائے آزادی کو جو متواتر حق کی جانب سے آرہی ہے ہزاروں بلکہ لاکھوں کتابیں - کروڑوں سجدہ گاہیں عاجزی اور انکسار کے رونے سے نہیں دبا سکتیں: یہ عُقدہ فطرت کا ببیال (sphinx) بیش کرنا کبھی نہیں بھولیگا: عاجزی - عاجزی کا نام لیکر جواب دینے سے اِنکار کرنے والا چاہِ پستی میں گریگا پیر غلط جواب بھی رونے اور دانت پیسنے کا موجب ہوگا۔

غلط جواب :- جو لوگ اہنکار (جسمانیت) کو لیکر بیرونی دباؤ سے آزاد یعنی بڑا بنا چاہتے ہیں وہ فطرت کی اندرونی صدا کا غلط جواب دیتے ہیں۔

بڑائی کے عام معنی کیا ہیں "ممتاز ہونا - اپنے ہمجنسوں میں فرد ہو نکلنا - ایسا رتبہ پانا کہ شریکوں کی تعداد بہت قلیل ہو جائے - جس قدر تعداد شریکوں اور رقیبوں کی کم ہوگی دُنیا میں اُسی قدر بزرگی اور عظمت زیادہ گنی جائیگی - پس دُنیا داروں کے ہاں بڑائی وہ ہے جو شریکوں کے احاطہ سے باہر نکالے - لاشریک بنائے ؛ بارِ تفکرات سے رہائی دے - غیر کے کھٹکے سے خلاصی دے - دُوسرے کے ڈر سے آزادی دے - غیریت کا بوجھ اُتار دے ؛

(۱) سہ (ستیاگی) کی ہمیشہ جیت ہوتی ہے اسرت (جھوٹ) کی نہیں۔

اس وہ اصحاب جو اِدھر تو جسم اور اہنکار (Self assertion - انانیت) سے محدود (پرچھین) ہو رہے ہیں وہ پھر اُدھر آزاد اور بڑا بننا چاہتے ہیں۔ ہمیشہ ناکامیاب رہیں گے۔ پچھتائیں گے۔

"میں عالی خاندان کا ہوں"۔ اِس بات پر نازاں تھوڑے دِنوں میں بھائی بندوں کو اپنے ایسا دیکھ کر پیچ وتاب کھاتا ہے۔ کیونکہ دیکھتا ہے کہ میں لاشریک نہیں۔ رقیب بہ کثرت موجود ہیں۔ سفنکس کا سوال (ہائے آزادی) پھر تیر کی طرح چبھتا ہے۔

ہم وِدیا حس کے عمل (برتاؤ) میں نہیں ہے۔ اِس قسم کا ایک بڑا بھاری پنڈت کسی اور فاضل اجل پنڈت کا نام سُن کر اگر علامہ پیدا کرنی شروع نہ کرےگا تو جی میں غرور ویسے ہی گھٹے گا جیسے پرائمری جماعت کا لڑکا اپنے سے ہشیار لڑکے کو دیکھ کر دکھ مانتا ہے۔ "میں تازہ ایم۔ اے ہوں" اِس گھمنڈ پر مست کا ایک آدھ مہینہ میں جب نشہ اُترتا ہے تو دیکھتا ہے کہ میرے جیسے بلکہ مجھ سے اچھے سینکڑوں پڑے ہیں۔ میں بزرگ نہیں لاشریک نہیں۔ (Greatness) کا سوال پھر آگ کی طرح جلاتا ہے۔

آج یونیورسٹی کا کونوکیشن کا جلسہ ہے۔ چانسلر صاحب زیبِ انجمن ہیں۔ سب فیلو لوگ کرسیوں پر رونق افروز ہیں۔ تماشائیں (spectators) چاروں طرف سے نئے گریجوئیٹوں کی طرف انگلیاں اُٹھا رہے ہیں۔ تازہ بالغ فنون جی میں بڑا خوش ہو رہا ہے کہ چودہ پندرہ برس کی محنت کا آج پھل ملیگا۔ خوشی سے رُخسارے پھول رہے ہیں۔ (gown) گاؤن پھڑکاتا سرٹفیکیٹ لینے کی خاطر اُٹھا ہے۔ چانسلر صاحب کے سامنے مؤدب اِستادہ ہے۔ اِس وقت چپ برتی کیسی اچھا گر دکھتو ہے ؛ اے گلستانِ اُمید کے نو نہال ! وائس چانسلر صاحب کی تقریر سُننے سے پیشتر رام کی رام

کہاں سے گوش ہوں مت موڑ پیارے! اِدھر تو گردن سے لیکر پاؤں تک کالا
سیاہ جامہ (جو ساری عمر میں ایک دن بھی تو کام نہیں آتا) پہن کر خنداں و
خورم ہو رہا ہے۔ اُدھر سفنکس تماشا دیکھ کر ہنس رہا ہے کہ "سولہ برس
گزار دئے۔ لیکن میرے سوال کا ٹھیک جواب نہ دے سکا" یہ گردن کا جھکنا۔
سرٹیفکیٹ کے لئے ہاتھ کا بڑھنا اور مؤدب سلام بول رہے ہیں کہ نوجوان ڈگری
حاصل کر رہا ہے بسند لے رہا ہے افتخار پا رہا ہے۔ طرفہ یہ ہے کہ ایک ہی
عمل اِدھر نوجوان میں فخر بھر رہا ہے۔ اُدھر ڈگری عطا فرمانے والوں (فیلوان
یونیورسٹی) سے اُس کے کمتر اور کہتر ہونے کو صاف جتلا رہا ہے۔ اِس وقت گریجویٹ
کے زعم میں جو ترقیٔ منزل ہے۔ وُہی اُس کے ادنےٰ اور چھوٹے ہونے پر دال
ہے: ڈگری لینا نہ تو عزت بیسیوں شریک (فیلو گریجویٹ) ساتھ دِکھلا رہا ہے۔
بلکہ سینکڑوں بہت بڑے بڑوں (فیلو صاحبان) کے بھی ایک ساتھ درشن کرا
رہا ہے۔ پس بی۔اے کی بڑائی (یعنی لاشریک ہونا) جو معنی: ٹھیک اِس طرح
دُنیادار جس بات میں کبھی عزت سمجھتا ہے اور فخر و ناز کرتا ہے دُوسرے پہلو سے
وُہ بات ہمیشہ اُسکی کسرِ شان پر دلالت کرتی ہے۔ دُنیا کا جیتو رہ کر لاشریک
(بزرگ اور آزاد) ہونا کیسی صورت سے ممکن نہیں۔ یہ کیا یہ فطرتی آرزو
(آزادی اور بزرگی) انسان کے اندر مسخرا پن کی خاطر ہے۔ صرف مخول بازی
ہے۔ اور پُوری ہونے کے لئے نہیں ہے؟ ایسا کیوں ہوگا۔ یہ قدرتی دُھن (آزاد
اور بزرگ ہونے کی) یہ دُھن جو رات دن پیچھے لگی رہتی ہے پُوری کیوں نہ ہو
گی؟ ضرور پُوری ہوگی؟ لیکن یہ جنبیتِ محدود جتو انسان کے اندر کی یہ آگ
ہرگز ہرگز نہیں بجھ سکتی۔

"میں سلجھ اُوں" اِس خیال میں مغرور جلدی ہی دیکھتا ہے کہ مجھ سے

زیادہ متمول لوگ موجود ہیں۔ ہائے اُن حسیا کب ہُونگا۔ مَیں لاشریک نہیں بڑا نہیں۔ پھر سِفنکس کا سوال آ ستاتا ہے :: بڑھتے بڑھتے فرض کرلو کہ دُنیا میں اِنگلنڈ کا راج مِل گیا۔ پھر رُوس اور فرانس وغیرہ شریک سینہ میں کھٹکتے رہیں گے۔ یوروپ کا خدشہ لگا رہے گا وغیرہ :: رعایا کی نگاہ میں بڑے بن گئے۔ ماتحت راجاؤں کے قبلہ و کعبہ ہو گئے۔ لیکن گیان کے بغیر نگاہ سیر نہ ہوگی اور نہ ہوگی :: واقعی بزرگی اور آزادی کوسوں دُور رہے گی : ہزاروں بادشاہ جہان میں ہو گزرے ہیں کیا سب کے سب آنند تھے ؟ نہیں۔ جتنی جتنی کسی میں گیان کی جھلک تھی اُتنا اُتنا وہ آنند تھا :

الغرض قوم درجہ اور رنگ (Caste, Colour and Creed) کی بڑائی فی الواقع چھوٹائی ہے "مَیں اعلیٰ قوم کا ہُوں اِس واسطے بڑا ہُوں" رام کہتا ہے۔ "پیارے اگر تم قوم کے سب سے اعلیٰ (لاشریک) بنا چاہتے ہو تو تم نہایت حقیر ہو۔ کیونکہ اِس قوم کے ہزاروں آدمی تم جیسے اور موجود ہیں۔ کسی خاص قوم والا ہونا تو نہایت بزرگ (لاشریک۔ آزاد) ہونے میں مانع ہے۔ یہ بیجا فخر میٹھی گاجروں کی طرح تمہیں ایک دِن دردِ شکم لائیگا :

بڑے بڑے شہروں میں جب دُسہرہ کا میلہ ہوتا ہے تو راون والے میدان کے گرداگرد عموماً لوہے کا کانٹے دار تار لگا دیتے ہیں تاکہ بغیر ٹکٹ کے لوگ میدان کے اندر آنے نہ پائیں :: اُس وقت تار کے چکر کے باہر اہل ہنود کا بھاری ہجوم ہوتا ہے۔ چھوٹے سے چھوٹا چھلتا ہے :: تماش بین لوگ تار کے گرد گرد پھرتے چلے جاتے ہیں۔ پیچھے سے دھکّے پر دھکّے مِلتے ہیں۔ آگے بھیڑ کے باعث پیر ٹکانے کو جگہ نہیں مِلتی۔ اِس طرح بس بپائو میں جکڑے ہوئے چکر میں گھومنے والا اگر مقامِ لا سے مقامِ ع تک چلا جائے تو ملیٹنگ

لا

1
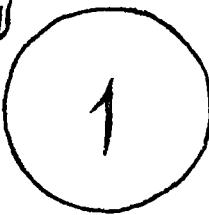
دُنیا کی نگاہ سے بہت ترقی کرنا ہے لیکن اُس کی جان سے پوچھو کہ آیا مقام لا کی نسبت مقام ۶ پر دھکّم دھکّا سے کچھ کم کُھلا جا رہا ہے کہ ویسا ہی۔ پیارے خواہ ۶ پر پہنچ جاؤ خواہ ی پر۔ خواہ پھر لا پر آجاؤ جبتک چکّر میں رہو گے آگے پیچھے کے دباؤ سے آزادی بالکل ناممکن ہے: ہاں ٹکٹ خریدنے پر میدان کے اندر آ مرکز کو جا سکتے ہیں۔ وہاں کوئی دھکّم دھکّا نہیں ہے:

دُنیا میں مقام ی والے (یعنی اعلےٰ رتبہ صاحبِ اقبال) کا دِل ویسا ہی ڈانواں ڈول مذبذب اور دھکّے کھانے والا ہوتا ہے جیسے مقام لا (یعنی ادنےٰ ترین مرتبہ) والے کا: اے درد و دُکھ میں نالاں اہلِ زمانہ! اگر تم اپنے سے دُنیوی درجوں میں بڑے لوگوں کو دیکھ کر حسد و رشک کر رہے ہو۔ تو باز آؤ۔ باز آؤ۔ درگزرو اِس خیال سے: کیونکہ وُہ لوگ جو ظاہر بیں تم سے زیادہ ذی اقبال ہیں اپنی بیرونی عزّت و دولت کی بدولت تم سے ذرا ذرّہ بھی زیادہ سکھی اور خوش نہیں ہیں۔ البتہ اگر اُن میں گیان کا ظہور زیادہ ہے تو وُہ زیادہ آنند ہونگے۔ اور اگر آپ کے اندر گیان زیادہ عمل میں آیا ہُوا ہے تو آپ زیادہ خوش ہونگے: دُنیا کا مال و جاہ حصولِ آنند میں کوئی جزو (factor) نہیں ہے وُہ لوگ جو اپنے آپ کو جسم یا جسمانی مان کو اپنے تئیں بُزرگ و عظیم بنانا چاہتے ہیں اور اپنے گرد معقولہ و غیر معقولہ مصنوعات کے ڈھیر لگا کر بڑا بننے کی اُمید رکھتے ہیں شروع ہی میں غلطی کر آئے ہیں۔ صفر (۰) کو خواہ کہاں تک ضرب بڑے دیں وُہ صفر ہی رہے گا۔ اِس طریق پر عقدہ حل ہونے کا نہیں۔ عبث وقت کھوئے رہے۔

ہیں۔ آدم یا داؤد سلیمان سے یوسف نہیں ملیگا۔ شانتی نہیں برآمد ہوگی۔ جسمانیت میں پھنسے ہوئے شدّاد نے چاہا کہ نعیم (باغِ ارم) بنا کر خدا کی طرح (جو مجھ سے جدا ہے) عیش منگاؤنگا۔ السبپ کی کہانی کے کتّے والی مثل اُس پر صادق آئی جو مُنہ میں مانس کا ٹکڑا لئے ندی میں سے گزر رہا تھا۔ اپنے سائے کو اپنے سے جدا مان اُس سائے کے مُنہ والے مانس کو چھیننے کے لئے پانی میں گھستا۔ اور اسی کشمکش کی بدولت ندی میں بہ گیا۔

فٹ بال کا گیند اگر مقررہ جھنڈیوں (گول) سے پرے کی زمین میں بھی چلا جائے لیکن جھنڈیوں کے بیچ سے گزر کر نہ جائے تو لاحاصل ہے۔ گیند کو جھنڈیوں سے پرلی طرف واپس لانا ہوگا اور پھر باقاعدہ جھنڈیوں کے بیچ میں سے گزارنا ہوگا۔ ورنہ کچھ سُدھرے گا نہیں۔ اے شدّاد کی طرح egotistical (اہنکار) کو بڑا ماننے والو! تم ناجائز طور پر جھنڈیوں کی پرلی زمین پر جا رہے ہو۔ واپس ہٹو۔ ہٹو واپس۔ پیچھے کو مُنہ موڑو۔ حقیقی اپنے آپ کو (آتما کو) ساکشات کار کرو۔ اور تم وُہی خدا ہو۔ جس کی نقل اُڑانے کی کوشش شدّاد نے کی تھی۔

زر میں۔ زمین میں۔ اولاد میں۔ عزت میں اور سینکڑوں اشیائے دُنیا میں عظمت ڈھونڈھنے والو! تمہارے سینکڑوں جواب سب کے سب غلط ہیں۔ ایک ہی درست جواب جب ملیگا جب اہنکار کو چھوڑ۔ خیالِ جسم و جسمانیت کو لغی کر اور دوئیت (غیر بینی) کو تیاگ کر حقیقی شان و تجلّی کو سمبھالو گے۔ اِس طرح اَور صرف اِس طرح غم کا نام نہیں رہنے پاتا۔ شرک کا نشان نہیں باقی رہتا: آزادِ مُطلق۔ آزادِ مُطلق۔ وحدہٗ لاشریک۔ وحدہٗ

لاشریک :

دَرد دُکھ کیا ہے ؟ اَشیاء کو محدُود نگاہ سے دیکھنا : اہنکار کے پہلو سے اَشیاء کو مشاہدہ کرنا۔ فقط اپنی ہی مُصیبت دُنیا میں ہے اور کوئی نہیں۔ اہلِ دُنیا! یقین کرو کہ رنج و غم فقط تمہارا ہی بنایا ہُوا ہے۔ ورنہ دراصل کوئی آفت عالَم میں نہیں ؛

Ludicrous Glass (عدہ اَور) شیشے میں سے جب بچّے خوبصُورت سے خوبصُورت آدمی کو دیکھتے ہیں تو کیسا بھیانک اَور ڈراؤنا رُوپ نظر آتا ہے۔ ٹھیک اِس طور پر حالانکہ "ایشور سرِشٹی" میں کوئی بھی امر زبُوں بُرا یا مہیب نہیں ہے۔ وہم اَور اودیا کا "عدہ اَور عینک" آنکھوں پر لگانے والے خوفناک "جیو سرِشٹی" سے بچّوں کی مانند ہراساں اور لرزاں پڑے ہوئے ہیں ؛

ساز سارنگی بجانے والے کی اُنگلی کبھی خطا نہیں کرتی۔ اوّل درجہ کا اُستاد ہے۔ غضب کی harmony (موافق سُرین) اُن اُنگلیوں سے نِکل رہی ہیں۔ اگر تم کو discords (کرخت آواز) سُنائی دے رہا ہے تو صرف یہی سبب ہے کہ تمہاری سارنگی کے تار ڈھیلے ہوں گے سارنگی کے کان (کھونٹی) مروڑو۔ تاریں کس لو۔ نغمۂ شیریں تو پہلے ہی سے ہو رہا ہے۔ تمہارا کبھی کچھ بگاڑ ہو ہی نہیں سکتا۔ دُکھ درد کیوں ؟

ے گُلستاں گیتی ندارد غیرِ گُل ⁺ وہم خود گلزار خار این ست ولس

ے نہ کچھ سرِی چلی بادِ صبا کی
بگڑنے میں بھی زلف اُس کی بنا کی

ایک نوجوان پر دیوتا پھُولوں کی برشا کر رہے تھے اِندر اُسے بَردان

لہ دنیا کا باغ سوائے پھُول کے اور کچھ نہیں رکھتا۔ اپنے وہم کو دُور کر کیونکہ یہ وہم ہی کانٹا ہے اور کچھ نہیں۔

دے رہا تھا ؛ یکا یک اتنی دُھند سی چھا گئی کہ نوجوان کی نظروں سے دیوتا غائب ہو گئے - کیا دیکھتا ہے کہ ایک آدمی دائیں سے اُس کی چٹکی لے رہا ہے ایک بائیں سے اُس کا بازو مروڑ رہا ہے - ایک سامنے سے اُسے سُرخ آنکھیں دکھا رہا ہے - ایک پیچھے سے دھکیل رہا ہے ؛ جب یہ خواب سا دُور ہُوا تو آنکھیں کھل گئیں - کوئی کہر تھی نہ تاریکی - نہ کوئی دائیں بائیں سے چھیڑ خانی ہی تھی ۔ وہی پھول برس رہے تھے اور اِندر کے سامنے برنزدن کی طرح اپنے تئیں بر لیتے ہُوئے موجود پایا ؛

اے رِھتا اور فکر میں مُستغرق صاحبان! ایشور سرشٹی میں تو آپ پر پھول ہی برس رہے ہیں - اِندر بر ہی دے رہا ہے - لیکن اپنے توہمات کے بادلوں میں آپ گُونا گُوں مصائب پڑے سہتے ہو - اپنے تفکرات (رِھتا) شوک کے خواب میں کچھ کا کچھ ٹرے رہتے ہو ؛

اِس جیو سرشٹی کے موقوف کرتے ہی دیکھو گے کہ زمانہ کبھی بھی تمہارے مخالف نہیں ہُوا - فلک ہرگز ناہنجار یا ستمگر نہیں - دورِ چرخِ چنبری تمہیں حقیقی آزادی دلانے کے درپئے ہے ؛

تمہارے آتم گیان سے ہی تفکرات و توہمات کی جیو سرشٹی کا خواب دُور ہوتا ہے ؛ جیسے انگریزی راج کی بدولت قوم کا چمار جب اِمتحانِ مقابلہ پاس کرکے تحصیلدار ہو جاتا ہے تو وُہ اپنے چمارپن کا کبھی نام بھی نہیں لیتا - چمڑے کے کام کو یاد بھی نہیں کرتا - اِسی طرح برہم گیان کی بدولت حقیقی خُدائی پاتے ہی چمڑے گانٹھنے کا فکر و غم لاحاصل - اندیشے اور فیتنا یا اناتم چنتن کی جیو سرشٹی ایک دم کافور ہو جاتے ہیں ؛

اے مُلک ہندوستان کے دیش والو! اے مہرشی کمارو!

دراں حالیکہ وہ سمجھدار جو تمہارے خیال میں پنہنا پُشت سے چار حلا آتا ہے چمڑا گانٹھنے (شودرپن) کے کام کو خواب میں بھی نہیں کرتا۔ تم تو انادی کال سے ست کرُوپ چلے آتے ہو۔ سدا سے مُدا ہو۔

अजो नित्य शाश्वतोऽयं पुराणः　　۵۱

تم کو کیا ضرورت پڑی ہے واہیات جیو سرشٹی ماننے کی ؟

اناتم چنتن۔ جھگڑے کا فکر و اندیشہ۔ اور رنج و غم چھوڑو۔ جیو سرشٹی کیوں مانتے ہو جب کہ التور سرشٹی تمہاری ہی ہے۔ صرف گیان کے پرکاش کی دیر ہے۔ رنج و غم دکھ درد۔ پیڑ۔ بلا پاس نہیں پھڑک سکینگے۔ چیلنج بھیجتا ہے رام شوک بجھے کام لوبھ وغیرہ کو۔ کبھی مُنہ تو دکھا جائیں ؟

۵۲　آزادہ ام آزادہ ام از رنج دُور افتادہ ام
از عشوۂ زالِ جہاں آزادہ ام بالاستم

۵۳ زالِ جہاں سُنو سخن عشوۂ نازکی مکُن
دل جو نیست مبتلا۔ تن ملا۔ نلا تلا

لیکن چیلنج و ٹلنج کیسا ؟ شریک ہے ہی نہیں۔ غیر ہُوا ہی نہیں۔ چیلنج کس کو ؟

---

(۱) یہ آتما غیر جسم ہے۔ دائمی۔ سناتن اور پُورانا ہے۔

(۲) میں آزاد ہوں۔ میں آزاد ہوں۔ رنج و غم سے دُور پڑا ہوں۔ جہان رُوپی بڑھیا کے ناز و نخرے سے آزاد اور بر طرف ہُوں۔

(۳) اے جہان رُوپی بڑھیا میری بات سُن۔ یہ ناز نخرے مت کر۔ میرا دل تیرے ساتھ پھنسا نہیں۔ ن ملا "لا" تلا۔ یعنی تو اور تیری سازنگی کے سُر میں مست ہوں۔

۵۱ اگر غم لشکر انگیزد کہ خونِ عارفاں ریزد
شعاعِ ذات اندازیم و بنیادش براندازیم

۵۲ स्वप्नान्तं जागरितान्तं चोभौ येनानुपश्यति ।
महान्तं विभुमात्मानं मत्वा धीरो न शोचति ॥ کٹھ اُپنشد

ترجمہ:- جس کے نور میں عالمِ خواب اور عالمِ بیداری نظر آتے ہیں۔ اُس حقیقی اپنے آپ کو جو کُل سے محیط اور کبریا ہے جانتے ہی عارف کے فکر و غم اُڑ جاتے ہیں۔

य इमं मध्वदं वेद आत्मानं जीवमन्तिकात् ।
ईशानं भूतभव्यस्य न ततो विजुगुप्सते ॥
एतद्वैतत् ॥ کٹھ اُپنشد

ترجمہ:- "اس شہد چش۔ نزدیک سے نزدیک اپنے آپ۔ اور ماضی و مستقبل کے مالک آتما کو جانتے ہی عارف کبھی سُکڑتا نہیں (پناہ کی تلاش نہیں کرتا۔ حیران نہیں ہوتا) یقیناً یہ وُہی ہے"۔

यदेवेह तदमुत्र यदमुत्र तदन्विह ।
मृत्योः स मृत्युमाप्नोति य इह नानेव पश्यति ॥ کٹھ

"جو یہاں ہے یقیناً یہی وہاں ہے۔ پھر جو وہاں ہے وُہی یہاں ہے اِس مقام پر گویا اختلاف دیکھنے والا موت سے موت میں جاتا ہے"۔

ایک ہاتھ میں لذیذ مٹھائی اور دُوسرے میں اشرفی بچّے کو دکھا کر کہا جائے کہ اِن دونوں میں سے کون سی ایک چیز تمہیں منظور ہے۔

(۱) اگر غم عارفوں کے خون بہانے کے لئے لشکر ڈالے۔ تو ہم اپنی ذات کا نور اُس پر ڈالیں گے اور اس سے اُسکو جڑ سے اُکھاڑ دیں گے۔

تو نادان بچہ مٹھائی کو پسند کریگا جو اُسی دم مزا دے جاتی ہے - وہ نہیں جانتا کہ اشرفی سے کس قدر مٹھائی مل سکتی ہے ؛ یہی حال اُن دُنیاداروں کا ہے جو اشرف بنانے والی سچی آزادی کی اشرفی کو چھوڑ کر جگنو کی چمک والی ناپائیدار لذات کی مٹھائی قبول کر رہے ہیں :

گوال بن کو چھوڑ کر لئے ہدایتی جی (راج گدی) کو سنبھالنے کے لئے کرشن بھگوان کا کنس کو مارنا از بس لازمی تھا ؛ لیکن کنس جب مریگا جب کبجا سیدھی ہو لے گی - ہاں سُوپاری چندن عطر عبیر وغیرہ لئے کنس کی سوا کو کبجا جا رہی ہے - رستے میں مہاراج سے بھینٹ ہو گئی - بانکے کے ساتھ کبجا کی بول حال بھی نہایت ٹیڑھی تھی . ایک ٹھمکا جڑنے سے کُبڑی کی پشت کوز رست ہو گئی (کبڑی کو لات کاری آگئی) نام تو کبجا ہی رہا لیکن سیدھی ہو کر اپنے محسن کے چرنوں پر گر پڑی اس کنس سے تعلق کیسا ؟ - پان سُوپاری چندن عطر عبیر سے بھگوان کا پوجن کیا اور انہیں کی ہو رہی ؛ سیدھی کبجا کو ہمدم و ہمسار بنانے ہی کرشن بھگوان کی کنس پر فتح ہے اور سوراجیہ (ورثہ) قابل ہی محسوسات کے بن جنگل کو چھوڑ کر سلطنت حقیقی (سوراجیہ) کو سنبھالنے کے لئے اہنکار (انانیت) رُوپی کنس کو مارنا پڑ ضرور ہے - ورنہ طرح طرح کی اذیتیں اور گوناگون ظلم و ستم متانت اہنکار (کنس) کہیں چین سے دم نہ لینے دیگے اہنکار (کنس) جب مریگا جب کبجا سیدھی ہو کر کرشن (آتما) کی ہمراز ہو جائیگی ؛ کبجا کیا ہے ؟ شردھا (ایمن) ، عوام الناس کے ہاں الٹی (کبڑی) شردھا اہنکار کی سوا میں دن رات لگی رہتی ہے ؛ "مکان میرا ہے" اِس رُوپ میں - "مال و زر میرا ہے" اِس صورت میں - "زن و فرزند میرے ہیں" اِس شکل میں - "جسم و عقل میرے ہیں" اِس رنگ میں - اِس قسم کے لباسوں میں اثر کرنے والی شردھا -

کنجا (الٹا لقین)، ہر وقت اہنکار (حسمانیت) کو علا اور تقویت دیتی رہتی ہے۔ جب تک یہ رمن دور نگاہ والی شردھا بسدھی ہو کر آتما (کرشن) کے ہم پہلو اور ہمکنار نہ ہو لے گی۔ نہ تو کنس (اہنکار) مرے گا۔ اور نہ سوراجیہ ملے گا۔ مارو رور کی لات (سراگ) اس کنجا کو۔ جڑو سنک رُوپی مکا اس اُلٹے لقین کو ا (الف) کی طرح سیدھی کر دو۔ اس کبڑی شردھا کی کمر:

ع فدِ الف سدا کنم جوں راست لیتبِ نوں کنم

اے اصلی سُروپ (ذاتِ مطلق) میں حق الیقین پیدا کرو: جسم و جسمانیت کسے؟ تم تو خاص خدا ہو۔

(۱) گفتم سنہا چندیں عنا داری و من در فاقہ ام
گفتا سا۔ بگذر ز خود تا من ترا قاروں کنم

تم تو راام ہو۔ تم میں کچھ اور ہے ہی نہیں۔ میرا تیرا وغیرہ تعلقات کے کیا معنی؟ شنوو ہم۔ شنوو ہم۔ شنوو ہم۔ شنوو ہم۔ شنوو ہم۔ اس طرح راست لیتبِ کنجا (بیمارغم شردھا) کو ہمدم و ہم جان بنانے ہی کنس و بس کہاں رہ جائیں گے۔ سُوراجیہ کے فی الفور حاصل ہونے میں کیا شک ہے؟ یہ سردھا جب تک اہنکار (کنس) کی خدمت میں ہے۔ کوزلیست ہے لعنی مغالطہ اور وہم ہے: جہاں آتما (کرشن) کی سیوا میں آئی۔ الف وار راست ہے۔ سرمایۂ خوبی ہے۔ ملا کی حسن (سُندری) ہے؟ اُس کو سدا ہم شغل رکھنے والا (آتم احساس کرنے والا) آزاد ہے۔ اور صرف وہی آزاد ہے اور کوئی نہیں۔ اور کوئی نہیں: اس پوتر سردھا۔ (حق الیقین) کے رفیق ہوتے ہی اندریوں (حواس) کے ہاؤ بھاؤ (کشاکش) بند

(۱) مَیں نے بادشاہ سے کہا کہ آپ اتنے امیر ہیں اور میں بہت بھوکوں مرتا ہوں۔ اس نے جواب دیا کہ آ۔ اپنی خودی سے در گزر تاکہ مَیں تجھکو قاروں سا دوں:

ہو جاتے ہیں۔ رشتے ناتے دور رہ جاتے ہیں۔ خواہشوں سے مفارقت ؎

× چہ ناداں بود آں مجنوں کہ عاشق گشت بر لیلیٰ
چو لیلیٰ رفت از دستش پریشاں ماند در جنگل
عجب من شمس تبریزم کہ عاشق گشتہ ام بر خود
چو خود در خود نظر کردم ندیدم جز خدا در خود

سدھی کتھا کا جادو منتر (سحر) فقط رہ ہی ہے اور یہ منتر ایسا کارگر ہوتا ہے کہ گوال بن (جسمانیت) جسامت کے تعلقات اور رشتے ایکدم توڑ دیتا ہے۔ گوپیاں (آرزوئیں) مانو کبھی تھیں ہی نہیں۔ بن جنگل سے کبھی واسطہ ہی نہ تھا۔ سدا سے راج ہی کرتے چلے آئے ہیں مہاراج۔ گوال بن ایک خواب سا تھا گزر گیا۔ صحرا وردی ایک بلا سی تھی۔ بند ہوئی۔ رشتے ہوگ شکایت ہی کرتے رہ جائیں گے۔

یونانی کیا کہوں میں سام کرو یار کی
ہم سے خاموشی کریں لکھا ہے باتیں یار کی

अहं वृक्षस्य रेरिवा । कीर्तिः पृष्ठं गिरेरिव ।
ऊर्ध्व पवित्रो वाजिनीवस्वमृतमस्मि । (منتر)
द्रविणं सवर्चसम् । सुमेधा अमृतोक्षितः ॥

ترجمہ :- اسسار رونی، شجر کا ہلانے والا میں ہوں۔ میری شہرت پہاڑ

؎ وہ مجنوں کیسا نادان نکلا جو لیلیٰ کا عاشق ہوا۔ اور جب لیلیٰ اس کے ہاتھ سے جاتی رہی تو جنگل میں پریشان ہو کر بھٹک گیا۔ لیکن مجھ شمس تبریز کی عجیب حالت ہے کہ میں اپنے پر خود عاشق ہوں۔ جب اپنے اندر آپ نظر کی۔ تو سوائے خدا کے میں نے کچھ نہ پایا

کی چوٹی کی مثال۔ میری اصل بیر (پاک) ہے۔ میرا ہی امرت۔ جلال آفتاب میں ہے۔ بس ہر سان دولت ہوں عقلِ کل زندہ جاوید اور لازوال میں ہوں ؛

اعتراض :۔ ایسے ہی بچار کا نام آتم چنتن اور برہم ابھیاس ہو تو اسے امانیت اور خودستائی خودغرضی کہنا زیادہ موزوں ہو گا ۔ وہ آچاریہ بھی اچھے تھے جنہوں نے اِس امر کو برہم یگیہ کا مرتبہ دیا

جواب :۔ یہ اعتراض صرف وُہی عقلمند کریں گے جو اپنے آپ کو بھی نہیں جانتے ؛ بدذات کی خود ستائی دُنیا کی خود غرضی اور انانیت سے اُتنی ہی بعید ہے۔ جس قدر کہ موجب بیذات خود (آتما) جسم و عقل وغیرہ سے پرے ہے۔ میرا حقیقی اپنا آپ وُہ نہیں ہے جو تمہارے اپنے آپ سے جُدا ہے بلکہ میرا حقیقی اپنا آپ وُہ ہے جو اُس سے جُدا ہے۔ جس کو عام لوگ "میرا اپنا آپ" کہتے ہیں ؛

جس کو اُوپر سیفنکس (ببتال) کا خطاب عطا فرمایا گیا ہے۔ یہ ایک قانونِ قدرت ہے۔ یہ قانونِ قدرت سب قوانین کی قید سے آزادی کی راہ دکھلاتا ہے ؛ یہ اَن مٹل قانونِ قدرت سایہ کی طرح ہر دم ساتھ رہتا ہے۔ اور جیسے بچے اپنے ہی سایہ سے ڈرتے اور بھاگتے ہیں اِسی طرح برہم ودیا سے عاری اصحاب اس بیتال کی بدولت طرح طرح کی تگ و تاز اور آوارہ گردی کرتے ہیں۔ گیان وان مہاتما جانتا ہے۔ کہ یہ قانونِ قدرت میرے ہی سروپ کی آزادی جتلاتا ہے ؛

آزادِ مُطلق کی حالت

راگنی مدھنس۔ تال دھمار

آزادہ[۵۱] ام آزادہ ام از رنج دُور اُفتادہ ام
از عِشوۂ زالِ جہاں آزادہ ام بالاتم
تنہا[۵۲] ستم تنہاستم چہ بوالعجب تنہاستم
جُز من نباشد ہیچ شئے۔ یکتاستم تنہاستم
چُون[۵۳] کار مردم میکنند از دست و پا حرکت کُنند
بیکار ماندم۔ جائے حرکت ہم منم ہر جاتم
از[۵۴] خود جدا بیرُوں جہم۔ گو مَن کُجا حرکت کُنم
از بہرچہ کارے کُنم مَن رُوحِ مطلباستم

(۱) میں آزاد ہُوں۔ مَیں آزاد ہُوں اور رنج و غم سے دُور ہُوں۔ جہاں رُوپی بُڑھیا کے نخرے و نخرے سے آزاد اور برطرف ہُوں۔

(۲) مَیں اکیلا ہوں، مَیں اکیلا ہُوں!! کیسے تعجب کی بات ہے کہ مَیں اکیلا ہُوں۔ میرے سوا کسی چیز کی ہستی نہیں ہے۔ مَیں یکتا اور واحدِ مُطلق ہُوں۔ یعنی مَیں وہ یکتا وحدہٗ لاشریک ذاتِ مُطلق ہُوں کہ میرے سوا کسی چیز کی حقیقی ہستی ہی نہیں ہے۔

(۳) جب تمام آدمی کام کرتے ہیں۔ اور ہاتھ پاؤں کو حرکت دیتے ہیں۔ تو مَیں بیکار رہا ہُوں۔ کیونکہ منبعِ حرکت مَیں ہُوں۔ یعنی تمام عالم میرے ہی سے متحرک ہے اور مَیں ہی سب کا منبعِ حرکت ہُوں۔

(۴) مَیں اپنے سے باہر کہاں جاؤں۔ اور بتلاؤ کہ مَیں کہاں حرکت کروں اور کس لئے کوئی کام کروں۔ کیونکہ تمام مطلب اور مقصدوں کی جان مَیں ہی ہُوں ؂

۵۱ چه مُفلسم چه مُفلسم با خود نبمدارم ہوئے
انجم۔جواہر۔مہر۔زر۔جُملہ منم بکتا ستم

۵۲ دیوانہ ام دیوانہ ام با عقل و ہُش بیگانہ ام
بیہودہ عالم می کنم ایں کردم و من خاستم

۵۳ نمرود شد مردود چوں؟ بودش نگہ محدود چوں
مارا تکبّر کے سزد چوں کبریا ہر جا ستم

۵۴ طالب مکن توہینِ من در خانہ ات رام ست ہین
رُو تافتی از من چرا؟ در قلبِ تو پیدا ستم

(۱) میں کیا مُفلس ہوں۔ میں کیا مُفلس ہوں!! کہ اپنے ساتھ ایک جَو بھی نہیں رکھتا ہوں۔ مگر ستارے جواہرات اور زر (سونا) اور آفتاب خود میں ہوں اور یکتا ہوں

(۲) میں ایسا پاگل اور بےخود ہوں کہ عقل و ہوش سے واسطہ نہیں رکھتا۔ بےفائدہ میں اِس جہان کو پیدا کرتا ہوں اور پیدا کرتے ہی اِس سے علیحدہ ہو جاتا ہوں

(۳) نمرُود کیوں ذلیل ہُوا؟ اِس لئے کہ اُس کی نگاہ محدُود تھی۔ ہمیں ایسا تکبّر کب زیب دیتا ہے۔ کیونکہ میں کبریا (مولا) کی طرح ہر جگہ سمایا ہُوا ہوں۔ بھلا مجھے تکبّر کیوں ہو۔ جبکہ ہر جگہ میں ہی سب سے بڑا ہوں

(۴) اے طالب! میری توہین (بےعزّتی) نہ کر۔ دیکھ تیرے گھر میں رام سمایا ہُوا ہے تُونے مجھ سے مُنہ کیوں پھیر لیا؟ میں تو تیرے قلب میں ظاہر ہوں۔ یعنی دِل کے اندر بیٹھا ہُوا ہوں ؂

رام میدانوں میں

ایک جگہ سے شکایت بھرا خط آیا کہ رام نے بسار کیوں دیا ہے۔ اُس کا جواب :۔

ہے من آں طاقت کجا دارم کہ پیماں را نگاہ دارم
بیا اے ساقی و بشکن بیک پیمانہ پیمانم

کوئی کارڈ لفافہ پاس نہ تھا اور نہ کوئی پیسہ ٹکسہ ہی تھے تھا۔

ہے درم و دام لائے پاس کہاں :: چیل کے گھونسلے میں ماس کہاں

اِس وقت اتفاق سے ایک کتاب میں سے دو ٹکٹ مل گئے۔ اور اُدھر آپ کا جواب طلب ضروری خط موصول ہُوا۔ جواب لکھا گیا ہے :: اِسی طور پر دیگر کاروبار ٹلے ہوتے ہیں

آج لیمپ میں تیل نہیں۔ اور تیل منگانے کو دام بھی نہیں۔ پر ایسی باتوں سے یہ نتیجہ نہ نکال لینا کہ ہائے ہائے رام تنگ دست اور دُکھیا ہے ::

توانگروں کو مُبارک ہو شمع کافوری
قدم سے یار کے روشن غریب خانہ ہُوا :

پرکرتی رام کی ہزار جاں سے خادم ہے۔ ہر لحظہ خدمت کرنے کی دُھن میں رہتی ہے۔ آج لیمپ اِس لئے نہیں جلایا کہ مُبادا رام تیمر کو جانے سے رُک جائے۔ دِن بھر پڑھتا رہا۔ اب پھر پڑھنے لکھنے لگ گیا تو صحت میں خلل

(۱) مجھ میں اتنی طاقت کہاں جو اپنے عہد پر قائم رہُوں۔ اے ساقی (مُرشد) آ۔ اور ایک پیالہ (شراب معرفت) پلا کر میرے عہد کو توڑ دے۔ یعنی گیان کی مستی کے آنے پر دُنیا سے دل بستگی جاتی رہیگی ::

آ جائے گا ؛

ع عشق کے بیمار کو اللہ شفا کرے

آج رات دریا پر چاندنی کا لطف دکھانا چاہتی ہے ،

رام بڑے درجہ کی امیری اور بادشاہی کرتا ہے۔ جب ملفات سامنے آتے ہیں جھٹ پٹ اُن کو مُکت (رہا) کر دیتا ہے۔ اور پھر اِس چین اور بیکری سے کاٹتا ہے کہ سلاطین کے جاہ و جلال کو جائے حندہ ' (ridiculous) ما دیتا ہے :

بھلا بھلا ۔ جانیاں !	موجان لُٹیا گبانیاں
خوشی رہنا کار ہے	سوگ سوگیاں دوار ہر

پہلے تو بڑی فکر کے ساتھ ضروریات کو پورا کرنے کی کوشش ہوا کرتی تھی۔ اب ضرورات بیچاری خود بخود پوری ہو کر سامنے آ جائیں تو اُن پر آنکھ پڑ جاتی ہے ورنہ اُن کے نفیف میں رام کی توجہ کہاں ؟ وہ ضرورتیں جو ابھی پوری نہیں ہوئیں (اُدھوری ہیں) اُن سے پورے رام کو کیا واسطہ ؟

عیش بدلے محفلِ احباب میں بیٹھے تھے ہم

وہ سمجھتے تھے یہ کوئی اوبرا سا اور ہے

یہ تعلیم طلباء کو کیوں نہیں دی جاتی کہ جب کسی حاجت کو رفع کرنے کے سامان موجود نہ ہوں تو وہ حاجت ہی محسوس ہونے نہ پائے ؛ خوب یاد رکھو کہ سامانوں کی عدم موجودگی میں جو حاجت محسوس ہوتی ہے محض کاذب ہوتی ہے :

جج صاحب جب کچہری میں رونق افروز ہوتے ہیں تو اُن کو کمرے کے جھاڑنے بہارنے یا میز کرسی سجانے۔ دوات قلم کو لانے اور مقدمہ بازوں کو

اُڑانے کا کچھ خیال نہیں ہونا چاہیئے۔ اُن کو تو صرف عدل و انصاف کے لئے اپنے دل اور دماغ کو شانت اور بشاش رکھنا ہی کام ہے: دیگر دھندے جج صاحب کی تکلیف اُٹھائے بغیر خود بخود بنتے جائیں گے۔ مقدمہ باز اپنے آپ ہی مقررہ تاریخ پر حاضر ہو جائیں گے۔ وکیل صاحبان بھی خود بخود تشریف فرما ہو جاویں گے۔ میز کرسی دوات قلم بھی چپراسی لوگ وقت پر اپنے آپ تیار کر رکھیں گے ؛

اے طالبان حقیقت! رام تم کو یقین دلاتا ہے۔ کہ اگر تم رُوحانی محنت میں رات دن مصروف رہو گے تو تمہاری جسمانی حوائج تو د رفع بڑی ہونگی تمہیں کچھ ضرورت نہیں کہ اپنے اصلی مسند کو چھوڑ کر چپراسی اور خادم لوگوں کے کام کو اپنا دھرم (فرض) مان بیٹھو ؛

دُنیا میں قاعدہ ہے کہ جُوں جُوں آدمی کا رُتبہ بلند ہوتا ہے جسمانی محنت اور مشغول (ہونے) کام سے برتری ملتی جاتی ہے۔ مثلاً جج اِس قسم کا کوئی کام نہیں کرتا۔ بلکہ جج کی موجودگی ہی سے سب کام پڑے ہوتے ہیں۔ جج کا ساکشی (شاہد) ہونا ہی چپراسیوں کو مقدمہ بازوں کو عرضی نویسوں وغیرہ کو ہل چل میں ڈال دیتا ہے ؛ ویسے ہی کرتا بھوگتا کی دُم کو اُتار کر نشۂ حقیقت میں مگن مست کا ساکشی رُوپ میں قیام (استغنی) ہونا ہی کاروبار کو پڑا چلاتا ہے ؛ جس شاہد (ساکشی) کے خوف سے مہر و ماہ روشنی کرتے ہیں۔ جس کے پیچھے سے ندیاں بہی ہیں۔ جس کی دہشت سے ہَوا چلتی ہے۔ ایسے شاہد (ساکشی) کو آرزو اور تشویش سے کیا مطلب؟

راگ بھیروی (تال شول)

(۱) یہ ڈر سے مہر آ چمکا آہاہاہا! آہاہاہا!!

اُدھر مہ بیم سے لپکا آہاہاہا! آہاہاہا!!

(۲) ہوا اٹکھیلیاں کرتی ہے میرے اِک اشارے سے
ہے کوڑا موت پر میرا آہاہاہا! آہاہاہا!!

(۳) اکائی ذات میں مری اسنکھوں رنگ ہیں پیدا
مزے کرتا ہوں میں کیا کیا آہاہاہا! آہاہاہا!!

(۴) کہوں کیا حال اِس دل کا کہ شادی موج مارے ہی
ہے اِک اُمڈا ہوا دریا آہاہاہا! آہاہاہا!!

(۵) یہ جسمِ رام لے بدگو۔ تصوّر مجھ ہی نرا
ہمارا بگڑتا ہے کیا آہاہاہا! آہاہاہا!!

راگ جوگ۔ تال دھمار

(۱) گُل کو شبنم آب گہر اَور زر کو مَیں
دیتا ہوں جبکہ دیکھوں اُٹھا کر نظر کو مَیں

(۲) شاہوں کو رُعب اور حسینوں کو حُسن و ناز
دیتا بہادری ہوں بلا شیرِ نر کو مَیں

(۳) سُورج کو سونا چاند کو چاندی تو دے چُکے
پھر بھی طواف کرتے ہیں دیکھوں جدھر کو مَیں

(۴) ابروے کہکشاں بھی انوکھی کمند ہے
بے قید ہو اسیر جو دیکھوں اُدھر کو مَیں

(۵) تارے جھمک جھمک کے بُلاتے ہیں رام کو
آنکھوں میں اُنکی رہتا ہوں جاؤں کِدھر کو مَیں

راگ بروا۔ تال معلیٰ

(۱) آپ ہی ڈال سایہ کو اُس کو پکڑنے جائیے کیوں
سایہ جو دوڑتا چلے کیجئے وائے وائے کیوں

(۲) دیدۂ دل ہُوا جو وَا کھُل گیا حُسنِ دلربا
یار کھڑا ہو سامنے۔ آنکھ نہ پھر لڑائیے کیوں

(۳) گنجِ نہاں کے قُفل پر مُہر ہی تو مُہر شاہ ہے
توڑ کے قُفل و مُہر کو کنز کو خود نہ پائیے کیوں

(۴) اہل و عیال و مال و زر سب کا ہے بار رام پر
اسپ پہ ساتھ بوجھ دھر۔ سر پہ اُسے اُٹھائیے کیوں

(۵) جب وہ جمالِ دلفروز۔ صورتِ مہرِ نیمروز
آپ ہی ہو نظارہ سوز۔ پردے میں مُنہ چھپائیے کیوں

(۶) دشنۂ غمزہ جانستاں ناوکِ ناز بے پناہ
تیرا ہی عکسِ رُخ سہی۔ سامنے تیرے آئیے کیوں

راگ پیلو۔ تال جھپ

(۱) آپ میں یار دیکھ کر آئینہ پُر صفا کہ یُوں
یار سے خوشی کے کیا کہے۔ ششدر سا رہ گیا کہ یُوں

(۲) روکے جو التماس کی دِل سے نہ بھولیو کبھی
پردہ ہٹا دُوئی مِٹا۔ مہ نے جُھلا دیا کہ یُوں

(۳) مَیں نے کہا کہ رنج و غم مِٹتے ہیں کِسطرح کہو
سِینہ لگا کے سِینے سے اُس نے سنا دیا کہ یُوں

(۴) گرمی ہو اِس بلا کی ہائے بُھنتے ہوں جس سے مرد و زن

ایسی ہی آب و تاب ہے۔خود ہی ہوں دکھتا کہ یوں

(۵) دُنیا و عافیت بنا۔واہ وا جو جمل نے کیا

تاروں ساں مہر رام نے پل میں اڑا دیا کہ یوں

بدن سخت بیمار پڑتا ہے۔تپ کھانسی درد اور پیچش اپنی اپنی زور آزمائی کرتے ہیں۔ اُس موقع پر رام کا گانا:

واہ وا اے تپ و ورس واہ وا
جبذا اے درد و پیچش واہ وا

اے بلائے ناگہانی واہ وا
ویلکم! اے مرگِ جوانی واہ وا

نہ بھنور یہ قہر برپا واہ وا
بحر مہر رام میں کیا واہ وا

کھانڈ کا کُتّا گدھا چوہا بلا
مُنہ میں ڈالو ذائقہ ہے کھانڈ کا

پگڑی پاجامہ دوپٹہ انگرکھا
غور سے دیکھا تو سب کچھ سوت تھا

دامنی توڑی و مالا کو گھڑا
پر نگاہِ حق میں ہے وُہی طِلا

موتیا بند دل کی آنکھوں سے ہٹا
مرض و صحت عین راحت رام تھا

سونے کو کیا پرواہ ہے زیور رہے خواہ نہ رہے۔سونے کے لحاظ سے تو زیور کبھی ہُؤا ہی نہیں۔طلائی زیور کے اُوپر بھی سونا۔نیچے بھی سونا۔اطراف میں بھی سونا۔اور بیچ میں بھی سونا۔ہر جانب سونا ہی سونا ہے۔زیور نام تو برائے نام ہی ہے۔سونا ہر حالت میں ایک رس ہے۔مُجھ میں جِسم و اسم ہی کبھی پایاب نہیں ہُوئے تو جِسم و اِسم کے تبدّلات و تغیرات صحت و بیماری کا کیا دخل ہے؟ یہ میری اِک عجیب الشجریہ مہا کا چمتکار ہے کہ میں سب میں علیحدہ علیحدہ "آہنگ" مفروض کر دیتا ہُوں جس سے یہ سب لیلا افراد میں منقسم ہو کر میرا ہی ڈرا کا شکار ہو جاتی ہے۔ایک دُوسرے کو افسر ماتحت۔گورو شِشیہ۔حاکم محکوم۔دُکھی سُکھی تسلیم کر کے مداری کی پُتلیوں کی طرح کھیل دِکھانے

لگتے ہیں:

یہ میری فرضی بناوٹ میرے پرتو کے باعث اپنے آپ کو کچھ مان بیٹھی ہے۔ اس کی وجہ سے مجھ میں ہرگز غیریت نہیں آتی کیونکہ کل ہستی و بود جو اس دید و بدید میں ہے مجھ سے ہے پنجرے میں چڑیا اچھلتی ہے۔ کودتی ہے۔ جوش ہوتی ہے۔ غم بھی مانتی ہے۔ لیکن صیاد جانتا ہے کہ اس میں کیا بل ہے۔ خاموش تماشا دیکھا کرتا ہے تو آمد سرور میں سدا الکانت ہوں۔ آپ ہی آپ میرے میں غیریت کا خلل انداز ہونا کیا معنی؟

اندر باہر اوپر نیچے آگے پیچھے ہم ہی ہم
اُدھر میں سیر میں نثر میں شعر میں نور میں گھر میں ہم ہی ہم

سمندر کی سَیر

سمندر کے کنارے رام کھڑا ہے۔ پیچ کھاتی ہوئی موجیں چرنوں میں گزر رہی ہیں۔ سبز ہوا کپڑے اُڑا رہی ہے۔ سمندر کی ہاؤ ہو خیالِ دُنیا کو غرق کر رہی ہے ؛

جسم میں حس و حرکت ندارد۔ کیا کیفیت ہے۔ رام کہاں ہے ؟

. . . . . .

. . . .

۵ جس طرف اب نگاہ جاوے ہے
آب ہی آب نظر آوے ہے

وسیع وسیع سمندر۔ سب جل ہی جل۔ جل ہی جل۔ خشک زمین کے خیال کو لوحِ دل سے دھو رہا ہے۔ بڑے بڑے شہر اور بازار سڑکیں۔ نیز سہریوں کے آپس میں لڑائی جھگڑے۔ شور و شر یہاں پر خواب ایسے معلوم ہو رہے ہیں ؛ سمندر کے سامنے دُنیا کچھ چیز نظر نہیں آتی ؛

لیکن جب نگاہ ذرا اُوپر اُٹھا کر دیکھتے ہیں تو چاروں طرف تنا ہُوا۔ نیلگُوں مہا آکاش کا بحرِ ناپیدا کنار ایسا وسیع وسیع دکھائی پڑتا ہے کہ اُس میں زمین والا بڑا بڑا سمندر مطلقاً ڈوب جاتا ہے۔ نام و نشان سب کھوء بیٹھتا ہے ؛

طُرفہ یہ ہے کہ یہ لا انہا مہا آکاش خود آنند سُروپ رام میں ہیچ و ناپدید ہو جاتا ہے۔ جیسے آفتاب کی شعاعوں میں سُراب نظر آتا ہے۔ ویسے ہی اتنا بڑا مہا آکاش رام کے پرکاش میں بھان ہوتا ہے ؛

۱۵　　آفتابم آفتابم آفتاب
ذرّہا دارند از من رنگ و تاب

راگ کولنیہ نال تین

شُدّھ سچّدانند برہم ہوں اجر - امر - اَج - اَبناشی
جاس گیان سے موکش ہو جائے کٹ جاوے بم کی پھانسی
انادی برہم اَدویت - دویت کا جا میں نام نشان نہیں
اکھنڈ سدا شکھ جا کا کوئی آدی - مدھ - اَوسان نہیں
نِرگُن - نِروکلپ - نِراتما - جا کی کوئی سشان نہیں
نِروکار - نِروَیو - مایا کا جا میں رنچک بھان نہیں
یہی برہم ہوں من نِرنتر کریں موکش ہت سبّاسی
شُدّھ سچّدانند برہم ہوں - اَجر - امر - اَج - اَبناشی
سرب دیشی ہوں برہم ہمارا ایک جگہ استھان نہیں
رما ہوں سب میں مجھ سے کوئی بھِن وستو انسان نہیں
دیکھ بچارو - بِسوا برہم کے ہُوا کبھی کچھ آن نہیں -
کبھی نہ چھُوٹے پیڑ دکھ سے جسے برہم کا گیان نہیں
برہم گیان ہو جسے اُسے نہیں پڑے بھوگنی چوراسی
شُدّھ سچدانند برہم ہوں - اجر - امر - اَج - ابناشی
اَدرِشٹ اگوچر سدا درِشٹ میں جس کا کوئی اکار نہیں
نیتی نیتی کہہ نگم رکھیشور ماتے جس کا پار نہیں

(۱) مَیں سُورج ہوں - مَیں سُورج ہوں اور ایسا سُورج ہوں کہ جس کی چمک سے دُنیا کا ذرّہ ذرّہ چمکتا ہے۔

الکھ برہم لیو جان جگت نہیں۔کار نہیں کوئی یار نہیں
آنکھ کھول دِل کی ٹک پیارے کون طرف گُلزار نہیں
ست رُوپ آنند راشی ہُوں۔کہیں جِسے گھٹ گھٹ باسی
شُدّھ سچّدانند برہم ہُوں۔اَجر۔اَمر۔اَج۔ابناشی

سیرِ کشمیر

ہوائے خوش- فضائے خوش- صدائے آبشارے خوش
بہارے خوش- نگارے خوش- چنارِ سایہ دارِ خوش

اے رام! یہ بیرحمی ٹھیک نہیں- نیچر نے تیری خاطر رنگا رنگ کے دوپٹے رنگوائے ہیں- نئی نئی پوشاکیں پہنی ہیں- اور تو اُس کی طرف نیم نگاہ بھی نہیں ڈالتا- یہ ظلم مت کر- چل درشن دے ؛

ہمہ آہوانِ صحرا سرِ ہا نہادہ برکف ؎۱
بامیدِ آنکہ روزے بہ شکار خواہی آمد

؎۲ عزیزاں وقت و ساعت مے شمارند ؛ رفیقاں چشم و دِل در انتظار اند

سرو قدا جماں جماں- بر لب جُو رواں رواں ؎۳
فرشِ رہِ تو قُرباں- طالع شاں بہ باکشا

نظارۂ اوّل

پہاڑی کھیت شخیشٹر کی سیڑھیوں کے ڈھنگ پر آراستہ ہیں- ایک کے پیچھے دوسرا زیادہ بلندی پر بچھا ہُوا ہے- پانی اُوپر سے گرتا ہُوا سارے کے

(۱) جنگل کے تمام ہرن اس اُمید سے ہتھیلی پر سَر رکھے ہُوئے ہیں کہ کسی دن تُو وہاں آکر اُن کا شکار کرے

(۲) عزیز لوگ گھڑیاں گن رہے ہیں- اور رفیق انتظار میں لگے ہُوئے ہیں :

(۳) سجے ہُوئے دریا کے کنارے پر سروقد (معشوق) ناچ رہے ہیں- تیرے راستہ کے فرش پر قُرباں منتظر ہیں- تُو اپنی قدم آوری سے اُن کی قسمت کو دوبالا کردے-

سارے ایک نیچ پر ایکساں بکھر جاتا ہے۔ وہاں کی سبز دھانوں کو سیراب کرنے کے بعد دُوسرے نیچ پر اُترتا ہے۔ علیٰ ہٰذا تیسرے پر۔ صبح کے وقت سبز کھیت میں جا بجا پانی کی سفید جھلک یُوں معلوم دیتی ہے۔ جیسے کسی معشوق کے گورے بدن کا سبز پوشاک میں سے نظر پڑنا۔ لیکن دوپہر کو دُور سے دیکھا جائے تو سفید پانی ہی پانی نظر آتا ہے۔ اور پہاڑ چاندی کا سا بن جاتا ہے۔

ایک تختۂ سبز پر سے رآم گزر رہا ہے۔ لق و دق سبز میدان ہے۔ فرحت افزاء ہوا بے روک ہر وقت چلتی رہتی ہے۔ کشادہ میدان اُفق (Horizon) کے متوازی نہیں ہے۔ بلکہ مثل اُس نازنین کی پیشانی کے سلامی دار ہے۔ جو نشۂ حسن میں مست ہو کر چاند کو آنکھیں دکھا رہی ہو۔ گھاس کیا ہے نہایت مُکلف صاف چادریں بچھی ہیں۔ معلوم ہوتا ہے پریاں اِسی جگہ ناچ کر راجہ اِندر کی خوشنودیٔ مزاج کے پروانے حاصل کیا کرتی ہیں۔

راگ بھیروی۔ تال شُول

(۱) بھلا ہُوا ہر بیسرو سر سے ٹری بلا (ٹیک)
جیسے تھے ویسے بھئے اب کچھ کہا نہ جاء

(۲) گھر سے جُوں نہ کر جیوں۔ اُر سے جیوں نہ رآم
رآم سدا ہم کو بھجے۔ ہم پا ویں بسرام

(۳) رآم مرے تو ہم مرے؟ ہمری مرے بلاء
ست پُرش لیو جان جب۔ مرے نہ مارا جائے

(۴) حد چھٹے سو اولیا۔ بیحد چھٹے سو پیر
حد بیحد دونوں چھٹے۔ ناکا نام فقیر

(۵) حد حد کرتے سب گئے بیحد گیا نہ کوئے

خد سحر میدان میں رہیو کبیرا سوے

(۶) مَن ایسو نرمَل بھیو جیسے گنگا نیر
پیچھے پیچھے ہر پھرے کہت کبیر کبیر

نظارۂ دوم

سراب کے سایہ (بادیہ) کی صورت میں پہاڑوں کی ہیبت - عین وسط میں آبِ زُلال - یانی نہایت شیریں ذائقہ امرت کا چشمہ ۔ درخت نہایت بلند - گھن کے سایہ والے - بیلیں قدرتی ہنڈولوں کی بہار دے رہی ہیں - مزدار جھولنے لٹک رہے ہیں - رام جھولتا ہے - اور گاتا ہے :-

راگ پیلو - تال دھمار

(۱) دریا سے حُباب کی ہے یہ صدا - تم اور نہیں ہم اور نہیں
مجھ کو نہ سمجھو اپنے سے جُدا - تم اور نہیں ہم اور نہیں

(۲) جب غنچہ چمن میں صبح کو کھِلا - تب کان میں گُل کے یہ کہنے لگا
ہاں آج یہ عُقدہ ہے ہم پہ کھُلا - تم اور نہیں ہم اور نہیں

(۳) آئینہ مقابل رُخ جو رکھا - جھٹ بول اُٹھا یوں عکس اُسکا
کیوں دیکھ کے حیراں یار ہُوا - تم اور نہیں ہم اور نہیں

(۴) ناسوت میں آکے یہی دیکھا - ہے میری ہی ذات سے نشو و نما
جیسے پنبہ کا تار سے ہو رشتہ - تم اور نہیں ہم اور نہیں

(۵) تُو کیوں سمجھا مجھے غیر بتا - اپنا رُخ زیبا ہم سے چھپا
جھٹ پردہ اُٹھا ٹک سامنے آ - تم اور نہیں ہم اور نہیں

(۶) دانے نے بھلا خرمن سے کہا - چُپ رہ - اس ماتھیں چون وچرا

وحدت کی جھلک کثرت میں دکھا۔تم اور نہیں ہم اور نہیں
ادھر اُدھر رام کی سینا کلول کر رہی ہے۔ چھوٹے چھوٹے مولوں ایسے رنگا رنگ کے پرندے بیل بوٹوں پر پُھدک رہے ہیں۔اور آوازِ خوش آیند سے چہچہا رہے ہیں :

سفید سفید جھاگ کے اندر سے نیلا پانی اِس طرح جھلک رہا ہَے۔ جیسے گورے بدن پر نیلی نیلی رگیں ؛ بعض جگہ پانی کے نیچے پتھروں کی یہ چمک ہَے کہ اگر "سب جگہ اپنا گھر نہ سمجھنے والا کوئی آدمی یہاں ہو۔تو فی الفور اُس کے جی میں یہی آئے کہ جیسے بنے اِن سنگریزوں کو بٹورا کر گھر ضرور لیجاؤں ۔ لیکن گھر کیسا ؟ یہ وُہ مقام ہَے کہ جب ایک دفعہ دیکھا تو یہیں گھر کر بیٹھنے کی خواہش ہوتی ہے۔چھوڑنے کو جی نہیں چاہتا ۔ ہائے رے دُنیا کی ہُوا و ہوس اتیرے رِشتے کیسے مضبوط ہیں۔ ایسے آنند کے آغوش سے بھی لوگوں کو کھینچ لے جاتی ہے۔ پھر گرمی میں رولاتی ہے۔مٹّی میں مِلاتی ہے ۔

سوال :۔ یہاں دُنیا وما فیہا گُم ہے۔ آنند ہی آنند ہے ۔ سورگ بہشت کہیں اسی کا نہ نام ہو ۔

رام ۔ — ہاں ۔ خُوب سمجھے۔ سُبھ کرموں والا اقبالمند جگت جنجال سے چھٹی پاکر کہیں اِدھر آتا ہے۔کچھ دیر آرام کرتا ہے۔ پھر پُور بلے سنسکاروں سے کھنچا ہُؤا گر جاتا ہے۔ یہی سورگ ہَے ۔

(۱) اگر فردوس بر رُوئے زمیں است ۔ ہمیں است و ہمیں است و ہمیں است
لیکن میرا مقام (عزم دعام) یہ نہیں کیونکہ میرے آنند کی وُہ کشش ہَے کہ دُنیا کی کوئی خواہش اُس پر غالب نہیں آ سکتی ۔ اَور اُس سے

(۱) اگر رُوئے زمیں پر کوئی بہشت ہے تو وُہ یہی ہَے ۔ یہی ہَے ۔ یہی ہَے

نہیں ہٹا سکتی۔ وہاں سے واپس آنا چہ معنی؟

۵ رخصت دے باغباں کہ ذرا دیکھ لیں چمن

جاتے ہیں واں جہاں سے پھر آیا نہ جائیگا

راگ سورٹھ۔ تال رتن

مان۔ماں۔مان کہا مان لے میرا

جان۔جان۔جان رُوپ جان لے مرا

جانے بنا سُروپ۔غم نہ جائیگا کبھی

کہتے ہیں سد بار بار بات یہ سبھی

تنبس کے تن جو ہے سو تین کے بن ہو

جس کے بغیر شہر میں نہ ملک حبن ہے

اے پیاری جان! جان تو سُوپوں کا بھُوپ ہو

ناچتی ہے پرکرتی سدا تُرا انُوپ ہے۔

نظارۂ سوم

گوکرناگ کے پاس ایک پہاڑ کی چوٹی پر رام آسن جمائے بیٹھا ہے۔ چاروں طرف پہاڑوں پر کیاریوں کے اُوپر کیاریاں ہیں کہ کرسیاں بچھی ہیں اُن کرسیوں پر پَون۔ وَرن۔ آدِتیہ۔ کویر وغیرہ دیوتا گن متمکن ہیں۔ شاہنشاہ رام کا اجلاس لگا ہے۔ نیچے میدان میں دھانی سبز سرخ زرد رنگوں کے قالین اور غالیچے (گھاس) آراستہ پیراستہ ہیں - اِس تماشاگاہ میں کنچنیاں (ندیاں) عجب بانکپن سے ناچ رہی ہیں۔اور سکریلے نغمے نکالتی ہُوئیں من لبھا رہی ہیں۔ واہ رے دِلرُبائی! جس نے پاس

جا کر آنکھ لڑائی اُسی سے یہ مُدارات کہ ہاں میرے دل جگر میں تیری جاء بنے (شفاف بن)۔ بیلوں کے ہار ڈالے۔ سُرخ زرد نیلگوں پھول کانوں میں پہنے جھُوم جھُوم کر یہ ملند بالا اشجار کیا کر رہے ہیں؟ ندیوں کے حسُن کی داد دے رہے ہیں:

ے دلبر دِل رُبائے من میکند از برائے من
نقش و نگار و رنگ و بُو تازہ بتازہ نَو بنَو

غلط گفتم۔ جن کو (ندیاں) ہم دلبرانِ شوخ سمجھے تھے وُہ ناگ اور ناگنیاں ہیں۔ کاٹ کھانے والے (نہایت سرد) سانپ ہیں کہ لہراتے لہراتے بَل کھاتے سال سال مچاتے چلے جا رہے ہیں: شنکر (رام ناتھ) نے اپنے سانپ بھیجے ہیں کہ رام کے آگے مُجرا دِکھائیں:

ے سیر کر اور دُور سے گُل دیکھ اُس گلزار کے
پر بنا اپنے گلے کا اُن کو مت زنہار ہار:

بازیچۂ اطفال ہے دُنیا مِرے آگے
ہوتا ہے شب و روز تماشا مِرے آگے

ہوتا ہے نہاں خاک میں صحرا مِرے ہوتے
گھِستا ہے جبیں خاک پہ دریا مِرے آگے

جُز نام نہیں صُورتِ عالم مِرے نزدیک
جُز وہم نہیں ہستیٔ اشیاء مِرے آگے

(۱) میرے دِل کو لبھانے والا دِلبر (پیارا یار) میرے لئے ہر گھڑی نئے نئے طرح طرح کے نقش و نگار بناتا ہے۔ سِنگار کرتا ہے۔

نظارۂ چہارم

سڑک کے دونوں کناروں پر آمنے سامنے قطاروں میں شمشاد آسمان سے باتیں کرتے ہوئے کھڑے ہیں۔ گویا کشیدہ قامت معشوق ہیں کہ لباس سبز در بر کئے بدن سے بدن ملائے رام کی انتظار میں صف آراء ہیں۔ عجب نظارہ ہے۔ بعض بعض مقامات پر تو شمشاد ایسے سگ ایستادہ ہیں کہ پہاڑوں کا کندھے سے کندھا چھلتا ہے۔ اور یوں سر بفلک ہیں کہ اگر مطلع صاف ہو اور سڑک پر ٹھہر کر آسمان کی طرف نگاہ اُٹھائی جائے تو روز روشن میں دن دوپہر کے وقت تاروں کا نظر آنا کچھ بڑی بات نہیں؛

ایک دن اسی سڑک پر اسٹ ناگ کے قریب گھوڑے پر سوار رام جا رہا تھا۔ بادل بکھر رہے تھے۔ ہوا شمشادوں کی زلفوں سے اٹکھیلیاں کر رہی تھی۔ یکایک گھٹا تمام آسمان پر بکھر گئی۔

۵ وہ آئی وہ آئی گھٹا	گلستانِ عالم پہ چھائی گھٹا
گھٹا کالی کالی دھنش لال لال	کنہیا کے ابرو پہ جیسے گلال۔

پیچھے سے ایک نغمہ کی آواز نکلی۔ ہوا پر سوار ہو کر پھیلنے لگی۔ بادلوں تک گونجار سے تمام عالم بھر گیا۔ ایک پہاڑی لڑکا بانسری بجا رہا تھا۔ کیسا سماں بندھ گیا۔ آہاہاہا! دل کے ساتوں پردے تک وہ سُرین دھس گئیں۔ اب کس میں تاب تھی۔ کہ گھوڑا بڑھا کر آگے نکل جائے۔ نغمہ کے تال کے ساتھ گھوڑے کا قدم اُٹھنے لگا۔ میل ایک گزر گئے۔ اور خیال تک نہیں آتا؛

اب ذرا غور کیجئے اُس بانسری سے گوپ چند کا گوپیوں کو ساتھ کی

طرح بلّوں سے کھینچ لانا اور نقش بر دیوار بنائے رکھنا کیا مشکل تھا؟

اک دل تھا سو وہ بھی کھو بیٹھے | اُٹھے جامے فقیر ہو بیٹھے
اب ٹھائیں گے آپ کو کس جا | اک مدت کے دل کو رو بیٹھے

۵۱ آن شعلہ رُو ۔ غمزہ دِلم راکباب کرد
مارا چہ کرد؟ خانۂ خود را خراب کرد

نظارۂ پنجم

دونو طرف سر سبز پہاڑ۔ گھن کا سایہ۔ بیچ میں بر لبِ جوئبار رام جا رہا ہے۔ ہری ہری کونپلوں۔ پیاری پیاری پتیوں۔ دلفریب سُنبل اور نرم نرم گھاس سے آنکھیں نہال ہو رہی ہیں۔ اور جی باغ باغ۔ قدم قدم پر آبشاروں کی بہار اور بھڑے بڑھے ترچھے قدرتی گلزار۔ نشۂ ذات میں سرشار کر رہے ہیں۔ ہرے۔ بھرے درختوں کے جھرمٹ کانوں میں پھول۔ گلے میں بیلوں کے ہار ڈال کر چڑھتی جوانی کے خُمار میں پریوں کا سا شرنگار کر رہی ہیں:

۵۲ بر لبِ جوئے جہاں با ساز و برگ تازۂ
ہر زماں آید خراماں یار خوش رفتارِ ما

جوانانِ گلزارِ فطرت رام کی ایک نگہ ناز پر اپنا اپنا جوبن بیچے کو بیٹھا بازار

---

(۱) اُس معشوق نے اپنے ناز و نخرے (کٹاکش) سے میرے دِل کو بھُن دیا۔ اُس میں میرا کیا بگڑا بلکہ اُس نے اپنے ہی گھر کو برباد کیا۔ (کیونکہ میرا تو ہی دِل اُس کا گھر تھا۔) ش

(۲) دُنیوی نہر کے کنارے میرا خوش رفتار پیارا نئے نئے ساز و سنگار کے ساتھ ہر وقت آتا ہے۔

لگائے پرے کے پرے جمائے جمع ہیں ؛
یونانی میتھالوجی سے سُنا ہے کہ حُسن کی پری بھین من سے پیدا ہُوئی تھی لیکن
ع شُدہ کے بود مانند دیدہ
یہاں اِن آبشاروں کی پچیس پر تزئین ماج (زینت) کرنی دیکھ لو ؛
پانی اِتنا تو گہرا۔ لیکن صاف ایسا کہ پیاری گنگی (گنگاجی) یاد آتی ہو۔ گویاں اگر یہاں نہائیں تو گول جِد کو کبھی ضرورت نہ پڑتی کہ اِنکو برہنہ ن دیکھے کے لئے پانی سے باہر نکلنے کی تکلیف دینا ؛ یہ جھلکتے جھلکتے اُونچے آبشار چاندی کے کمند اور رستے معلوم دیتے ہیں کہ جن کو پکڑ کر عالم عُلوی کو چڑھ جائیں۔ یا یہ ہیرے کے گات والی کمخواباں (چادریں) ہیں جو سیر کے بل رقص کناں رمن ِخدمت جُوم رہی ہیں۔ اور نہایت سُریلے آواز سے رام کی مہما کے گیت گاتی جاتی ہیں ۔
سل آب از برائے دیدنم می آید از فرسنگہا
مجذوب شدہ از خرمی غلطاں شود بر سنگہا
آج ورزش نہیں کی۔ آؤ۔ کچھ دیر اِس آبشار کے نیچے تھاپ رکھتے ہیں۔ کافی ورزش ہو جائیگی۔ اپنی چھاتی کے رقبہ اور سُرعت آب کے مجذور وغیرہ بد عمل ریاضیہ کرنے سے محرک پانی کا دباؤ معلوم کریں گے۔ لیکن اُف او! یہ زور کا پانی! یہ تو کُل ریاضی وریاضی کو بہائے لے جا رہا ہے : اینٹوں سے بھی چڑھ بڑھ کے ہے۔ اِس کے آگے چھاتی رکھنے

(۱) میرے دیکھنے کے لئے پانی پتھروں سے نکل رہا ہے۔ (میرے دیدار سے) مجذوب ہُوا۔ پتھروں پر خوشی سے لڑھکتا چلا جاتا ہے ؛

سے تو یہی ہنر ہوگا کہ جار ناچ پتھر مار کر کلیجہ شق کیا جائے۔ اے پانی! تری نرمی جو ضرب المثل ہے آج کیا ہوئی؟ تمہاری شیتلتا کہاں نہ گئی کہ اِس گرمجوشی کے ساتھ دوڑے جا رہے ہو۔ یہ جوش و خروش۔ یہ تندی تیزی۔ یہ گرمی کیوں؟

جواب آب:۔ (الف) مَیں تو سدا شیتل ہُوں۔ سپرش کرکے دیکھ لو۔ ذرا ٹھہر نہ جائیے تو سہی۔ یہ گرمی ورمی تماشا کُن کے ذہن بس ہے۔ (ب) مَیں تو ہر وقت نرم ہی ہُوں۔ آپ کی سِینہ زوری ہے کہ اُلٹا مجھُ میں سختی مفروض ہُوئی ہَے:

پیارے ناظرین۔ ذرا غور کرنا۔ سنسار سمُندر کی تُرشی و تلخی کہاں؟ تمہاری مہربانی ہے کہ جگت تُند و تاریک نظر آتا ہے:

خنجر کی کیا مجال کہ اِک زخم کر سکے
تیرا ہی ہے خیال کہ گھایل ہُوا ہے تُو

(۱) بادہ از ما مست شُد۔ نَے ما ز مَے
ہم ز ما داں بُوئے گُل۔ آوازِ نَے:

تُم ہی جگت بَن رہے ہو:

سوال:۔ اگر فی الواقعہ یہی ماجرا ہے تو کیا وجہ حقیقت نہیں کھُلتی: مَیں ہی جگت کی اصل اَور پھر مَیں ہی ڈروں۔ سمجھ میں نہیں آتا: آپ کی اِن شانتی آمیز باتوں سے ہمارے دِل کی جلن نہیں بجھتی۔ مایا بڑی غالب ہے۔ کیا کریں:

(۱) شراب ہم سے مست ہُوئی ہے۔ ہم شراب سے نہیں۔ اور ہم سے پھُول کی خوشبو اور بانسری کی آواز سمجھ:

۵۱　ز حرفِ سرد ناصح گرمئے عشقم نگردد کم
بینداز زجوش خوبتن سیلاب دریا را

رام سچ ہے جب تک خود اپنے تئیں لیکھ نہ دو گے دل کی تپت کیوں بجھنے کی ہے ؟

۵۲　تو خود حجاب خودی اے دل از میاں بر خیز

ہم لعل مجھ سے رہتا ہے ہر آن رام تو
بن پردہ اپنی وصل میں حائل ہوا ہے تو

اپنے ہاتھوں سے اپنا منہ کب تک ڈھانپو گے ؟

۵۳　بر چہرۂ تو نقاب تا کے : بر چشمۂ خور سحاب تا کے

ہمت سے کام لو۔ مایا کچھ چیز ہی نہیں۔ ذرا سے تنکے کی اوٹ میں پہاڑ کو چھپا رہے ہو : جب محیطِ ہمت طغیانی پر آتا ہے تو کونسا ہمالیہ ہے جس کو خس و خاشاک کی طرح بہا کر آگے نہیں لے جا سکتا۔ وہ کونسا سمندر ہے جسے تم نہیں سوکھا سکتے۔ وہ کونسا سورج ہے جسے ذرہ نہیں بنا سکتے ::

وہ کونسا عقدہ ہے جو وا ہو نہیں سکتا
ہمت کرے انسان تو کیا ہو نہیں سکتا

(۱) واعظ کی سرد تلقین سے میرے عشق کی گرمی کم نہیں ہوئی کیونکہ میرے اندرونی جوش سے جو عشق کی طغیانی ہے۔ اُس کا اُسکو اندازہ نہیں :

(۲) اے دل تو اپنا پردہ آپ بنا ہوا ہے بیچ میں سے اُٹھ جا :

(۳) تیرے چہرہ پر پردہ کب تک اور آفتاب کے رُخ پر بادل کب تک رہے گا ::

سوال :- حجاب اور نقاب کا کام ہی کیا، نرآویو اور نراکار ہیں ہاتھ پاؤں کا ذکر چہ معنی؟ ایک ہی ذاتِ پاک ہیں یہ کہاں سے آ گئے؟ وُہ کون طاقت تھی جس نے قادرِ مطلق پر اسپینلا حاصل کیا؟ اور یہ کیونکر ہو سکتا ہے کہ میرا ہی چہرہ اپنے تئیں ڈھانپ لے؟

رام ۱ حجابِ جلوہ ہم یکسر ہجومِ جلوہ ہست اینجا
نقابے نیست دریا را۔ مگر طوفانِ عریانی

۵ چادر سے موج کی نہ چھپے چہرہ آب کا
بُرقع حُباب کا نہ ہو رخ آب کا

۵ جب وُہ جمالِ دلفروز صُورتِ مہرِ نیمروز
آپ ہی ہو نظارہ سوز پردے میں مُنہ چھپائے کیوں؟

چہرۂ نورانی پر سے "ظلمتِ کاکل دُور کرو۔ اور دیدۂ دل میں سُرمہ دو"

۵ ہم سے کھل جاؤ بوقتِ مے پرستی ایک دن
ورنہ ہم چھیڑیں گے رکھ کر عذرِ مستی ایک دن

۲ حجابِ نو عروسانی ز شوہر خود نمی ماند
اگر ماند شبے ماند۔ شبِ دیگر نمے ماند

لے لو ۵ مقراضِ موجِ دامنِ دریا کتر گئی

(۱) اس جگہ جلوہ کا ہجوم (کثرت) ہی جلوہ کا حجاب بنا ہوا ہے جیسے دریا کو سوائے اُس کی اپنی طغیانی کے اور کوئی نقاب نہیں یعنی یارِ غار آپ ہی اپنی اما میں چھپا ہوا ہے۔

(۲) نئی دُلہن کا اپنے شوہر سے پردہ نہیں رہتا۔ اگر رہتا بھی ہے تو ایک رات کو لیکن دُوسری رات کو جاتا رہتا ہے۔

وحدت کا بُرقع پھٹ گیا۔ ساری بسترگئی

گلا پھاڑ پھاڑ کر آپ پکار رہا ہے۔

؎[1] منم خدا و ببانگِ بلند می گویم ٭ ہر آنکہ نُور دہد مہر و ماہ را اویم

سوال:۔ تم تماشا دیکھنے آئے ہو کہ سب چیزوں کو کھا جانے؟ سب کی رونق گُل کی آب و تاب تُم ہی ہو؟ ۔ اِس شعر کے مصداف ہو گیا؟

؎ چاندنی دیکھے اگر وُہ مہ جبیں تالاب پر
عکسِ رُخ کی تاب مانی بھیر دے مہتاب پر

رام:۔ کیا آج اِس شعر کا مصداق ہُوا ہُوں۔ میری شان میں وید کہتا چلا آتا ہے۔

[2]
न तत्र सूर्यो भाति न चन्द्र तारकं, नेमा विद्युतो भान्ति
कुतोऽयमग्निः।
तमेव भान्तमनु भाति सर्व्वं, तस्य भासः सर्व्वमिदं
विभाति॥ (مُنڈک اُپنشد)

راگ پہاڑی۔ نال چلت

(۱) پہاڑوں کا یُوں لمبی تانے پہ سونا
وُہ گنجان درختوں کا دوشالا ہونا

---

(۱) میں بلند آواز سے کہتا ہوں کہ میں وُہ خدا ہُوں جس سے سُورج اور چاند کو روشنی ملتی ہے۔

(۲) نہ وہاں سُورج چمکتا ہے نہ چندراں و تارے اور نہ بجلی ہی +پھر آگنی تو بھلا کہاں! تُمہارے چمکنے سے۔ سب چمک رہے ہیں۔ اور تُمہاری ہی روشنی سے یہ سب روشن ہیں۔

وُہ دامن میں سبزہ کی مخمل بچھونا
ندی کا بچھونے کی جھالر بہ رونا
یہ راحت مجسّم یہ آرام میں ہوں
کہاں کوہ و دریا یہاں میں ہی میں ہوں

نوٹ:- جھالردار مخمل کے بچھونے پر دوشالہ اوڑھے کمبھ کرن کی طرح لیٹے سلسلۂ کوہ کا دراز ہونا مستی (یعنی سستبتی۔ آنند کے کوش) کی تصویر مجسّم ہے۔ اس سشبتی یا آنند کے کوش میں ظہور (پرکاش) یا آنند (کوٹستھم) میں ہوں: مجھے جانے پر یہ سشپتی روپ پہاڑ دریا وغیرہ کہاں رہنے پاتے ہیں؟ حقیقت کا پتہ لگتے ہی وہم غائب ہو جاتا ہے

۵ اے زروت گلستانہا شرمسار: در گل و گلزار چونت یا ننم

(۲) سفید سفید بادل کبھی گھوڑے کی شکل میں کبھی ریل کی صورت میں کبھی انسان کی ہئیت میں پہاڑوں پر ہاتھی کی مست چال سے چلتے ہوئے عالم خواب کی متلوّن مزاجیاں دکھا رہے ہیں: پرکرتی اس حالت میں بھی عورتوں والے ناز و نخرے نہیں چھوڑتی۔ اپنے خاوند رام کی لطف نگاہ حاصل کرنے کے لئے کبھی روتی ہے۔ کبھی ہنستی ہے:

(۲) یہ پربت کی جھانی یہ بادل کا پھرنا
وُہ دم بھر میں ابروں سے برس کا گھرنا
گرجنا۔ چمکنا۔ کڑکنا۔ بکھرنا
چھما چھم۔ چھما چھم یہ بوندوں کا گرنا
عروسِ فلک کا وُہ ہنسنا یہ رونا
مرے ہی لئے ہے فقط جان کھونا

(۲) کوسوں تک قدرتی گلزار کا چلے جانا۔ رنگا رنگ کے پھول ہر چہار سُو شگفتہ

(۳) یہ وادی کا رنگیں گلوں سے لہکنا
فضا کا یہ بُوئے سے سراپا مہکنا
یہ بلبل ساں حسینداں لبوں کا چہکنا
وہ آوازِ سُننے کا ہر سُو بلکنا
گلوں کی یہ کثرت اِرم رُو بنتہ ہے
یہ میری ہی رنگت ہے میری ہی بُو ہے

(۴) ایک اور دِلکش مقام

(۴) جو جُو اور چشمہ ہے نغمہ سراء ہے
کس انداز سے آب بل کھا رہا ہے۔
یہ تکلوں یہ تکئے ہیں۔ رلبنم رنچا ہے۔
سُہانا سما ہے۔ بُہانا سماں ہے۔
جدھر دیکھتا ہُوں جہاں دیکھتا ہُوں
مَیں اپنی ہی تاب اور شان دیکھتا ہُوں

(۵) آبشاروں کی بہار

(۵) نہیں چادریں ناچنے رہمنن ہیں۔
یہ آواز؟ یازیب مَیں نعرہ زن ہیں
پہاڑوں کے دامنے زمرّد فگن ہیں۔
صفائی آہا! رُوئے مہ پُر شکن ہیں
صبا ہُوں مَیں گُل چُومنا بوسہ لینا
مَیں شمشاد ہُوں جُھوم کر داد دینا

(۶) بڑے بڑے اونچے پہاڑوں کو کشمیر میں "پیر" کہتے ہیں۔ (جیسے پیر پنجال ۔ پیر کھنجال ۔ رتن پیر وغیرہ)۔ اس کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ جیسے "پیر" (بڈھا) سفید سر والا ہوتا ہے۔ ان پہاڑوں کی چوٹیاں بھی بباعث برف عموماً سفید رہتی ہیں ::

لیکن لطف یہ ہے کیا جانے ان پیروں نے دھوپ میں بال سفید کئے ہیں۔ سر تو بڈھے ہو گئے لیکن جوانی کی سب امنگیں جی میں ہیں ان کے دل سرسبز ہیں یعنی چوٹیوں کو چھوڑ کر نیچے سے نہایت خوب ہرے بھرے ہیں یہ باہر کا مقولہ ان پر صادق آتا ہے ::

ع پیری میں نہ کس طرح کروں عشق جہاں کی
دن ڈھلتے ہی ہوتا ہے تماشا گزری کا

دیودار کے اونچے درخت شراب کی صراحیوں کی صورت رکھتے ہیں۔ ان میں جا بجا کلکلاتے ہوئے چشمے بہ رہے ہیں گویا بوتلوں میں سے قلقل کے ساتھ شراب نکل رہا ہے۔ یہ مجسم مستیٔ رام ہی کی ایک موج ہے ::

(۶) مرے سامنے ایک محفل سجی ہے
ہیں سب سیم تن پیر۔ پر سبز جی ہے
شجر کیا ہیں؟ مینا یہ مینا دھری ہے
نہ جھرنوں کا جھرنا ہے قلقل لگی ہے
لنڈھائے یہ شیشے کہ یہ نکلیں نہریں
ہے مستی مجسم یہ یا اپنی لہریں؟

(۷) نہری نگر سے اننت ناگ کو کشتی میں جانا ::

(۷) رواں آبِ دریا ہے کشتی رواں ہے

صبا نزہت آگین صبحدم وزاں ہے

یہ لہروں پہ سورج کا جلوہ عیاں ہے۔

بلندی یہ برف اِک تجلّی فشاں ہے

ظہور اپنے ہی نور کا طور پر ہے۔

پدبد اپنی ہی دید کُل بحر و بر ہے۔

(۸) جھیل ڈل میں ارد گرد کے سرجیت پہاڑوں کا عکس پڑ رہا ہے۔ اور پانی کو ہوا ہلا رہی ہے۔ (بدیں صورت) ہلکی ہوا کے جھونکوں سے اتنے بڑے پہاڑ ہلتے نظر آتے ہیں۔ کیا کُلفت ہے۔ تعجّب ہے ؛

(۸) ڈُلکتا ہے ڈل دیدۂ مست لقا سا

دھڑکتا ہے دِل آئینہ پُر صفا کا

ہلاتا ہے کوہوں کو صدمہ ہوا کا

کِھلے ہیں کنول پھول ہے۔ اِک بلا کا

یہ سورج کی کرنوں کے چپّے لگے ہیں

عجب ناؤ بھی ہم ہیں خود کھے رہے ہیں

سورج کشتی کی طرح ڈل میں لرزاں نظر آتا ہے۔ اور اُسی سورج کی کرنیں چپّوں کی طرح کشتی چلانے والی ہیں ؛ میں ہی وہ سورج ہوں جو کشتی بنا ہے۔ میں ہی کھیلنے کے اوزار ہوں ؛

(۹) امرناتھ کی چڑھائی۔ پورنماسی کی رات

(۹) چڑھائی مصیبت۔ اُترنا یہ مشکل

پھسلنی برف۔ بارش یہ آفت یہ بادل

قیامت یہ سردی کہ سچنا ہے باطل

یہ بُو بُوٹیوں کی کہ گھبرا گیا دل

یہ دل لینا۔ جاں لینا کِس کی ادا ہے؟ (شوخی ہو میرا ہی آخر آنا ہے)

مِری جاں کی جاں جِس پہ شوخی[۱] فِدا ہے

۱۔ پاروتی جی

(۱۰) پُورنماسی کی رات

(۱۰) عجب لُطف ہے کوہ پر چاندنی کا

یہ نیچر نے اوڑھا ہے جالی دوپٹّا

دکھاتا ہے آدھا۔ چُھپاتا ہے آدھا

دوپٹّے نے جوبن کیا ہے دوبالا

لٹے ہیں جوانی کے معشوقِ نیچر

ہے لیٹی ہُوئی رام سے مست ہو کر

(۱۱) امرناتھ کا از حد وسیع خُدائی ہال (جِسے لوگ گپھا کہتے ہیں)

(۱۱) برف جس میں سُتی ہے۔ جڑتا ہے لاٹے

امرلِنگ استادہ چیتن کی جا ہے

مِلے یار۔ ہو وصل۔ سب فاصلہ طے

یہی رُوپ دائم امرناتھ کا ہے

وُہ آئے ایاسک۔ تعیّن مِٹا سب

رہا رام ہی رام بن تُو مِٹا جب

ہے رام!

راگ جنگلا - تال دھمار

۱ ہر سو کہ دویدیم ہمہ سوئے تو دیدیم
ہر جا کہ رسیدیم سرِ کوئے تو دیدیم

۲ ہر قبلہ کہ بگزید دِل از بہرِ عبادت
آن قبلۂ دِل را خمِ ابروئے تو دیدیم

۳ ہر سروِ رواں را کہ درین گلشنِ دہر است
بر رستۂ بستانِ لبِ جوئے تو دیدیم

۴ از باد صبا بوئے خوشت دوش شمیدیم
با باد صبا قافلۂ بوئے تو دیدیم

---

(۱) جس طرف کہ ہم دوڑے وہ تمام اطراف تیرے ہی دیکھے (یعنی سب طرف تو ہی تھا)۔ اور جس جگہ کہ ہم پہنچے وہ تمام تیری ہی گلی کا سرا دیکھا یعنی ہر جا تجھے ہی پایا۔

(۲) جس پرستش کی جگہ کو دِل نے برائے عبادت قبول کیا۔ اُس دِل کے قبلہ کو تیری ابرو (بھوں) کا خم دیکھا یعنی اُس جگہ تو ہی جھانکتا ہمیں نظر آتا

(۳) ہر سرو رواں (معشوق یا پیارے) کو جو کہ اُس دنیا کے باغ میں ہے۔ اُس کو تیری ندی کے کنارے کے باغ کا اُگا ہوا دیکھا (یعنی جو بھی اس جہان میں پیارا نظر آتا وہ سب تیرے ہی سے ظہور پذیر ہوا دکھائی دیا)۔

(۴) کل رات ہم نے باد صبا (مشرقی ہوا) سے تیری خوشبو سونگھی۔ اور اُس باد صبا کے ساتھ تیری خوشبو کا قافلہ دیکھا (یعنی اُس میں تیری خوشبو بسی ہوئی تھی)

۵۱ روئے ہمہ خوبانِ جہاں را بہ تماشا
دیدیم ولے ز آئینۂ روئے تو دیدیم
۵۲ در دیدۂ شہلائے بتانِ ہمہ عالم
کردیم نظر نرگسِ جادوئے تو دیدیم
۵۳ تا مہرِ رخت بر ہمہ ذرات نتابد
ذراتِ جہاں را بہ تگ و پوئے تو دیدیم

ॐ

راگ بھیروی۔ تال دادرا

۵۴ سیر نیم سیر نیم از لبِ خندانِ تو
اے کہ ہزار آفریں بر لب و دندانِ تو

---

(۱) دنیا کے تمام خوبصورت لوگوں کے چہرے کو تماشے کی خاطر ہم نے دیکھا۔ لیکن تیرے چہرے کے آئینہ سے اُن کو دیکھا (یعنی اِن تمام خوبصورتوں میں تیرا ہی روپ یعنی نُور پایا)۔

(۲) تمام جہاں کے پیاروں (معشوقوں) کی مست آنکھ میں ہم نے جب دیکھا تو تیری جادو کی نرگس (آنکھ ہی) دیکھی۔

(۳) جب تک تیرے چہرے کا آفتاب تمام ذرّوں پر نہ چمکے۔ سب تک جہاں کے ذرّوں کو تیری ہی طرف دوڑتے ہوئے دیکھا (یعنی جب تک تیری شعاع نہ پڑے تب تک طالب حق تیرا ہی طلبگار رہے گا)۔

(۴) تیری ہنسی سے میرا جی نہیں بھرا۔ نہیں بھرا۔ تیرے دانت و لب پر ہزار ہزار شاباش۔

کہاں تک ؟
کئی تارے آسمان پر ٹوٹ پڑنے کے بعد بھی اِس زمین کے باشندوں کو باعث دوری سینکڑوں بلکہ ہزاروں برسوں تک نظر پڑے آتے ہیں پر ایک دن ٹوٹتے نظر آ ہی جاتے ہیں۔ جو روٹی ایک دفعہ کھائی جائے پھر ہاتھ میں کیسے رہ سکتی ہے؟ اہنکار کو جب بشو وہم نے کھا لیا تو پھر کیا کام دیگا؟

۱ من از آں حسن روز افزوں کہ یوسف داشت دانستم
که عشق از پردۂ عصمت بروں آرد زلیخا را

ہیں جو شوق سے قدم بڑھا کے چلا۔ لگی رستے میں کہنے یہ بادِ صبا
تجھے زندہ نہ چھوڑے گی ناز و ادا۔ مجھے اُس گُلِ ہوش رُبا کی قسم
آخر آیا وہ دن کہ کام کاج چھُٹ گئے ؛

۲ دلبرا چوں رُخ نمودی شد نماز من قضا
آفتابے چوں برآید۔ سجدہ کے باشد روا

عشق کے مکتب میں میری آج بسم اللہ ہے
مُنہ سے کہتا ہُوں الف۔ دل سے نکلتی آہ ہے۔

(۱) مجھکو یوسف کے دن بدن بڑھنے والے حسن سے اِس بات کا یقین کامل ہو گیا کہ سچا عشق زلیخا (معشوق) کو بھی پردہ سے باہر کھینچ لاتا ہے۔

(۲) اے دلبر جب تُونے مُنہ دِکھلایا تو مری نماز قضا ہو گئی۔ جب آفتاب نکل آیا۔ تو پھر سجدہ کب واجب ہے۔

سلہ بیخودی فارغ از مسیحم کرد + دردِ ما بُود خود دواے ما

جس طرح مُردے کو اِس دُنیا سے بےمیت جاں کر لوگ کیرتن کرتے ہُوئے گھر سے باہر چھوڑ آتے ہیں۔ سب عزیز و اقارب ماڑو گاتے ہوئے رام کو گنگا کی جانب روانہ کر آئے ؛

راگ مال کونس۔تال جھپ

منا! تَیں نے رام نہ جانیا رے۔ رام نہ جانیا رے

منا! تَیں نے رام نہ جانیا رے

(۱) جیسے موتی اوس کا رے تیسے یہ سنسار

دیکھت ہی کو جھلملا رے۔جات نہ لاگی بار

منا! تَیں نے رام نہ جانیا رے

(۲) سونے کا گڑھ لنک بنایا۔ سونے کا دربار

رتی اِک سونا نہ ملا رے۔راوَن مرتی وار

منا! تَیں نے رام نہ جانیا رے

(۳) دِن گنوایا کھیل بین رے۔ رین گنوائی سوئے

سُور داس بھجو بھگونتا۔ ہونی ہو سو ہوے ؛

منا! تَیں نے رام نہ جانیا رے

رام نہ جانیا رے۔ منا! تَیں نے رام نہ جانیا رے ؛

ریلوے سٹیشن کے پلیٹ فارم پر پریم بھرے اِتنٹ بتر رو رہے ہیں اور گا رہے ہیں ؛

(۱) میری بیخودی نے مجھے طبیب سے بھی بے پرواہ کردیا۔ اِس طرح سے میرا درد ہی میری دوا ہو گیا۔

راگ بھیرو-تال شول

الوداع میری ریاضی! الوداع	الوداع اے پیاری راوی! الوداع
الوداع اے اہلِ خانہ! الوداع	الوداع معصوم نادان! الوداع
الوداع اے دوست و دشمن! الوداع	الوداع اے رنیت اُوشن! الوداع
الوداع اے کتب و تدریس! الوداع	الوداع اے خبت و تقدیس! الوداع
الوداع اے دِل-خدا! سے! الوداع	الوداع رام! الوداع اے الوداع

؎ کیسا چالاکی میں تو یکتا ہے اے دستِ جنوں
دیں تو کیا اِک تار بھی باقی نہیں دستار میں

؎ دیوانگی سے دوش پہ زُنّار بھی نہیں
یعنی ہمارے جیب میں اِک تار بھی نہیں
جب جیب ہی نہیں تو تار کیسا؟

؎ مارو وَطن سے ہم گئے ہم سے وطن گیا
نقشہ ہمارے رہنے کا جنگل میں بن گیا۔

؎[1] پیرہن می بدرم دمبدم از غایتِ شوق
کہ وجودم ہمہ او گشت و من ایں پیرہنم

مجھے اِس درد میں لذّت ہے-اے جوشِ جنوں اچھا
مرے زخمِ جگر کے ہر گھڑی ٹانکے اُدھیڑے جا

(۱) شوق کی زیادتی سے میں اپنے لباس کو دم بدم پھاڑتا ہوں کیونکہ وہ پیارا (یارِ جاں) میرا وجود ہو گیا ہے-اور میں اس کا لباس ہو گیا ہوں (تاکہ خود خودی مِٹ کر میرا اصلی وصل اُس سے ہو جائے)۔

رہا ہے ہوش کچھ باقی اُسے بھی اب نبیڑے جا

یہی آہنگ اَے مُطرِب یسرٹنگ اَور چھیڑے جا

۱؎ در دلِم عشق ز لیلیٰ کافیست + خواہشِ وصل زما ناانصافیست

۲؎ پیش آمدم شہ بندہ را گفتم شہا کم کُن بلا

گُفتا برو گر عاشقی - ہر دم بلا افزوں کنُم

راگ جوگ - تال دھمار

جینے کا نہ اندوہ نہ مرنے کا ذرا غم

یکساں ہے اُنہیں زندگی اور موت کا عالَم

واقف نہ برس سے نہ مہینے سے وہ اِک دم

شب کی نہ مصیبت نہ کہیں روز کا ماتم

دِن رات گھڑی پہر مہ و سال میں خوش ہیں

پُورے ہیں وُہی مَرد جو ہر حال میں خوش ہیں۔

کچھ اُن کو طلب گھر کی نہ باہر سے اُنہیں کام

تکیہ کی نہ خواہش ہے نہ بستر سے اُنہیں کام

اسفل کی ہَوس دِل میں نہ مندر سے اُنہیں کام

مُفلس سے نہ مطلب نہ تونگر سے اُنہیں کام

(۱) میرے دِل کے لئے لیلیٰ کا عشق کافی ہے اور میرے لئے وصل کی خواہش رکھنا ناانصافی ہے۔

(۲) شاہ حقیقی کے سامنے آکر مَیں نے کہا کہ اَے بادشاہ! بلاؤں و تکلیفوں کو کم کر۔ اُس نے کہا اب جا۔ اگر تُو عاشق ہے تو مَیں دم بدم مصیبتوں اور بلاؤں کو بڑھاؤں گا (تاکہ تمہارے عشق کا اِمتحان ہو) ۔

میداں میں بازار میں چوبارہ میں خوش ہیں
پُورے ہیں وُہی مرد جو ہر حال میں خوش ہیں
اُن کے لئے تو

(راگ ہلو - تال چلت)

گر نصیبیں کھاما رہا دولت کے دستر خوان پر
میوے مٹھائی دُودھ مکھی حلوا و تُرشی اور شکر
یا باندھ جھولی بھیک کی ٹکڑے کے اُوپر دھر نظر
ہو کر گدا پھرنے لگا کُوچہ بکُوچہ در بدر
گر یُوں ہُؤا تو کیا ہُؤا اور وُوں ہُؤا تو کیا ہُؤا

تھا ایک دن وُہ دھوم کا نکلے تھا جب اسوار ہو
ہر دم پکارے تھا نقیب - آگے بڑھو پیچھے ہٹو
یا ایک دن دیکھا اُسے تنہا پڑا پھرتا ہے وُہ
بس کیا خوشی کیا نہ خوشی یکساں ہیں سب اَے دوستو
گر یُوں ہُؤا تو کیا ہُؤا اور وُوں ہُؤا تو کیا ہُؤا

یا عشرتوں کے ٹھاٹھ تھے یا عیش کے اسباب تھے
ساقی صُراحی گلبدن جام و شرابِ ناب تھے۔
یا سکسی کی درد سے بیحال تھے بیتاب تھے
کچھ رہ نہیں جاتا میاں! آخر کو نقش آب تھے
گر یُوں ہُؤا تو کیا ہُؤا اور وُوں ہُؤا تو کیا ہُؤا۔

ایک وُہ دن تھا کہ ٹھنڈے لمبے سانس کھینچتا - بیلی رنگت کے ساتھ - چھپ چھپ کر زار و قطار رونا دھونا گنگا میں ڈوبنے کی نیت

سے رام یہاں آیا تھا۔

۵۱ وجۂ زر از رُوئے دارد چشمِ لُولُو بارِ من
قلبِ من نقدِ رواں زانرُوئے در بازارِ من
پیش زانکہ بیضۂ زرّیں فتد بر طشتِ زر
در خروش آید خروس از نالہائے زارِ من

"گنگا! تیتھوں صد بلہارے جاؤں۔ گنگا! منتھوں صد بلہارے جاؤں"

آج وہ سمے ہے کہ اُسی گولی گنگی (یعنی شری گنگا جی) میں کپڑا لتا بلکہ بدن کا ہر سرِ مُو ڈال ہم آنند کے ساتھ موج میں لہرا لہرا کر گا رہا ہے۔

"صد بلہارے جا گنگے! میتھوں صد بلہارے جا"

۵۲ حاجی بسُوئے کعبہ بعد از برائے حج ؛ الحمد گو کہ کعبہ بیاید بسُوئے ما

(راگ سورٹھ۔ تال مُغلئی)

۵۳ باز آدم باز آدم تاوقت را میموں کُنم
باز آدم باز آدم تا دردِ دِل افزُوں کُنم

(۱) میری موتی برسانے والی آنکھ زردیبہ کی شکل کے مانند ہے اور اس لئے میرے بازار میں میرا قلب نقد رواں (چلنے والا سکہ) ہے۔پیشتر اس کے کہ آفتاب آسمان میں نکلے۔ میرے رونے کے شور سے مُرغِ سحر قبل از وقت بانگ دینے لگ جاتا ہے۔

(۲) حاجی حج کرنے کو کعبہ جاتا ہے۔ خُدا کا شکر ہے کہ کعبہ خود ہماری طرف آتا ہے۔

(۳) مَیں پھر واپس آیا ہُوں۔ مَیں پھر واپس آتا ہُوں تاکہ وقت کو مبارک بناؤں۔ مَیں پھر واپس آیا ہُوں۔ مَیں واپس آتا ہوں تاکہ دِل کا درد بڑھاؤں۔

۵۱ بار آمدم باز آمدم تا بہرِ بیماران دل
از اشکِ چشم و آہِ شب وز خوں جگر معجوں کنم

۵۲ باز آمدم باز آمدم تا دِل بر آں دلبر نہم
از ہرچہ جز دلبر بود از شہرِ دِل بیروں کنم

۵۳ باز آمدم باز آمدم چیزے ندارم جز الف
قدِ الف سدا شود۔ چوں راست پشتِ نوں کنم

۵۴ باز آمدم باز آمدم دِل دادۂ شوریدۂ
خود را مگر لیلیٰ کناں۔ آں یار را مجنوں کنم

۵۵ گفتم شہا در ہجرِ تو بس قطرہ ہا باریدہ ام
گفتا چہ غم ہر قطرہ را من لؤلؤے مکنوں کنم

(۱) میں پھر پھر واپس آیا ہوں تاکہ دِل کے بیمار کے لئے اپنی آنکھ کے آنسو رات کی آہ وزاری اور جگر کے خون سے معجون بناؤں

(۲) میں بار بار واپس آیا ہوں تاکہ دِل کو اُس دلبر (پیارے) سے لگاؤں۔ اور جو کچھ ماسوائے دلبر ہو اُسکو دِل کے شہر سے باہر نکال دوں ؛

(۳) میں بار بار واپس آتا ہوں تاکہ سوائے الف (وحدت) کے اور کوئی چیز نہ رکھوں۔ اور جب میں نوں (انانیت) کی پیٹھ کو سیدھا کروں تو الف جیسا سیدھا قد پیدا ہو جائے ؛

(۴) میں بار بار واپس آیا ہوں کیونکہ میں دلدادہ اور سودہ زدہ ہوں مگر اپنے آپ کو لیلیٰ بنائے ہوئے ہوں تاکہ اُس یار (پیارے) کو مجنوں بناؤں ؛

(۵) میں نے کہا اَے بادشاہ! تیری جدائی میں میں نے بہت سے آنسو گرائے ہیں۔ اُس نے جواب دیا کچھ فکر نہ کر۔ میں تیرے (آنسوؤں) کے ہر ایک قطرے کو پوشیدہ موتی (دُرِ ناسفتہ) بنا دُونگا۔

۱ گفتم شہا چوں حاضری فردا چہ حاجت وعدہ را
گفتا برو خود را ببیں تا وعدہ را اکنوں کنم
۲ گفتم شہا در پردہ ہا خود را چرا داری نہاں
گفتا کہ گر بیروں شوم-بیصد چو تو مجنوں کنم

بادلوں کی گرج کے جواب میں گونجنے والے پہاڑ- جاوداں شادی میں پلکوماں آبشار-اور راحت فشاں گنگا کی آواز یہ گیت گا رہی ہیں

(راگ آسا-تال دادرا)

(۱) گنگا کا ہے کنار- عجب سبزہ زار ہے
بادل کی ہے- بہار ہوا خوشگوار ہے
کیا خوشنما پہاڑ پہ وہ چشمہ سار ہے
گنگا دھنی سُریلی ہے کیا لُطف دار ہے
آ دیکھ لے بہار کہ کیسی بہار ہے
(۲) وقتِ صباحِ عید تماشا نثار ہے-
گلگونہ مُنہ پہ مل کے کھڑا گلعذار ہے
شاہِ فلک سے یا جو ہوئی آنکھ چار ہے

(۱) میں نے کہا کہ اے بادشاہ! جبکہ تُو حاضر ہے تو کل پر وعدہ پورا کرنے کی کیا ضرورت ہے؟ اُس نے جواب دیا کہ جا اپنے تئیں دیکھ-تاکہ میں ابھی کا وعدہ (وعدہ دیدار فی الفور) پورا کروں*

(۲) میں نے کہا کہ اے بادشاہ تو اپنے تئیں پردوں میں کیوں پوشیدہ رکھتا ہے؟ اُس نے جواب دیا کہ اگر میں باہر ظاہر ہو جاؤں تو تجھ جیسے تین ہزار (کئی لوگوں) کو مجنوں بنا دوں*

مارے شرم کے چہرہ بنا سُرخ نار ہے
آ دیکھ لے بہار کہ کیسی بہار ہے۔

(۳) قطرے ہیں اوس کے کہ دُرّوں کی قطار ہے
کرنوں کی اُن میں۔ بل بے نزاکت! یہ تار ہے
مُرغانِ خوش نوا! تمہیں کاہے کی عار ہے
گاؤ بجاؤ۔ شب کا مِٹا دِل سے بار ہے
آ دیکھ لے بہار کہ کیسی بہار ہے

(۴) معشوق قد درختوں پہ بیلوں کا ہار ہے
نَے نَے غلط ہے۔ زلف کا پیچاں یہ مار ہے
واہ واہ سجے سجائے ہیں کیسا سنگار ہے۔
اشجار میں چمکتا ہے۔ خوش آبشار ہے۔
آ دیکھ لے بہار کہ کیسی بہار ہے

(۵) اشجار سر ہلاتے ہیں کیا مست وار ہیں
ہر رنگ کے گُلوں سے چمن لالہ زار ہیں
بھنورے جو گونجتے ہیں پڑے زر نگار ہیں۔
آنند سے بھری یہ صدا اونگ کار ہے
آ دیکھ لے بہار کہ کیسی بہار ہے

(۶) گنگا کے رُوئے صفا سے پھسلتی نہ گر نظر
لہروں پہ عکس مہر کا کیوں بیقرار ہے
وِشنو کے شِو کے گھر کا اساسہ یہ گنگ ہے
یاں موسمِ خزاں میں بھی فصلِ بہار ہے۔

آ دیکھ لے بہار کہ کیسی بہار ہے

(۷) ساقی وہ جے پلاتا ہے نرشئی کو ہار ہے

دلدارِ خوش ادا تو سدا ہمکنار ہے

واہ کیا مزے سے ملتا ہیکو غم کا شکار ہے

درشن شرابِ نابِ سخن دل کے پار ہی

آ دیکھ لے بہار کہ کیسی بہار ہے

(۸) ماہر نگاہ کیجئے تو گلزار ہے کھلا

اندر سرور کی تو بھلا حد کہاں دلا

کالج قدیم کا یہ سبق تو نہیں ہلا

پڑھاتا معرفت کا سبق میرا یار ہے۔ رام

آ دیکھ لے بہار کہ بہار ہے۔

(۹) اے جان بیا بیا کہ ایں دنیائے دیگر است

آبے دِگر۔ ہوائے دِگر۔ جائے دیگر است

وہاں زخویش دُور و در جہل افگند

خوب است و جہل دُور کند جائے دیگر است

سادھو فقیر کا تو اسی پر مدار ہی۔ آ دیکھ لے بہار کہ کیسی بہار ہی

(۱۰) مستی مدام کار بہی روزگار ہے۔

گل بس نگاہ پڑتے ہی پھر کس کا خار ہی

کیوں غم سے تو نزار ہے کیوں دِل فگار ہی

جب رام قلب میں ترے خود یارِ غار ہے۔

آ دیکھ لے بہار کہ کیسی بہار ہے

گنگوتری کا رستہ

صرف کمر پر کپڑا اوڑھے رام چلا جا رہا ہے اور گا رہا ہے کیا؟ "اوم"
ایک موقع پر نو دس میل تک نہایت بلند دیواروں کی طرح ایک دوسرے کے متوازی پہاڑوں کا سلسلہ چلا گیا ہے۔ انکے بیچ میں ایک جانب پہاڑ سے ٹکراتی جھکولے کھاتی گنگا بہے جاتی ہے۔ دوسری طرف کے عمود دار (precipice) پہاڑ میں ایک تاریک پگڈنڈی کھدی ہوئی ہے۔ رات کے دو یا تین بجے کا عمل ہو گا۔ سناٹے کا عالم ہے ابر چھایا ہوا ہے پرندہ پر نہیں مارتا۔ ہیلو۔ بجلی کوندی۔ بادل کڑکا۔ بارش پہاڑوں سے زور آزمائی کرنے لگی۔ راستہ پر پتھر اور درخت گرنے لگے۔ اڑا اڑا دھم۔ اڑا اڑا دھم۔ رام کے سر پر چھاتا نہیں۔ پانو بالکل ننگے ہیں۔ ہاتھ میں چھڑی بھی نہیں۔ گرم کپڑے کا سہارا نہیں۔

(۱) بفسردہ ایم ہمہ تن الم۔ تردد آبلہ در قدم
چو غبار نالہ فسردہ ایم چو سرشکِ تنگِ روانیم

(۲) نشیمنے کہ کنم مکاں نہ پرے کہ بر پرم از میاں
بکنی بہ عشوۂ امتحاں ستم آسمانِ رہائیم

---

(۱) مرجھانے میں تو تمام بدن مجسم غم ہے۔ چلتے چلتے پاؤں میں چھالے پڑ گئے ہیں رونے کے غبار کی طرح میرا مرجھانا ہے۔ اور ترنم کے آنسوؤں کی طرح میرا چلنا ہے۔
(۲) نہ کوئی گھونسلا (گھر) ہے کہ جہاں ٹھہر جاؤں۔ اور نہ پر ہی ہے کہ جس سے اڑ جاؤں۔ اے ہے۔ ظلم ہے۔ کہ تو عشوۂ امتحاں کی خاطر میری رہائی کی صورت نہیں بننے دیتا۔

۵ دستِ بیابانی سے ہے اپنے بیابان نازاں
اپنے پاؤں سے ہے خارِ مغیلاں نازاں

یہ وُہ مقام ہے کہ جہاں دن دوپہر کو بھی آدمی کا گزر کم ہوتا ہے۔ یہاں ایسی شبِ تار میں کون چل رہا ہے؟ اُس کے سوا اور کون ہوگا جو خوابِ گراں (دُشستیتی) کی شبِ یلدا میں بھی جاگتا ہے۔

सदोदितोऽहं सदोदितोऽहं

اسی حالت میں چلتے چلتے۔ ٹوٹی ہوئی سڑک سامنے بلبی ہے۔ راستہ بند ہے۔ مگر وُہ کون سی مزاحمت ہے جو رام کو روک سکتی ہے؟ کانٹے دار جھاڑیوں کو پکڑ پکڑ کر پتھروں کو ٹٹول ٹٹول کر رام پہاڑ کے اوپر چڑھ رہا ہے۔ جہاں بکری (अजा) کا گزرنا دشوار ہے رام موجود ہے ؎

۱ ۔ جہانِ جلوہ رسیدہ ام سہ ہزار پردہ دریدہ ام
ثمرِ نہالِ حقیقتم۔ چمنِ بہارِ خدائیم

۲ سرِ کعبہ گرمِ فسونِ من۔ دلِ دَیر جوشِ خونِ من
گزر ز سیرِ جنونِ من کہ قیامتِ ہمہ جائیم

(۱) تو بجو (انکسابِ ذات) کے جہان میں میں پہنچ گیا ہوں۔ اور تین ہزار پردے پھاڑے ہیں۔ اب حقیقت کے درخت کا پھل میں ہوں اور خدائی بہار کا باغ میں ہوں۔

(۲) میرا دھیان کرتے ہی (میرا منتر جپتے ہی) کعبہ کا سر جلنے لگتا ہے۔ اور بتخانے کا دل میرے خون کا اُبال ہے۔ یعنی دیوتاؤں کے دلوں میں میرا خون جوش مارتا ہے۔ میرے جنون کی سیر سے الگ مت ہو۔ کیونکہ میں تمام جگہ کی قیامت ہوں۔ یعنی میرے دیکھنے سے تمام جگہ پر قیامت ہو جاتی ہے

پہاڑ کی چوٹی پر کس زور سے "اوم" "اوم" "اوم" کا نعرہ سنائی دے رہا ہے۔ ارے پچھلی رات کے سونے والوں! کیا یہ کوک تمہارے کانوں تک ابھی نہیں پہنچی؟ تمہاری نیند ابھی تک نہیں کھلی؟ بادلو! جاؤ۔ دنیا بھر میں ڈھنڈورا پھیر دو۔ "اوم" ‌ؓ! بجلی! دوڑو۔ روشنی کے حروف میں لکھ کر دکھا دو۔ "اوم" ‌ؓ

جواب میں بادل گرج گرج کر پتھروں کو جگاتے ہیں۔ بجلی درختوں اور جانوروں کو روشنی سے جگمگا دیتی ہے۔ رام کے فرمان کو پرکاش نے آنکھوں پر قبول کیا۔ آسمان نے سر پر منظور کیا۔

چند جاگا۔ جاگا۔ جاگا ؛

ع[1] فلک گفت احسن۔ ملک گفت زہ ؛ اوم۔ اوم۔ اوم

اے غلامی! ارے داس پن! ارے کمزوری! اب وقت ہے۔ باندھو بستر اٹھاؤ لتا پتا۔ بھاگو۔ چھوڑو مکت پُرشوں کے دیش کو ؛

اَبر تمہارے ماتم میں رو بھی رہے ہیں۔ نہ جاؤ گنگا میں۔ ڈوب مرو سمندر میں گل جاؤ ہمالیہ میں ؛

اس مہیب اور پُر خطر موقع پر رام لا دھڑک موت کو تنبیہ کر رہا ہے۔ کیا اُسے جان کا ڈر نہیں ہے؟ جس سے کوئی مقام خالی ہی نہیں اُس کو خوف کہاں ؛ موت کی ہو طاقت رام کے حکم بغیر دم مارنے کی؟ رام کا یہ جسم نہیں گریگا۔ جب تک بھارت بحال نہ ہو لے گا ؛

یہ بدن قتل بھی ہو جائے گا۔ تو بھی اِس کی ہڈیاں دد ھیچ کی

[1] آسمان نے مبارکبادی دی اور فرشتوں نے مژدہ کہا۔

ہڈیوں کی طرح کسی نہ کسی اِندر کا بجر بن کر دویت کے راکشس کو چکنا چور کر ہی دیں گی، یہ شریر مر جائیگا تو بھی اس کا برہم بان نہیں خطا کرنے کا ؛

اتنو تھاما کے "برہم شتر کی طرح رام کا برہم بان دو بنی و دو دائی کی نسل کا تخم باقی نہیں چھوڑیگا - حمل میں جو بھید رُوپی بچے رکھے ہیں اُن کو بھی اُڑا دیگا ؛

اِس سُدرشن چکر کے سامنے کون ٹھہر سکتا ہے ؟ - یہ گھان گولا (Star - shell) خالی جانے والا نہیں ؛ گدھے کے سر والے اہنکار رُوپی راون کا بند بند جُدا ؛

؎ پڑا نفس کو کہ راون ہے ہم سے کام نہیں
جلا کے خاک نہ کر دوں تو رام نام نہیں ۔

(۱) بیا اے سبز خنگ من بہ بر آسمانہا ستم
غنیر اے مُردہ دُنیا قُم ۔ باذنی قُم ؛

صبح کا وقت ہے ۔ خود مستی میں جھومتا ہُوا رام جا رہا ہے ۔ کسی وقت موج میں ناچنے لگ پڑتا ہے ؛

چاروں طرف پہاڑیوں کو سفید برف ساڑھیاں اوڑھے دیکھ کر مارے غصّے کے چہرہ تمتمانے لگا ؛

"تم نے بدھوا کا لباس کیوں پہن رکھا ہے ؟ دیکھتی نہیں ہو کون آ رہا ہے ؟"

(۱) اے میرے سبز گھوڑے آ اور آسمان کے اُوپر پاؤں (رکھ) رکھ اے مردہ دُنیا میرے حکم سے تُو اُٹھ - میرے حکم سے اُٹھ ؛

پہاڑیوں سے آہِ سرد (ٹھنڈی ہوا) نکلتی ہے۔

"ہائے رنگریز چل گیا۔ آج ابھی تک نہیں آیا"۔

رام کے اُدھر نظر اُٹھاتے (شوق سے) ہی کانپتا کانپتا لال رنگریز آتا ہے۔ "آنا فانا" پہاڑوں کے دوپٹے بھگوے ہو گئے۔

(راگ بھیروی۔تال تین)

رنگوئے رے رنگریزا! چنریا رنگدے
ماہی کی چدریا ہمری چنریا + دونو کو جوگیا رنگ دے۔
میں پیا تورے رنگ میں سمائے رہی

اور رنگ موہے کاہے پریہ ہوئے	میں پیا تورے رنگ میں سمائے رہی
رنگ وہی رنگریز وہی میں جُبک چنریا رنگائے رہی	میں پیا تورے رنگ میں سمائے رہی
ہمرے پیا ہم پیا کے ری سجنی	بیا پر جوبرا گنوائے رہی

میں پیا تورے رنگ میں سمائے رہی

Rama Tirtha Swami

(نوٹ)۔ یہ مذکورۂ بالا حالاتِ قلب و جواباتِ خطوط گوسائیں تیرتھ رام جی سے قلمبند ہوکر ۱۹۰۱ء میں جلوۂ کہسار کے عنوان میں شائع ہوئے تھے لیکن پورے دو برس پہلے یعنی ۱۸۹۹ء میں خطوط مذکورہ کے جو جوابات گوسائیں جی نے براہ راست اپنے قابلِ تعظیم گورو جی مہاراج کو لکھکر بھیجے تھے وُہ رام کے اصلی خطوط بھی یہاں برائے ملاحظہ ناظرین دئے جاتے ہیں۔ جس سے رام پیاروں کو واضح ہو جاوے کہ رام کی قلبی و دماغی حالت کیسی اعلیٰ و بہترین تھی کہ واقعہ کے دو برس بعد بھی اپنے خطوں کے مضمون کو اُنکی غیر حاضری میں ہو بہو قلمبند کرسکے۔

گھر آنے کی درخواست پر جواب

نزد رشی کش

۲۳ر اگست ۱۸۹۹ء　　اوم شری

القاب مذکورۂ بالا

ایک نوازشنامہ نادر ہُوا۔ جس میں گھر آنے کی بات ترغیب تھی۔ اِس خط کو لیکر مَیں نے فوراً برہم دھام کو روانہ کر دیا۔ یعنی شری گنگا جی میں پرواہ دیا۔ اگر کسی خانگی معاملہ کے افسوس کی بات پُوچھو تو آپ کی اَیٹنٹ کرپا ہے

अव्यक्तादीनि भूतानि व्यक्त मध्यानि भारत!

अव्यक्त निधनान्येव तत्र का परिदेवना॥

رہا لوگوں کے گلے اُلاہنے۔ اُنکی بات یہ عرض ہے

کفن باندھے ہُوئے سرپر ترے کُوچے میں آ بیٹھے

ہزاروں طعنے اب ہم پر لگالے جسکا جی چاہے

ہے۔ بھگوان! آپ ہی کی آگیا پالن کر رہا ہوں۔ اپنے گھر (نج دھام) کو جا رہا ہوں۔ آپ کے اصل سروپ سے مل رہا ہوں۔ پنجاب جو پانچ ندیوں (رکت۔ روبریہ۔ موتر۔ سوید۔ رال) سے مل کر بنا ہوا ہمارا شریر ہے اس کے ادھیاس کو تیاگ کر ہی اپنے اصل دھام ہری دوار کی پراپتی ہوتی ہے۔

اسوقت رات کے دس بج چکے ہیں۔ نہ آدمی ہے۔ نہ آدمی کی ذات ہے اندر سے انہد کی گھنگھور ہے اور باہر سے شری گنگا جی نے انہد کی گرج لگا رکھی ہے۔ اندر سے ٹھنڈ ہے۔ اور باہر سے آنند ہے۔ یار سے ملنے والی شبِ ظلمات (اندھری رات) نے رُخِ عالم پر سیاہی عبیر رکھی ہے۔ اندھکار جگت کو اندر سے اور باہر سے دونو طرح نیست کر دیا ہوا ہے۔ اس شبِ یلدا میں کیا اندر اور کیا باہر۔ (سامنے) ڈلکتے ہوئے آبحیات (امرت) کے دریا بہہ رہے ہیں۔ ایسے موقع پر دُنیا کی یاد دِلانا۔ ہائے!

؎ اے سکندر نہ رہی تیری بھی عالمگیری * کتنے دِن آپ جیا جس لئے دارا مارا

ایسے موقع پر سکندر کو حیاتِ ابدی ایک طرف تھی۔ اور جاناں مرگ دُوسری طرف

مصرع چہ نسبت خاک را با عالمِ پاک

گھر والوں کو کہدو کہ ملنا مرکز ہی پر مناسب ہے۔ جہاں پر ملنے سے پھر جُدائی نہ ہو *

स्फुरत्स्फारज्योत्स्नाधवलित तलेक्कापि पुलिने

सुखासीनाः शान्त ध्वनिषु द्युसरितः ॥

. . . .

ترجمہ۔ جہاں پر روشن اور پھیلی ہوئی چاندنی کی مثال جل رہی۔ ایسے گنگا کے کنارے پر آرام سے بیٹھا رہوں۔ جب تمام آوازیں بند ہوں تب رات

میں شِیو شِیو شِیو (پرنور رُوپ) پُرسوز آواز سے کہتے ہُوئے دُنیوی رنج و غم سے آزاد ہو کر آنند کے آنسوؤں سے آنکھوں کا ہونا سپھل کرُوں۔ ایسے میرے دِن کب آئینگے ؂ (از بھرتری ہری)

راجا لوگ۔ راج پاٹ کا تیاگ کر ایسے آنند کی اِچھا کرتے تھے۔ دیوتا لوگ سُرگ بیکنٹھ کا خیال چھوڑ اِس گنگا تیرتھ کی کامنا رکھتے تھے۔ تو میری ہی کیا قِسمت پھُوٹ گئی کہ اِس پراپت ہُوئے ہُوئے آنند کو چھوڑ کر جھُوٹے پدارتھوں کے پیچھے دَوڑُوں۔

لوگ تیرتھوں پر آیا کرتے ہَیں۔ تیرتھ کبھی لوگوں کے پاس چلکر نہیں جاتے۔ گھروالوں کو کہہ دو کہ تیرتھوں میں رمن کرنے والا جو تیرتھ رام پرماتما ہے اُس کے چرنوں میں چلیں۔ تب تیرتھ رام گسائیں کا ملاپ ہو سکتا ہے۔ ورنہ نہیں۔ جب تک ہمارے گھر میں ست سنگ رُوپی گنگا نہ بہے گی۔ میرا وہاں جی نہیں لگیگا۔ ایک منٹ نہیں ٹھہر سکُوں گا ؂

مَرے ہُوؤں کو مِلنے کے لئے لوگ اُن کو پیغام بھیجکر اپنے پاس نہیں بُلا سکتے البتہ آپ مَرکر اُن سے مِل سکتے ہیں۔ ہم تو مَرچکے۔ جیتے ہی مُرچکے گھر والے ہم کو بُلانے کی کوشش نہ کریں۔ ہم جیسے ہو جائیں گے۔ تب تو میل بہت آسانی سے ہو سکتا ہے ؂

مُرلیوالہ اگر مُراری والہ ہو کر تیرتھ بن جائے تب تو تیرتھوں کو رمنیک بنانے والا تیرتھ رام وہاں آ سکتا ہے۔ ستوگن کی گنگا جہاں نہ ہو ہمارا وہاں ہونا کٹھن ہے۔ جب سب ہی نے آخر کار سُوکھے پھُول (ہڈیاں) بنکر گنگا میں آنا ہے تو کیوں نہیں اپنے ہرے پھُول کی بنایئں شریر کو گیان گنگا میں شوق سے پرواہ دیتے۔ اتھوا اپنے ہڈوں کو اِیندھن (لکڑی) بنا کر اچھا رُوپی

بھی ڈالکر پران (روپی) باو (پون) سے گیان اگنی میں سواہا کردینے اور
اس پرکار نرمیدہ کا پُن بنتے ؛
یہاں آٹھ پہر میں صرف راتری کو سنتوں کے درشن کے لئے کبھی باہر
نکلنا ہوتا ہے۔ ورنہ کوئی آنا جانا نہیں۔ اور آٹھ دن میں صرف اتوار کو
برہمنوں اور سنیاسوں کی سبھا میں ویکھیان دینے کے لئے جانا پڑتا ہے۔اور
کہیں نہیں۔
پانچ چھ دن ہوئے کوئی سو کے قریب مہاتماؤں کا بھوجن کرایا تھا۔
از حد آنند ہُؤا۔ یہاں سوئن کا پرچھاؤ تھا۔اِن دِنوں بالمکند اور ٹھاکر
داس دونوں کو روانہ کردیا ہُؤا ہے ؛　　آپکا اپنا آپ۔تیرتھ رام

کیا ہم اکیلے ہیں

برہم پوری پتو ۔ن
نرو لچھمن جھولا　　اوم
۳۰ راگست ۱۹۰۲ء

पूर्णमदः पूर्णमिदं पूर्णात् पूर्णमुदच्यते ।
पूर्णस्य पूर्णमादाय पूर्णमेवावशिष्यते ॥

کیا ہم اکیلے ہیں

تنہاستم تنہاستم در بحر و بر یکتاستم ؛ جُز من نباشد ہیچ شئے۔من جانم من جانستم
کوئی ودیارتھی ساتھ نہیں۔نوکر پاس نہیں۔ گانو بہت دور ہے۔آدمی کا
نام کافور ہے۔بیابان ہے۔سُنسان ہے۔تاروں بھری رات۔آدمی اِدھر
آدمی اُدھر ہے۔پر کیا ہم اکیلے ہیں ؟
اکیلی ہماری بلا! ابھی رشنا لونڈی سنان کراکر گئی ہے۔ہوا باندی

چاروں طرف دوڑ رہی ہے۔ وہ کبھی رفیق نے درختوں میں آواز دی۔ "حاضر جناب" (معلوم ہوتا ہے شیر کا نعرہ ہے یا ہاتھی کی چنگھاڑ ہے)۔ سیکڑوں خادم ہمارے جھاڑیوں میں دبے بیٹھے ہیں۔ بلوں میں آرام کر رہے ہیں۔

ہم اکیلے کیوں؟

یہ ہاں ہم اکیلے ہیں۔ یہ خادم وادم کوئی نہیں ہیں۔ ہم ہی ہیں۔ یہ درخت نہیں ہیں۔ ہم ہی ہیں۔ ہوا نہیں ہم ہی ہیں۔ گنگا کہاں؟ ہم ہیں۔ یہ چاند نہیں۔ ہم ہیں۔ خدا نہیں۔ ہم ہیں۔ معشوق کون؟ ہم ہیں وصل کیا؟ ہم ہیں۔ ارے "اکیلے" کا لفظ بھی ہم سے بھاگ گیا ہے۔

ایں نعرہ و ایں نعرہ زن وبنزا ایں صحرا	اشجار و گلستاں و شب و روز نگارا
ایں یار و معشوق۔ وصال دم ہجراں	باد۔ انجم و گنگا جل و ابرو مہ تاباں
کاغذ قلم حیثمت و مضمون و تو خود جان	ایں جملگی رام است۔ مراداں۔ مراداں

ہمارا پتہ پوچھو تو یہ ہے

نشانم بے نشاں میداں	مکانم در قلب مینجواں
جہاں در دیدہ ام پنہاں	مرا جویند گستا خاں

کیا ہم بیکار ہیں؟

من کا مانسرودر امرت سے لبالب ہو رہا ہے۔ اور آنند کی ندی ہردے میں سے بہ رہی ہے۔ ہر ایک روم کرت کرت ہے۔ وشنو کے اندر ستوگن اتنا بھرپور ہوا کہ سما نہ سکا۔ اُس حیثمۂ ستوگن سے پیروں کی راہ گنگا جل بن کر ستوگن بہ نکلا۔ ٹھیک اسی طور پر اشونا نارا (جل یا ستوگن) میں شین کرنے والا ہے۔ . . . نارائن
تیرتھ (جل روپ۔ستوگنی) میں رمن کرنے والا ہے۔ . . . تیرتھ رام نارائن

یا تیرتھوں کو متبرک (شوبھا والا) بنانے والا) تیرتھ رام نارائن ستوگن یا آنند سے بھرپور ہو رہا ہے۔ اُس کا برہمانند۔ سمیٹے سے سمٹتا نہیں۔ پرم آنند کا منبع یا سوتا بنکر یہ تیرتھ رام ساکھشات وِشنو۔ پُورن آنند کی دھارا (ندّی) جگت کو کرتارتھ کرنے کے لئے بھیج رہا ہے۔ خوش حالی اور فارغ البالی کی بادِ نسیم سنسار کو روانہ کر رہا ہے۔ کون کہتا ہے وہ بیکار بیٹھا ہے۔ ؟ میں سچ کہتا ہُوں اِس تیرتھ رام کے درشنوں سے کلیان ہوتا ہے۔ وُہ گنگا ہے۔ وُہ تریا رام ہے۔ وُہ رام ہے ؛

دھن بھومی۔ دھن کال دیش وُہ || دھن ماتا۔ دھن کُل۔ دھن سمدھی
دھن دھن لوچن کر ہیں درس جو || رام تہارو۔ ہر رگ سم دِھی

میری

بانکی ادائیں دیکھو! چند کا سا مکھڑا پیکھو!

وایُو میں بہتے جل میں۔ بادل میں میری لٹکیں

تاروں میں۔ نازنیں میں۔ موروں میں میری مٹکیں

بانکی ادائیں دیکھو۔ چند کا سا مکھڑا پیکھو!

چلنا ٹھمک ٹھمک کر۔ بالک کا رُوپ دھر کر

گھونگھٹ ابر اُلٹ کر۔ ہنسنا یہ بجلی بن کر

بانکی ادائیں دیکھو! چند کا سا مکھڑا پیکھو!

شبنم گُل۔ اور سُورج چاکر ہیں تیرے پد کے

یہ آن بان سج دھج! اے رام تیرے صدقے

بانکی ادائیں دیکھو! چند کا سا مکھڑا پیکھو!

جگت سارا وار ڈاروں رام تیرے نام پر؛ اندر برہما وار ڈاروں رام تیرے دھام پر
میں کیسا خوبصورت ہوں! میری سوہنی صورت۔ مری موہنی مورت۔ مری جھلک۔ میری ڈلک۔ میرا حسن۔ میرا جمال!۔ اسکو میری آنکھ کے سوا کسی کی آنکھ دیکھنے کی تاب نہیں لا سکتی

راقم رام

آجکل مجھ جھوٹے سے پرے گنگا تیر پر پہاڑوں میں نواس ہے۔ گنگا کیا ہے۔ وراٹ بھگوان (پرماتما) کا ہردا۔ پرماتما کے ہردیہ یا چھاتی پر پرماتما کا آتما بن کر بسرام کرتا ہوں؛

از ہردوار۔ پڑوح

۱۹ ستمبر ۱۸۹۵ء

ॐ

भिद्यते हृदयग्रन्थिश्छिद्यन्ते सर्वसंशयाः।
क्षीयन्ते चास्य कर्माणि तस्मिन् दृष्टे परावरे॥

ترجمہ:۔ اُس نرگن سروپ پربرہم (ذات) کے دیدار (انکشاف) ہونے پر دل کی سب گھنڈیاں کھل جاتی ہیں۔ سب شک و شبہ دور ہو جاتے اور بلا بمٹ ہو جاتے ہیں۔ اور اُس کے سب کے سب کرم نشٹ ہو جاتے ہیں؛

باہر جس طرف دھیان کرتا ہوں ہر ذرے سے اس جھنکارے کی گونج اٹھتی ہے (تو ہی ہے۔ تو ہی ہے) तत्त्वमसि तत्त्वमसि۔ اندر کی طرف مونھ کرتا ہوں تو یہ ڈھول (نقارہ) کچھ اور سننے نہیں دیتا अहं ब्रह्मास्मि۔ (میں کہاں ہوں۔ کیا ہوں) میرے محاوں ہیں کون۔ کب۔ کیا۔ وغیرہ چون و چرا کو دخل نہیں۔ من کو بندروں نے چھین لیا۔ بڈھو

گنگا تیں نہ گئی۔ چت کو چلیں جاپ گئیں۔ اہنکار مچھلیوں کی بھینٹ ہُوا۔ پاپوں کو ہوا اُڑا لے گئی۔ سارا سنسار جیت لیا ہے۔ میرا اٹل راج۔ بڑے بڑے پرتاپ۔

नास्ति ब्रह्म सदानन्दमिति मे दुर्मतिः स्थिता ।
क्व गता सा न जानामि यदाहं तद्रूपः स्थितः ॥

ترجمہ: "میں برہم نہیں ہوں۔ ایسی میری گدھے کی عقل تھی۔ وہ خیال اب کہاں غائب ہو گیا۔ اُڑ گیا۔ کہیں نظر نہیں آتا۔"

جسمِ لیلیٰ ہوں دلِ قیس و دستِ فرہاد
بوسہ دینا ہو تو دے لے۔ ہے لبِ جام مرا

(نوٹ:۔ اس طرح امسال یعنی ۱۸۹۸ء میں ہردوار۔ رشی کیش۔ تپوبن و برہم پوری میں گرمیوں کی چھٹیاں کاٹ کر اور ان چھٹیوں میں انکشافِ ذات کا لطف اُٹھا کر گوسائیں تیرتھ رام جی جب واپس لاہور آئے تو عالمِ مستی نے اُنکے اندر جیسا اپنا رنگ جمانا شروع کر دیا وہ اُن کے ذیل کے متواتر خطوں سے (جو انہوں نے اُن دنوں اپنی قلم سے اپنے قابلِ تعظیم گورو جی مہاراج کو لکھے) بخوبی مترشح ہو رہا ہے)

از لاہور
۲۸ ستمبر ۱۸۹۸ء

آ میرے بھنگیا! تُو آ بھنگ پی جا
آ میرے بھنگیا! نشنگ بھنگ پی جا
بھر بھر دیتیاں بُن بھنگ دے پیالے
نشنگ بھنگ پی جا۔ نہنگ بھنگ پی جا

دُنیا نہیں باروی پتے۔ بھنگ ہروقت گھوٹی رہی ہے۔ شو کی آنکھ کھلی پیالہ جھٹ حاضر ہوا۔ بلکہ اس کو بھنگ یا شراب کہنا بھی درست نہیں۔ یہ تو شراب کا نشہ ہے۔ یا تو بھنگ کی مستی ہے۔ آپ کو میری قسم۔ سچ کہو۔ اِس مستی اور آنند کے بنا جگت تین کال میں کبھی کچھ اور بھی ہُوا ہے؟ ہرگز نہیں:

مَیں یہ نشہ۔ یہ مستی۔ شو۔ بھلا کیا سوچوں۔ کیا سمجھوں؟ رام کیا سوچے سمجھے؟

(۱) سوچنا نامعلوم اشیاء کے واسطے ہوتا ہے۔ اسے سب معلوم ہے۔
(۲) سوچنا غائب چیزوں کے لئے ہوتا ہے۔ اُسکے لئے سب حاضر ہے۔
(۳) سوچنا کسی مراد کے حصول کی خاطر ہوتا ہے۔ اُس کی کُل مُرادیں ہروقت حاصل ہیں۔ جس کو دُنیا میں سوچ سمجھ اور عقل کہتے ہیں یہی کمال درجے کی بیوقوفی ہے:

جت دیکھوں تت بھرپا رام	پی پی مستی آٹھوں یام
نتیہ ترپت سُکھ ساگر نام	رگڑے بنے ہم تو آرام
دکھا سا کھپانا کام	تین لوک میں ہے بِسرام
کیا سوچے۔ کیا سمجھے رام	تین کال جس کو نج دھام

(مہا باکیہ (کلام عظیم)

(۱) گگنڈ کڈھ کے کیوں جگ مونہہ اُٹھے اوہلے رہیوں کھلو۔ فقیرا! آپے اللہ ہو
(۲) تیرے گھٹ وچ رام وسیندا۔ کیوں بیا بھرمائیں تو۔ فقیرا! آپے اللہ ہو
(۳) رام رحیم سب نیڑے نیڑے۔ تینوں کِسدا بھو۔ فقیرا! آپے اللہ ہو
(۴) توں مولا۔ نہیں بندا چندا۔ جھوٹ دی چھڈ دے خو۔ فقیرا! آپے اللہ ہو

(۵) چھڈ موہرا - سُن رام دوہائی - اپنا آپ نہ کوہ - فقیرا! آپے اللہ ہو

رام

رام کا ناچ

یکم اکتوبر ۱۹۰۰ء

راقم* تیری دھنارام از لامکاں

۵ مارا مکنید یاد ہرگز + ماخود ہستیم یاد بے ما

دو کے جو التماس کی دِل سے نہ بھولیو کبھی

دُوئی مٹا احد بنا - اُس نے بھلا دیا کر یُوں

(پردہ ہٹا - دُوئی مِٹا)

آج تو ناچنے کو جی چاہتا ہے

ناچُوں مَیں نٹ راج رے - ناچُوں مَیں مہاراج

سویا کرتن

(۱) سُورج ناچُوں - تارے ناچُوں - ناچُوں بن مہتاب رے - ناچُوں مَیں نٹ راج

(۲) ذرّہ ناچُوں - سمُندر ناچُوں - ناچُوں موگھر کاج رے - ناچُوں مَیں نٹ راج

(۳) تن تبرے بَس دم ہو ناچُوں - ناچُوں ناڑی ناڑ رے - ناچُوں مَیں نٹ راج

(۴) بادر ناچُوں - بایُو ناچُوں - ناچُوں ندی اور ناب رے - ناچُوں مَیں نٹ راج

(۵) گت راگ سب ہووت ہردم - ناچُوں پُورا ساج رے - ناچُوں مَیں نٹ راج

(۶) گھر لاگو رنگ - رنگ - گھر لاگو - ناچُوں بابا واج رے - ناچُوں مَیں نٹ راج

(۷) گُدھموا - لب - بدمستی والا - ناچُوں پی پی آج رے - ناچُوں مَیں نٹ راج

(۸) رام ہی ناچت - رام ہی باجت - ناچُوں ہو بِن لاج رے - ناچُوں مَیں نٹ راج

(نوٹ:- *یہ خط گوسائیں جی نے بھگت دھنارام جی کو ایسی محویت کے عالم میں لکھا ہے کہ بجائے اپنے آپ کو راقم کہنے کے بھگت دھنارام جی کو ہی راقم تحریر فرمایا ہے۔

امراض رُوپی بھانڈوں کا مجرا

از لاہور
۲۶ر نومبر ۱۸۹۸ء

اوم شری

ستم گیان مسلتم برہم - آنند امرت - شانتی مکین
منگل شے شیو رُوپم - سندرتم - اپاپ ودّھم

ہمارے شریر رُوپی محل میں تندرستی رُوپی کنجری کو اپنا راگ رنگ سُناتے اور تماشا دکھاتے بہت دیر ہو گئی تھی - اب بخار - دردِ معدہ - سانس کی نہایت سرعت اور کھانسی رُوپی بھانڈوں کے مجرے کی باری تھی - سو اُنہوں نے ایک پورا ہفتہ اپنی شور و غل والی نقلوں سے دُھوم مچائے رکھی - کالج کا جانا بند رہا - آج بھائی گورو داس اور بابا بوٹا مل بھی یہ تماشا دیکھ کر گوجرانوالہ کو رخصت ہوئے ہیں - امرت سر جانا ہو تو دیروار سے پہلے چلے جانا

از تیرتھ رام

۲۸ر نومبر ۱۸۹۸ء اوم شری

القاب مذکورہ بالا

تمریر میں ریشہ ابھی ہے - مشن کی نوکری میں شاید کوئی تبدیلی (ہل جل) جلدی پڑ جائے - اندرونی (اصلی) آنند دن بدن زیادہ ہی زیادہ ہی

مرے نہ ٹرے نہ جرے، ہرے تم	پرمانند سوبائیو
منگل مود بھریو گھٹ بھیتر	گور شرتی برہم نومو بتائیو
سے مجھ میں سب - گیو رہ باقی	باسدیو سو ہنگ کر جھاکی

ٹوٹی گرنتھی اودیا ناسی ا ٹھاکر ست رام ابناشی

بنا کوڑی رام بادشاہ

اوم

۱۱ر دسمبر ۱۸۹۹ء

القاب مذکورہ بالا

کرپا پتر ملا۔ جس میں لکھا تھا کہ "پتہ نہیں آپ کیا خیال کرتے رہتے ہیں"۔ یقین جانو کہ جس طرح آپ کے گجرانوالہ شریر کو پتہ نہیں کہ تیرتھ رام کیا خیال کرتا ہے۔ ٹھیک اسی طرح آپ کے لاہور والے شریر کو بھی کچھ پتہ نہیں کہ رام کیا خیال کرتا رہتا ہے۔ رام میں کوئی خیال نظر نہیں آتا۔ کوئی خیال ہو تو دکھائی دے۔ لاریب ذات اور نرمل چِد آکاش میں خیال روپی دھوئیں کہاں ؟

رام چِد آکاش نرمل گھن مانہ + پھورنا دھوئیں کداجت نانہ

خط لکھنے میں دیر کی ایک یہ وجہ ہے کہ کوئی کارڈ لفافہ پاس نہیں تھا اور کوئی پیسہ وغیرہ بھی پلّے نہ تھا۔ آج ایک کتاب میں سے تین ٹکٹ مِل گئے۔ اور آپ کا جواب طلب کارڈ بھی سامنے موجود پایا۔ خط لکھا گیا ہے ؛

یہی حال کھانے پینے کے متعلق کی اشیاء (تیل آٹا۔ گھی۔ وغیرہ) کے بارے میں رہتا ہے۔ آج لیمپ میں تیل نہیں ہے۔ اِس لئے آج رات گھر نہیں ٹھہرینگے۔ شہر کے اِرد گرد سیر کیجاوے گی۔ دونوں ہاتھوں میں لڈو ہیں ؛

اُوپر کے حالات سے یہ نہ نتیجہ نکال لینا کہ ہائے ہائے رام بڑا تنگدست اور دُکھی رہتا ہے۔ ہرگز نہیں۔ اِس بیرُونی تنگدستی اور غریبی ہی کی وجہ سے لا انتہا درجے کی امیری اور بادشاہی کر رہا ہے۔ یہ سبق پک گیا ہے کہ جب کسی حاجت کو رفع کرنے کے سامان موجود نہ ہوں تو وہ حاجت ہی محسوس نہیں ہوتی (اور واقع میں جب سامان موجود نہوں تو حاجت کا محسوس ہونا کاذب محض ہوتا ہے) پہلے تو بڑے فکر کے ساتھ ضروریات کو پُورا کرنے کی کوشش ہُوا کرتی تھی اب ضروریات بیچاری خود بخود پُوری ہو کر سامنے آ جائیں تو اُن پر آنکھ پڑ جاتی ہے۔ ورنہ اُن کے نصیب میں رام کی توجہ کہاں؟ پرارابدھ کرم اور کال دُوپی خادموں کو سَو دفعہ ضرورت ہو تو آن کر رام بادشاہ کی قدمبوسی کریں ورنہ اُس شاہنشاہ کو کیا پرواہ ہے اِس بات کی کہ فلاں غُلام مُجرا کر گیا ہے کہ نہیں۔

رام - سَو بار غرض ہووے تو دھو دھو پئیں قدم
کیوں چرخ و مہر و ماہ پہ مائل ہُوا ہی تُو
خنجر کی کیا مجال کہ اِک زخم کر سکے
تیرا ہی ہے خیال کہ گھائل ہُوا ہے تُو۔

اوم - اوم - اوم

۹ دسمبر ۱۸۹۹ء

القاب مذکورہ بالا ..

آنند - آنند - آنند - بہت آنند ہی

رات اور دن صرف زمین ہی کے واسطے ہیں - سورج میں نہ رات ہی

یہ دن ہی وہاں نو پرکاس ہی پرکاس ہے سکھ دکھ - ترشنا - اور سنتوش زمین کے لوگوں کے لئے ہیں - آپ تو پرمانند گھن ہو - پرکاش ہی پرکاش ہو ؛

رام - اہم نش کا سورج ہیں ماش ؛ اہم پرکاش - پرکاش - پرکاش
اگنی کو ٹھنڈک لگے جل کو لگے پیاس ؛ آنند گھن ہم رام سے کیا آشا کو آس

۵ اکائی ذات ہیں میری آنکھوں رنگ دیکھیں ہیں +
جو سے کرتا ہوں ہم کیا کیا - آہا ہا ہا - آہا ہا ہا +

رام

اوم

۲۵ دسمبر ۱۸۹۹ء   الفاب مذکورہ بالا

گھٹنوں میں ابھی تک تو کہیں شہر کے جانے کی امید نہیں - کچھ پتہ بھی نہیں ؛

तदेजति तन्नैजति तद्दूरे तद्वन्तिके ।
तदन्तरस्य सर्वस्य तदु सर्वस्यास्य बाह्यतः ॥

(ترجمہ) ہم چلیں ہم چلیں ناہیں - ہم نیڑے ہم دور
اندر سب کے جان ہم ہی باہر ہیں - ہم نور

رام

اس عرصہ کے بعد کے حالات گوسائیں تیرتھ رام جی سے خود قلمبند نہیں ہو سکے - اور انکی باقیماندہ زندگی میں یعنی ۱۸۹۹ء سے ۱۹۰۶ء تک تقریباً لگاتار شریمان نارائن سوامی جی (جو تب سادھو داس کہلاتے تھے) ان کے ہمراہ رہے - اس لئے اُس عرصہ کے حالات اُن ہی کی قلم سے تیسرے باب میں دئے جاتے ہیں (مؤلف)

باب سوم

سرورِ ذات و عالمِ تیاگ

(ارقلم تیرتھ نارائن سوامی شاگرد رشید پرم ہنس سوامی رام تیرتھ جی مہاراج)

جب سے رام اُترا کھنڈ سے واپس آئے۔ مستی نے اُن کی زندگی کا رُخ بالکل پلٹ دیا۔ سرورِ ذات کے بار بار اُمڈتے رہنے سے عالم محویت اُن میں دِن دُگنی اور رات چوگنی ترقی پانے لگا۔ اور دُنیوی کاموں میں ہمہ تن مصروفیت سے دِل مُنھ موڑنے لگا۔ اور جت میں تیاگ و سنیاس کی اُمنگیں اُٹھنے لگیں۔ یوں تو وُہ پہلے ہی سے تنہائی پسند تھے۔ لیکن آتم ساکشات کار (انکشاف ذات) کے بعد تو دُنیوی دھندوں سے جو بھی وقت بچتا گوشۂ تنہائی اختیار کرتے:

مشن کالج سے علیحدگی اور اورنٹیل کالج میں ملازمت

اس سرورِ ذات کے لُطف نے گوشۂ تنہائی کا شوق رام میں اتنا بڑھا دیا کہ سوائے ویدانت چرچا و آتم چنتن کے اور کسی بھی کام کو کرنے کے لئے اُن کا چت تیّار نہ ہوتا تھا۔ اِس لئے مشن کالج کی چھ گھنٹہ کی ملازمت اب کچھ دُوبھر معلوم دینے لگی۔ اِدھر تو دِل اس زیادہ وقت لینے والی ملازمت سے اُچاٹ ہو گیا۔ اُدھر قُدرت نے ایسا اتفاق بنا دیا کہ اُن کو مجبوراً ملازمت

اور اُسکے سمبندھی جانیں اور اُنکی پرار بدھ جانے - ہمیں کیا ؟ -

मनो बुद्ध्यहंकार चित्तानि नाहं न च श्रोत्र जिह्वे न च घ्राण नेत्रे।
न च व्योम भूमिर्न तेजो न वायुश्चिदानन्दरूपः शिवोऽहं शिवोऽहं॥

نہ من ہُوں نہ بُدھی نہ ہُوں چِت ہنکار
نہیں کرن جیبھا نہ چکشو نہ آکار
نہ ہُوں پرتھوی - اپ - تیج - آکاش اِو ہُوں
چِد آنند ہُوں رُوپ شنکر ہُوں شِو ہُوں

نوٹ - لڑکے سے مُراد یہاں گوسائیں تیرتھ رام جی کے دُوسرے لڑکے گوسائیں برہمانند جی سے ہے جو بی - اے - ایل - ایل - بی پاس کرنے کے بعد آجکل کسی ریاست میں ملازم ہیں -

اس سال گوسائیں جی موسم گرما کی چھٹیوں میں کشمیر کی سیر کو گئے اور سِری نگر پہنچ کر امرناتھ کی یاترا کو چلدیئے - کُل یاترا محض ایک دھوتی سے یعنی آدھی نیچے اور آدھی کاندھے پر کرکے اُنھوں نے کی - اس سیر و یاترا کا مختصر و عجیب حال گوسائیں جی نے اپنی قلم سے خود تحریر فرمایا تھا جو باب دوم میں دیا جا چکا ہے - لیکن اس یاترا سے واپس لاہور آنے کے بعد گوسائیں جی کے دل کی شانتی - پوترتا اور مستی کی شہرت شہر بھر میں پھیل گئی - اور طالبانِ حق کے گروہ کے گروہ آکر اُن کا ست سنگ کرنے لگے -

نارائین کا رام سے ملن

اتفاق سے راقم (نارائین) بھی اُن دنوں باہر سے لاہور میں آگیا اور اپنے مہربان دوست لالہ ہرلعل صاحب سانگھو حال ناظر ضلع سے گوسائیں جی کی مستی و شانتی کی تعریف سُنی - اور جھٹ اُن

کے ہمراہ اُن کے درشن کے لئے جانے کو طیار ہو گیا ؛ نارائین اگرچہ اُن دِنوں نہ کِسی سبھا کا ممبر تھا اور نہ ویدانت (تصوّف) کی تعلیم سے کچھ مس رکھتا تھا۔ صرف بھگتی تھا۔ اور سوامی دیانند جی کا ستیارتھ پرکاش پڑھ جانے سے ہر نووارد پنڈت اور سوامی سے شاسترارتھ چھیڑ لیا کرتا تھا اور اسی ڈر کے مارے کہ شاید نارائین گوسائیں تیرتھ رام جی کے پاس پہونچکر اُن سے بھی شاسترارتھ چھیڑنے نہ لگ بیٹھے لالہ ہرلعل جی نارائین کو ہمراہ لیجانے کے لئے جھجکنے لگے۔ لیکن جب لالہ صاحب کو معلوم ہو گیا کہ نارائین کے دِل پر گوسائیں جی کے رامرت سر والے لیکچروں کا گہرا اثر پڑا ہؤا ہے اور اُسی اثر کے باعث نارائین نے بھگوت گیتا کا مطالع کرنا جاری کر رکھا ہے۔ تو یہ یقین لیکر کہ نارائین چُپکے بیٹھکر اُنکے درشن کرتا رہے گا۔ اور کسی طرح کی بحث اُن سے نہ چھیڑیگا" لالہ صاحب نے ہمراہ لیجانا منظور فرمایا۔ اور وہاں پہنچکر چند گھنٹے تک چُپکے بیٹھا نارائین گوسائین جی کے درشن کرتا رہا۔ گوسائیں جی کے مستی بھرے درشن سے جو گہری چوٹ نارائین کے دل پر لگی اُس کا بیان کرنا قلم کے احاطہ سے باہر ہے ؛

نارائین کا دِل اُن دنوں مذہبی معاملات میں شکوں سے بھرا ہؤا سچائی کی تلاش میں بھٹکتا رہتا تھا۔ جس کسی پنڈت کے پاس وُہ اپنے شبہوں کو مٹانے کے لئے جاتا۔ اُن سے یا تو کچھ ذرا سی تسلّی ملتی یا بالکل خالی ہاتھ آتا۔ کئی متعصب پنڈت صاحبان کے ہاں تو یہ گت ہوتی تھی کہ جب اُن کے جواب پر ذرا سی دلیل کے ساتھ پُوچھا جاتا یا اُن کے جواب کو زیادہ صاف سمجھنے کے لئے اُن سے کچھ دلیل کے ساتھ اور سوال کیا جاتا۔ تو جھٹ یہ جواب ملتا کہ تُو تو آریا سماجی نظر آتا ہے۔ تو کبھی

مد درجے کے تھے اور اُن دِنوں لاہور کے مطبعوں میں لکھائی چھپائی عمدہ نہیں ہُوا کرتی تھی۔ اِس لئے رسالہ کے لئے ایک نیا مطبع جاری کرنے کا حُکم دِیا۔ جس پر ایک نیا مطبع محض اِس رسالہ الف کی خاطر کھولا گیا۔ اور شروع سال ۱۹۰۰ء سے اِس مطبع سے ہی رسالہ الف جاری کیا گیا۔ مطبع اور رسالہ ہردو کا انتظام نارائن کے سپرد ہُوا۔ اور مالی مدد شروع شروع میں لالہ ہرلعل صاحب کے ذمہ تھی۔ اگرچہ سالانہ چندہ سے بھی اس میں مدد ملتی تھی۔ اِس طرح سے رسالہ الف کا سلسلہ کچھ عرصہ تک جاری رہا۔ اور شروع کے دو نمبر دوبارہ سہ بارہ شائع کرکے پبلک تک مُفت پہنچائے گئے۔ پہلا نمبر رسالہ الف کا آنند کے مضمون پر تھا۔ اور غرض رسالہ ہٰذا کی لوگوں کو اپنے داتی آنند کا انکشاف کرانے کی تھی۔ اس لئے مطبع کا نام بھی آنند پریس رکھا گیا۔

سمندر کی سیر ابھی رسالہ کا ایک ہی نمبر شائع ہُوا تھا کہ رام کے اندر سمندر کی سیر کی ترنگ اُٹھی۔ اس مستی کے زمانہ میں جب کبھی کسی طرف سفر کرنے کا خیال اُٹھتا تو فوراً بغیر کوڑی پیسہ ساتھ لئے رام چل پڑتے تھے۔ یعنی نہ کوئی نقدی اور نہ کوئی دیگر سامان سفر ساتھ لیا جاتا بلکہ تن تنہا محض اپنے یارِ غار پر بھروسۂ کُلی رکھتے ہُوئے روانہ ہو جایا کرتے تھے۔ اسی طرح سمندر کی سیر کا خیال آتے ہی شام کو ایک ٹکٹ ریل کا لیکر تن تنہا چلدیئے۔ اور اُن کے واپس آنے پر معلُوم ہُوا کہ کراچی و سکھر میں خود بخود کئی ایشور بھگت اُن کی مستی پر شیدا ہُوئے۔ اُن کو اپنے اپنے مقاموں پر لے گئے اور رام کے حسب منشا سب مقامات دیکھے گئے۔ کراچی پہنچکر سمندر کی سیر کا جو لُطف

اُٹھاتا اُس کا مفصل حال اپنی قلم سے گوسائیں جی نے خود قلمبند کر کے رسالہ الف میں چھپوایا تھا۔ جو باب دُوم میں دیا جا چکا ہے ؛

رام اور ایک بھگت کی چرچا

رسالہ الف جاری ہوئے پر رام اب دن رات طرح طرح کے مضامین لکھنے میں مشغول رہنے لگے جو مستی و آنند اُنہیں اس تحریر و تصنیف کے کام میں محسوس ہوتے وہ ہرگز کالج کے کام میں نہ ہوتے تھے۔ اگرچہ کالج میں دو گھنٹے کے لئے ہی جانا ہوتا تھا اور وہاں ویدانت و ریاضی ہی پڑھانی پڑتی تھی تاہم ایک ہی کتاب یا مضمون کا بار بار پڑھانا اور یاد کرانا دل کو زیادہ محظوظ نہیں کرتا تھا۔ اس لئے اس ملازمت کو بھی چھوڑنے کے لئے گھڑی گھڑی ترنگ دل سے اُٹھتی تھی۔ اور جب ترنگ کی خبر ذرا رام پیاروں میں پھیل گئی تو ایک رام پیارا گوسائیں جی سے اس ترنگ کو روکنے کے لئے عرض کرنے آیا۔ جس پر باہم بہت دیر تک سوال و جواب ہوئے۔ اُس کل گفتگو کی نقل (جو اُن دنوں کسی اخبار میں چھپی تھی) برائے ملاحظہ نیچے دیجاتی ہے ؛

بھگت:- آپ نوکری کیوں چھوڑتے ہیں؟ آپ کا گزارہ کیسے چلے گا۔؟ پیٹ کا پالنا دھرم ہے۔ اپنا اور سرندھیوں کا فکر رکھنا چاہیئے۔ دُوسرے کے در پر جانے اور بھگوا بھیس دھارن کرنے سے کرتار نہیں ملتا۔ گرہست میں سب کچھ ہو سکتا ہے۔ اور گرہست کو تیاگ کرنا پاپ ہے۔

رام- (۱) نوکری کرنا تو نوکروں کا کام ہے۔ میں واحد رام بادشاہ ہوں نہ میں نوکر ہوں۔ نہ میرا کوئی مالک ہے۔ میں خود اپنی ہستی میں قائم ہوں۔ شاہ و شہنشاہ میرے آگے سجدہ کرتے ہیں۔ میں جسم نہیں ہوں۔

مَیں جسم و جان سے مُبرّا ہُوں۔ یہ بڑی غلطی ہے کہ تم مجھ کو جسم خیال کر رہے ہو۔ مَیں تمہاری رُوح ہُوں۔ تمہارا آتما ہُوں۔ تمام کائنات کا مَیں آتما ہُوں۔ پانچ عناصر میرے نوکر ہیں۔ زمین و آسمان میں ایسا کُوٹ کُوٹ کر بھرا ہُوا ہُوں کہ ایک ذرہ بھی میری ہستی سے خالی نہیں۔ کیا میں بیٹھ بالو ہُوں؟ مَیں اپنے تختِ حقیقی پر جلوس کرتا ہُوا ہر بشر۔ حیوان درند پرند۔ نباتات و جمادات میں حیاتِ لازوال ہُوں۔ جب تک اپنے آپ کو جسم میں محدود گردانتا تھا یہ جسم نوکری کرتا تھا۔ اب رام نے اپنی چشمِ حقیقی سے دیکھا تو ہر جگہ اپنے آپ کو محیط پایا۔ آپ کہتے ہیں۔ نوکری؟ یہاں جسم ہی ندارد۔ دل ندارد۔ دماغ ندارد۔ جان و جہاں ندارد اب رام مالک اور نوکر واحد آتما دکھتا ہے۔ پیٹ تشنیٹ ہو گیا۔ دل دریا ہو گیا۔ دماغ دارِ بقا ہو گیا۔ ہاتھ پاؤں جھڑ گئے اور امرت کے چشمے روم روم سے جاری ہوئے آسمان سلام کرتے کرتے کمر ٹیڑھی کر بیٹھا۔ سُورج دیدار کرنے سے روشن ہو گیا چاند چمکنے لگا۔ ستارے دیوالی ہر شب مناتے ہیں۔ درخت گلدستہ تیار کرکے رام کے پاس آتے ہیں۔ غرض یہ کہ جو کچھ نظر آتا ہے۔ یہ میرا جلوہ ہے۔ اے پیارے! رام میں جسم کو غرق کر دے۔ تب تم کو اس نقطۂ حقیقت کی خبر ملے گی ؎

(۲) مَیں خود گُذارہ ہُوں میرا گُذارہ کسی غیر چیز پر منحصر نہیں۔ کیا مجھ کو بھی دُنیاوی حس کی سٹاک بُک میں درج کرتے ہو؟ مَیں خود تمام کائنات کا گُذارہ ہُوں۔ ہر جسم و جان کو ذرّہ ذرّہ میں میری ہستی سے گُذارہ ہے۔ خوراک اور پوشاک جس کو تم گُذارہ خیال کرتے ہو وہ صرف تمہارا خیال ہی ہے۔ لباس، اور اشیائے خوردنی اصل میں کیا ہیں۔ ان کا سُراغ تو

لنگائی۔ ان کا حسب نسب کون ہے؟ اے پیارے! تمہارا آتما ہی بہ حیثیت لباس اور خوراک موجود ہے۔ لباس کی اصلیت کپاس ہے۔ کپاس نباتات کی شکل میں اوم اوم کہتی ہوئی زمین سے نکلی ہے۔ سورج کا نور ہی نباتات ہے۔ زمین کا حسب نسب سورج ہے۔ سورج کا گذارا کیا ہے؟ اس کی ہستی کس لباس اور خوراک پر منحصر ہے؟ اسکی ہستی اے پیارے! رام پر منحصر ہے۔ میں رام ہوں۔ حکمہ سورج کا میں آتما ہوں۔ تو لباس اور خوراک کی کیا دال گلتی ہے۔ جب کہ شاہنشاہ ہی مجھ سے روپیہ قرض لے رہا ہے اور میرے اشارہ سے کام کرتا ہے۔ تو رعیت اور سپاہ کی چوں چرا سے کیا حوف۔

(۳) پیٹ کا پالنا بے شک دھرم ہے۔ لیکن دھرم کا پالنا پیٹ کے باپ کا پالنا ہے۔ اے پیارے! بلنواش کر۔ یہ صرف تیرا خیال ہے۔ میں یہ نہیں کہتا کہ تو روٹی نہ کھا۔ لباس نہ پہن۔ روزی نہ کما۔ کام کاج نہ کر۔ یہ میرا مدعا ہی نہیں۔ میں یہ کہتا ہوں کہ اصلی اور سچا کام اپنے آپ کو جاننا ہے اور باقی ماندہ فعل خود بخود ہو رہے ہیں۔ پیٹ کے جال میں پھنسکر ہی تو بار بار پیٹ میں دورہ کر رہا ہے۔ اس ناڑۂ جہالت کو برہم ودیا کی چھری سے کاٹو کہ پیٹ کا فکر ہی جاتا رہے۔ یہ ناڑہ کسی اودیا کی چھری سے کاٹا ہوا پھر نکل آتا ہے۔ اگ پڑتا ہے۔ میں نے تمہارا پیٹ ہی بھرنے کے لئے یہ پیٹ ھینٹ کیا ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ تم کو پیٹ سے پاس ہو کر جماعت روحانی میں تعلیم دی جائے میں چاہتا ہوں کہ پارچہ بافی کی کھڈی کی جگہ تم کل یعنی مشین کی کھڈی سے کام لو۔ اب یکہ و بیل گاڑی کا زمانہ جاتا رہا ہے۔ اب ریل گاڑی ٹیلیگراف

جار۔ اور ورکشاپ تمہاری خدمت میں موجود ہیں اب تو پانی اور اگنی دیوتا تمہاری خاصی خدمت کرتا ہے۔ یہ سائنس کی ترقی صرف پیٹ کے واسطے ہے۔ جب دیوتا تمہاری خدمت کرتا ہے تو تم کو اب پیٹ کے دھرم سے کوئی سروکار نہیں۔ بلکہ تختِ حقیقی پر تکیہ لگا کر بیٹھو۔ اور میٹھے میٹھے پانچ عناصر سے کام لو۔ خدا تم ہو۔ تم ہی خدا ہو۔ صرف کمزوری سے چل نہیں سکتے۔ کیونکہ جہالت اور اس گمان نے کہ میں بندہ ہوں نہایت دُبلا کر دیا ہے۔ لیکن بولنے و پانی پینے اور چانول ہضم کرنے کی طاقت تم کو ہے۔ جب تم بیمار ہوتے ہو تو دُنیاوی بیوپار کی باتیں تمہارے دربار میں پیش رہتی ہیں۔ گو تمہاری صحت ٹھیک نہیں۔ لیکن حساب کا لینا دینا۔ مقدمہ بازی کے خیالات۔ دوست و دشمن کی تمیز۔ نفع و نقصان۔ یہ میرا یہ تیرا۔ سب فعل ویسے ہی جاری ہیں۔ تم کو اپنی صحت کا خیال کہاں؟ تم تو اشیاء بے بُنیاد (یعنی گھر کا سامان) کے بگڑ جانے سے ہر دم بگڑ رہے ہو۔ خبر ملی کہ مقدمہ ہارا گیا۔ بس تمہارا دم ہار گیا۔ پوسٹ کارڈ میں کیا لکھا ہے۔ "رام جی بکتے ہیں چانول میں تین ہزار نفع ہُوا"۔ بس پھر دَم آگیا۔ اور مُنہ پر سُرخی نمایاں ہُوئی۔ بھینس نے آج دُودھ نہیں دیا۔ بدمعاش نوکر۔ نکال دو اس کو۔ نہ حرامی ہے۔ نمک حرام ہے۔ اِس کی مستی ہے اِس نے خیال نہیں رکھا۔ اور بچّہ دُودھ پی گیا ہے۔ ذرا نیند آگئی۔ خواب میں نوکر کو گالی گلوچ دے رہے ہیں۔ لاٹھی لے کر بھینس کو مارا۔ اور مضبوط رسّی لے کر بچّے کے گلے میں باندھ دی۔ تاکہ پھر ایسا نقصان نہ ہو۔ بھگت جی کو مت جگاؤ۔ اب ذرا آنکھ لگ گئی ہے۔

اب آرام میں سو رہے ہیں۔ بھگت جی اِدھر تو سو گئے۔ مگر خواب میں
وہی بے آرامی وارنٹ لئے اُن کو پلس و پیش کر رہی ہے۔

۵ تم ہو پیٹ۔ زباں پدارتھ ہو | تُم آتم رام یتھارتھ ہو
کیوں شور مچاتے اکارتھ ہو | تم دین دیال پدارتھ ہو
رام تُم کو خوب نچائے گا | خود مستی بس ہی لائے گا
بندہ سے خدا بنائے گا | پردۂ جہالت مٹائے گا
پیٹ کو سینٹ بنائے گا | تم کو اس کا ٹھیٹ بتائے گا
رام کرشن کو کیا یاد کرتے ہو | خود آتم دیو تُم ہی ہو
کرو لستو آشن نج آتم پہ | آتم دیو تُم ہی ہو
مرض لگا ہے تم کو بھاری | دوائی اِس کی کاری ہے
ہر ایک کو تُم رام ہی جانو | نُسخہ واحد باری ہے

(۴) اپنا اور سمبندھیوں (رشتہ داروں) کا فکر رکھنا چاہیئے۔ ہمارے! بہت اچھا بھگون! پہلے تو یہ جاننا لازمی ہے کہ اپنا کیا ہے۔ اور سمبندھی ہمارا کون ہے۔ کیا یہ جسم اپنا ہے؟ جسم بذاتِ خود قائم ہے یا اُسکی ہستی کسی اور شے پر مبنی ہے؟ اگر جسم بذاتِ خود قائم نہیں تو یہ ہمارا اپنا کیا ہو سکتا ہے۔ جو آپ ہی لنگڑا۔ لنجا۔ اندھا۔ بہرہ۔ گونگا ہے۔ وہ ہمارا اپنا کیسے؟ ایسے کو اپنا بنانے سے سر پر آفت برپا کرنا ہے۔

پیارے! یہ کس کے آسرے ہے؟ پیارے! یہ جسم اپنے آپ ہے یا اور کوئی اس کا اپنا آپ ہے؟ آتما اس کا اپنا آپ ہے۔ اُسکی شکتی سے یہ جسم قائم ہے۔ آتما بذاتِ خود قائم ہے۔ اور جسم مثل سایہ کے اپنے آپ کچھ نہیں۔ جب جسم خود قائم نہیں تو کوئی سمبندھی (رشتہ دار) نہ نکلا۔ اصلی سمبندھی تو آتما ہی نکلا۔ خواہ اِدھر دیکھو۔ خواہ اُدھر دیکھو

آتما ہی جلوہ کناں ہے - اب تو آپ کی زبانی ثابت ہو گیا کہ اصلی سرتبدھی آتم دیو ہے جو چاروں طرف مختلف نام و رُوپ میں موجزن ہے - یہ نام و رُوپ آپ کی طرف سے منسوب ہوتا ہے - ورنہ نام رُوپ بھی کوئی نہیں - صرف آتما ہی آتما ہے - یا تُم ہی تُم ہو - اپنے آپ کو خُدا کہنے سے مت ڈرو - تُم کو شہنشاہ مانتے ہیں - خوف کرنا بے معنی - جسم سے نگاہ اُٹھا کر یہ خیال کرو - کہ جو رامؔ اِس جسم کے روم روم میں ویاپک ہے - وہی رامؔ کُل کائنات کے روم روم میں ویاپک ہے - مگر چونکہ رامؔ ایک ہے اِسلئے مَیں اِس رامؔ کی طرف سے کہہ سکتا ہُوں کہ مَیں رامؔ ہُوں - اگر تُم کو ڈر لگتا ہے تو میری طرف سے زور کے ساتھ کہا کرو کہ "مَیں رامؔ ہُوں - مَیں رامؔ ہُوں - مَیں رامؔ ہُوں" - رامؔ تُم کو اجازت دیتا ہے - اور قانون پاس کرتا ہے کہ ہر ایک شخص کو رامؔ کی طرف سے صرف حکم ہے کہ وُہ رامؔ کا سکّہ چلا وے - اور جعلی سکّہ بند کرے - ورنہ گرفتارِ جیلِ جہالت ہو گا - ہر ایک جسمانی سکّہ پر رامؔ رامؔ لکھا ہُوا ہے ذرّہ ذرّہ پر رامؔ کندہ ہے - تمہاری زبان - آنکھ - ناک - کان تمام جسم کیا ہے ؟ صرف رامؔ کا سکّہ ہے - اگر تُم کو رامؔ کہنے سے خوف آتا ہے تو یہ زبان تمہاری نہیں - زبان رامؔ کی ہے پس رامؔ کی زبان سے پکارو "مَیں رامؔ ہُوں" - "مَیں خُدا ہُوں" - "مَیں آتم دیو ہُوں" - "مَیں شہنشاہِ جہان ہُوں" - "مَیں سرو ویاپک ہُوں" - "مَیں کرتار ہُوں" - یہ کلمہ تمہاری طرف سے نہیں - جس کی زبان ہے اُسی کا کلمہ ہے - پس تُم برہمؔ ہی برہمؔ ہو - ایک منٹ میں خُدائی مِل جائے تو اور کیا چاہیئے - ہر ایک شخص کہتا ہے - کہ ہمارا کچھ نہیں - جسم رامؔ کا ہے - رامؔ ہی تو آپ کا ساتھی ہے -

اور تم کو - حکم دیتا ہے - کہ جس کا جسم ہو - اُسی کی زبان ہے - پس اُس زبان سے ہمارا
قبول کلمہ نکلتا ہے - (رام کی زبان سے رام کہتا ہے - کہ "میں رام
ہوں" - "میں خدا ہوں" - دن رات ایسا کلمہ کہنا چاہیئے - یہی پاک کلمہ
ہے - اور یہی سکّہ جاری ہونا چاہیئے) جعلی سکّہ اب بند کرو کہ "میں بندہ
ہوں" - یہ سکّہ جس کے پاس ہو رام کے خزانہ میں روانہ کرتے جاؤ -
اور نیا شاہی سکّہ (کہ میں رام ہوں) منگوالو - رام نے اب حکم جاری
کر دیا ہے کہ جس کے پاس جعلی سکّہ ہو اُس کو رام کے پاس لے آؤ -
رام بڑی محبّت اور پریم کیساتھ اُس سے جعلی سکّہ کو واپس لے کر اُسے
اصلی سکہ کی حالت میں تبدیل کر دیگا - جیسے طفلِ نادان کے ہاتھ
میں اگر چاقو یا دیگر اوزار نقصان دینے والا ہو تو مٹھائی وغیرہ
نذرانہ پیش کرکے اُس سے چھینا جاتا ہے - مطلب صرف یہ ہے - کہ
چاقو اُس کے جسم پر لگ جاوے گا + ایک لا محدود کو حد میں لانے
والا کلمہ کہ "میں بندہ ہوں" - جرم نہیں تو کیا ہے؟ تم کس کو بندہ
کہتے ہو؟ جب جسم میں تمہارا کچھ نہیں اور تم اپنی زبان سے کہتے ہو
کہ یہ رام کا ہے - اور واقعی روم روم میں رام ہے - تو میں کون
ہے اور بندہ کون ہے؟ یہاں تو ایک ہی "میں" ہے جو دیایک ہے -
دیایک رام ہے - بندہ نظر نہیں آتا - بندہ کہاں ہے -؟ اگر کوئی بندہ ہے - اور
اُس کا وہم و گمان دور نہیں ہوتا تو رام کے پاس آسکتا ہے - اور رام
اُس کو ایک نگاہ سے پار کر دیگا - چشمۂ آبِ حیات میں اُس کو غسل
دے گا - اور کاگ سے ہنس بنا دیگا - اپنا اور سرشٹی کا فکر ذاتِ الٰہی
میں بدل دیگا - اور تم کو رام بنا دے گا - بس اب تو چاندی ہے - قدرت

تمہاری مادری بنے۔

(۵) پیارے ! رام کو دُوسرا کوئی نظر نہیں آتا۔ آپ کو دُوسرا نظر آتا ہے یہ جنم کا دوش ہے۔ جب رام کو دُوسرا نظر آیا۔ تو رام کی سلطنت کون سنبھالے گا۔ رام تو واحد ہے۔ جیسے کہ سُورج کو کوئی لباس دھارن کرنے کی ضرورت نہیں۔ اپنی ذات میں پرکاش وان ہے۔ وَیسے ہی رام اپنی ذات میں مست۔ سُرورِ رُوحانی برساتا ہُوا اپنی ذات میں قائم ہے۔ لوگوں کو گھومتا ہُوا نظر آتا ہے۔ کرتار میں ہی ہُوں۔ اَور کرتار کی ضرورت نہیں۔ گرہست آتم پد میں رہنے کا نام ہے۔ اپنی ذاتِ الٰہی میں ہمیشہ آنند رہنے کا نام گرہست ہے۔ جو آتم پد سے بے بہرہ ہے وُہ جنگل کا جوان ہی بلکہ مُردہ ہے۔ اگر گرہست کو تیاگ کرنا پاپ ہے تو میں اپنے گرہست آشرم یعنی نج آتم میں رہتا ہوں۔ اور ایک منٹ مجھ کو سرورِ رُوحانی۔ وحدت بینی سے فرصت نہیں۔ پیارے! میں اپنے گرہست میں قائم ہُوں۔ اِسلئے میں پاپ پُن سے مبرّا ہُوں۔ کھانا رام۔ پینا رام۔ دیکھنا رام۔ سُننا رام سُونگھنا رام۔ چلنا رام۔ بجز ذاتِ رام دیگر خیال کرنا حرام۔ اس کا نام اصلی گرہست ہے۔ میرے پیارے! ہوش میں آؤ۔ رام کو الزام نہ لگاؤ۔ اچھا۔ آپ کی مرضی۔ رام اندر سے آپ کو جاپی لگائے گا۔ اور چشم حقیقت کا پردہ دُور کرے گا۔ یہ تمہارا قصور نہیں۔ یہ صرف جہالت ہے۔ اوم رام ؛

بن باس یعنی رام کا بان پرست آشرم	اِس مسئٰی مجسّم رسالہ الف کے ابھی تین نمبر ہی نکلے تھے کہ گیان کی لالی رام کے قلب کے اندر

نہ سما سکی بلکہ پھُوٹ پھُوٹ کر باہر شُعلہ زن ہُوئی۔ یعنی رام مہاراج

کو محض دس گز زمیں پر ختم کر بیٹھنا یا خانہ داری کی چار دیواری کے اندر گھرنا اور قصبوں کے ہجوم میں گھومتے پھرنا اب مشکل بلکہ دوبھر سا ہو گیا۔ اِس لئے رنگے ہوئے دل سے بےبس ہوئے رام جولائی سنہ ۱۹۰۰ء میں ملازمت وغیرہ چھوڑ کر جنگلوں کو سدھارے۔ بیوی بال بچّے ساتھ ہو لئے۔ سوامی شوگن آچاریہ۔ لالہ تُلا رام (بعدازاں سوامی راما نند) لالہ گورو داس (بعدازاں سوامی گوبند آنند) اور امرتسر نواسی بِکّے شاہ ہمراہ چلے۔ اور نارائن کو بھی الفت کا جھنڈا ساتھ لیکر رام کے ہمرکاب رہنے کا حکم نازل ہوا :

جب رام لاہور کے مکان واقع ہرچرن کی پوڑی وچھووالی سے باہر نکلے تو راستہ میں اُن کے آگے بھجن منڈلیاں۔ کالجوں کے طلبا ویراگ کے بھجن میٹھے پریم بھرے دل سے گاتے ریلوے سٹیشن تک آئے۔ راستہ بھر رام کے اُوپر پھولوں کی برشا خوب ہوئی۔ ریلوے سٹیشن پر رام پیاروں کا ہجوم بےشمار تھا۔ ریل کے عین روانہ ہونے وقت نارائن نے ذیل کا بھجن (جو رام سے گزشتہ رات لکھا گیا تھا) خوب گایا۔

(راگ بھیروں تال سُول)

الوداع اے میری راھی! الوداع	الوداع اے پیاری راوی! الوداع
الوداع اے اہلِ خانہ! الوداع	الوداع معصومِ ناداں! الوداع
الوداع اے دوست و دشمن! الوداع	الوداع اے نشست اُٹھن! الوداع
الوداع اے کتب و تدریس! الوداع	الوداع اے خمث و تقدیس! الوداع
الوداع اے دِل فدا! اے الوداع	الوداع رام الوداع اے الوداع

اس بنوباس کا کُل مفصّل حال رام نے اپنی قلم سے تحریر فرماکر رسالہ

بعد ہی علیحدہ طرف روانہ ہونا پڑا۔ اور سوامی جی کو الگ طرح اکیلے سفر کرنے کی درخواست کی گئی + اس طرح سے ہم سب لوگ (رام مع ہمراہیوں کے) دیو پریاگ سے بطرف ٹیہری چلدیئے اور سوامی تیوگن آچاریہ جی وہاں سے سری نگر اور سری نگر سے کاٹھ گودام ہوتے ہوئے میدانوں میں پہنچ گئے۔ اور بعدازاں متھرا میں جاکر برلب جمنا جاگزیں ہوئے۔

ہردوار سے دیو پریاگ ۰۷ میل کے قریب ہے۔ اگرچہ ہردوار سے سیدھے مزدور تو بدری نارائن تک جانے کے لئے کئے گئے تھے مگر تھوڑے ہی فاصلہ تک سفر کرنے سے سوامی جی کے مزاج شریف سے جب واقفیت ہوئی تو ہم سب کا رُخ بالکل پلٹ گیا۔ اور بدری نارائن تک اُن کے ہمراہ چلنے کا ارادہ چھوڑ کر ہم لوگ بطرف گنگوتری چلدیئے۔ جب ٹیہری پہنچے تو سب کا دل اُدھر ہی کسی بن میں ڈیرے جمانے کی ترغیب دینے لگا اور رام خود بھی گنگا کنارے پر کسی ایکانت ستھان کی دریافت کرنے لگے۔ رفتہ رفتہ ایک نہایت سُندر عالی شان باغیچہ گنگا کے کنارے پر بالکل تنہائی میں مِلا۔ یہ مقام ٹیہری سے قریب دو میل کے فاصلہ پر تھا۔ اِس باغیچہ کا مالک سیٹھ مُرلی دھر تھا جسنے محض ایکانت ابھیاس کے لئے قریباً انیس ہزار روپیہ صرف کرکے اِسے بنوایا تھا۔ اسکو محض سادھوؤں کے ایکانت ابھیاس کے لئے سنکلپ کرچکا تھا۔ رام کو یہ ستھان نہایت ہی اعلیٰ و ایکانت پسند آیا۔ اِسلئے ہم سب نے وہاں ڈیرے جما دیئے + ڈیرہ جمانے کے ایک دن بعد جس قدر نقدی برائے سفر خرچ نارائن کے پاس باقی تھی وہ رام نے سب گنگا میں پھکوادی۔ اور فرمایا کہ "اب پراربدھ یا بھگوت مرضی پر

تسریر کو چلانا ہی اور روپیہ غیرہ کے آنیرے اسے نہیں رکھا ہے۔ اِس لئے کچھ بھی نقدی اب پاس نہ رہنی چاہیئے"۔

دوسرے دِن سب کو ایکانت سنتھان میں گنگا کنارے الگ الگ بیٹھکر اہنگرہ اُپاسنا کرنے کا حکم دیا اور یہ اعلانیہ کہدیا کہ "آپ ایشور پر نشچیہ کرکے بے فکر ہو سب ابھیاس کرو۔ اگر ایشور کو سب کا خیال ہی اور آپ سب کو اُس پر پکا وشواس ہے۔ تو آپ کے پاس بیٹھے بٹھائے سب کچھ کھانے کا سامان موجود ہو جائیگا۔ اور اگر نشچیہ یا وشواس کی کمی سے بھوکا مرنا پڑا تو ایسی موت جینے سے ہزار درجہ بہتر ہے"۔ اس طرح ہم لوگ بموجب حکمِ رام چند گھنٹے رلب گنگ الگ الگ بیٹھے ابھیاس کر رہے تھے کہ اتنے میں کیش کے کلکتہ مکھیتر کے منیجر بابا رام ناتھ جی ایک دوکاندار کے ہمراہ وہاں آ نکلے۔ یہ اپنے کھشتروں کے انتظام میں اُتر کاشی کا دورہ کر رہے تھے کہ راستے میں اُن کو رام کے جنگلوں میں آنے کی خبر ملی + منیجر صاحب صرف درشن کے لئے آئے تھے۔ مگر رام کی مست حالت کو دیکھ کر وہ ملا ایک دو بات پوچھے نہ رہ سکے + وہ بات چیت مختصراً یہ تھی

منیجر:- مہاراج آپ کب یہاں گنگا کنارے آئے۔

رام:- کل۔ بس اتنا کہکر رام پھر خاموش ہوگئے۔

تھوڑی دیر بعد

منیجر:- مہاراج! بھوجن کا کیا پربندھ ہے؟

رام:- (اوپر آسمان کی طرف اشارہ کرکے) یہ اُس (بھگوان) سے پوچھو۔ اس کے بعد پھر چند منٹ خاموشی طاری ہوگئی۔ ذرا غور کے بعد

منیجر:- مہاراج! یہ شخص (لالہ بنواری لعل) اوپر راستہ میں دوکاندار

ہے اُس کو مَیں حکم دیئے جاتا ہُوں کہ دس روپیہ ماہوار کا آٹا - دال - چاول وغیرہ یہاں آپ سب کے بھوجن کے لئے پہنچا دیا کرے - براہِ مہربانی اِس کو قبول فرماویں۔

رام:- اِس بارہ میں اگر پوچھنا ہے - تو اُس برہمچاری (نارائین) سے جو دُور کنارے پر اکیلے بیٹھا ہے پوچھو۔

اِس پر نارائین کو آدمی بھیجکر بلوایا گیا۔

منیجر:- (نارائین سے) مہاراج - ! آپ سب لوگوں کے بھوجن کے لئے مَیں دس روپیہ ماہوار کی رسد کا انتظام اس دوکاندار سے کیا چاہتا ہُوں - (تاکہ آپ کے بھجن میں جب تک آپ لوگ یہاں رہیں بھوجن کا خیال رکھن نہ ڈالنے پائے) - اسے آپ قبول فرماویں۔

نارائین نے آجتک کبھی دُوسرے کا دان کھایا نہیں تھا اور نہ دِل ہی مانگ کر کھانے کو تیار ہوتا تھا - جھٹ انکار کر دیا - اور کہا سوائے ایشور کے کِسی دُوسرے کا دیا ہُوا ہمیں قبول نہیں + اس پر

رام:- "دیکھو نارائین! اگر رسد کا انتظام یہ خود کرتے ہیں تو جبتک نامنظور کرو - اور اگر یہ انتظام بھگوان ان کے ہاتھ سے کرواتے ہیں تو منظوری میں پس و پیش کی کوئی وجہ نہ ہونی چاہیئے" تس پر

منیجر:- "مہاراج! مَیں حقیقت میں کچھ بھی نہیں کر رہا ہُوں - نہ مَیں اِس انتظام کے خیال سے یہاں آیا تھا - بلکہ محض درشن کے لئے یہاں آیا تھا - آپ کے مست درشن سے ایشور نے میرے دِل میں یہ پوچھنے کی اُمنگ پیدا کر دی - جس پر اُن کی ہی پریرنا (تحریک) سے مجھے ایسا انتظام کرنے کی سُوجھی - یہ سب بھگوان ہی کرا رہا ہے - مَیں حقیقت میں کچھ

نہیں کر رہا ہُوں۔ اُسے آپ بخوشی قبول فرمائیے" + اسپر یہ انتظام منظور کر لیا گیا۔

اس طرح پر منیجر مذکور اپنے ہمراہی دوکاندار کو دس روپیہ ماہوار کا غلّہ بھیجنے کا حُکم دے گئے۔ اور عین نو بجے صبح کو (جیسا کہ حسب معمُول ہم سب کے لئے کھانا پکانا شروع ہُوا کرتا تھا۔) کافی رسد پہنچ گئی۔ اور اس عجیب واقعہ کو دیکھ سب حیران ہو گئے۔ اور آئندہ کے لئے دِل میں ایشور پر وشواس اور زیادہ زور پکڑ گیا۔ اِس کے بعد کسی طرح کا فکر و خیال پیٹ کی خاطر کسی کے دِل میں نہ آنے پایا + اِس طرح جب ہم سب خُوب جم گئے اور باقاعدہ زندگی بسر کرنے لگے۔ تو ہر ایک کا دِل ایکانت میں دن بدن خُوب لگنے لگا۔ اور رامؔ کی قلم بھی پہلے کی نسبت نہایت زور و مستی کی ترنگ میں بہنے لگی۔ اُس بن میں رہ کر جو کچھ بھی مفصل حال دربارۂ بن باسِ رامؔ اور حالاتِ سنیاسِ رامؔ کی قلم سے نکلا تھا۔ اُس کی نقل برائے ملاحظہ گزشتہ باب دوم میں دی جا چکی ہے۔ لیکن چند خطوط جو اُن دنوں رامؔ کی قلم سے اپنے کئی پیاروں کے پاس گئے تھے اور جن کو نارائن نے جو رسالہ الف میں شائع کرایا تھا اور جو خمخانۂ رامؔ کی جلد اوّل کے الف نمبر ۴ تا ۶ میں صفحہ ۱۹۹ سے ۲۰۸ میں دیئے جا چکے ہیں۔ ان کا یہاں واضح کرنا بہت موزوں و ضروری ہے۔ اِس لئے اُنہیں یہاں بھی دوبارہ دیا جاتا ہے۔

خط نمبر (۱)

رات کا وقت ہے بیاباں ہے	خوش وضع پربتوں میں میداں ہے
آسماں کا بنا ہُیں کیسا ہم حال	موتیوں سے بھرا ہُوا ہے تھال

چاند ہے موتیوں میں لال دھرا ۔۔۔ ابر ہے نہال سر رومال پڑا
سر پہ اپنے اُٹھا کے آسا نقال ۔۔۔ رقص کرتی ہے نیچر خوش حال
باد کو کیا مزے کی سُوجھی ہے ۔۔۔ رام کے دل کی بات بُوجھی ہے
پاس ہو بہ رہی ہے گنگا جی ۔۔۔ ق اجرے اُس کے لڈ لڈاتے ہی
لا رہی لیک کرہے رام کے پاس ۔۔۔ کیا ہی ٹھنڈک بھری ہے گنگا باس
فخر خدمت سے باد ہے خورسند ۔۔۔ جا ملی بادلوں سے ہو کے بلند
اب تو اٹکھیلیاں ہی کرتی ہے ۔۔۔ دامنِ ابر کو اُلٹتی ہے:
لو اُڑایا وُہ پردہ و رومال ۔۔۔ آسمان ہے دکھاتا مالا مال
شاد نیچر ہے۔ جگمگاتی ہے۔ ۔۔۔ آنکھ ہر چار سُو پھراتی ہے۔
کیا کہُوں چاندنی میں گنگا ہے ۔۔۔ دُودھ ہیروں کے رنگ رنگا ہے!
واہ! جنگل میں آج ہے منگل۔ ۔۔۔ تیر کر اس طرف کی۔ چل۔ چل۔ چل

۱؎ اے جاں بیا بیا کہ این دُنیائے دیگر است
آبے دِگر ہوائے دِگر جائے دیگر است

خط نمبر (۲)

آ دیکھ لے بہار کہ کیسی بہار ہے
گنگا کا ہے کنارہ عجب سبزہ زار ہے ۔۔۔ بادل کی ہے بہار ہوا خوشگوار ہے
اور خوشنما پہاڑ پہ وُہ چشمہ سار ہے ۔۔۔ گنگا دُھنی سُریلی ہی کیا لُطف دار ہے
آ دیکھ لے بہار کہ کیسی بہار ہے
باہر نگاہ کیجئے تو گلزار ہے کھلا ۔۔۔ اندر سُرور کی تو بھلا حد کہاں مِلا

(۱) اے پیارے! اِدھر آ۔ اِدھر آ۔ یہاں دُنیا ہی اور قسم کی ہے۔ کیونکہ یہاں کا پانی نرالا۔ ہوا نرالی اور مقام نرالا ہے:

کالج قدیم کا نہ سبر مو نہیں ہلا | پڑھاتا معرفت کا سبق ہمرا یار ہے
آ دیکھ لے بہار کہ کیسی بہار ہے
وقتِ صباحِ عید تماشا تیار ہے | گلگونہ مُنہ پہ ملکے کھڑا گلعذار ہے
شاہِ فلک سے با حو ہُوئی آنکھ چار ہی | مارے شرم کے چہرہ بنا سُرخ نار ہے
آ دیکھ لے بہار کہ کیسی بہار ہے
قطرے ہیں اوس کے کہ گوہروں کی قطار ہے | کرنوں کی اُن میں بُل بے نزاکت ہزار ہی
مُرغانِ خوش نوا تمہیں کا ہے کی عار ہی | گاؤ بجاؤ سب کا مثا دِل سے بار ہی
آ دیکھ لے بہار کہ کیسی بہار ہے
ساقی وُہ مے پلاتا ہے۔ سُرخی کو بار ہی | ہر وقت اتنا بار بھی اپنے کنار ہے
واہ! کیا مزے سے مکانکو غم کا شکار ہے | درش شراب ناب ۔ سخن دِل کے پار ہی
آ دیکھ لے بہار کہ کیسی بہار ہے
مستی مدام کار یہی روزگار ہے | گُل بین نگاہ پڑتے ہی پھر کسکا خار ہی
کیوں غم سے تو نزار ہے کیوں دِلفگار ہی | جب کرم قلب میں ترے خود یارِ غار ہی
آ دیکھ لے بہار کہ کیسی بہار ہے

خط نمبر (۳)

دسواں گرہ اوبتاس ہے تو گرہ کا جو مُول
جب لگ دِبہ ابھمان ہے۔ تب لگ مِٹے نہ سُول
تب لگ مِٹے نہ سُول رے کبتی چترائی
دیو بجھے۔ جب سجے۔ نہ سُہر کوئی ہوت سہائی
کہے گردھر کوی رائے گیان دِردِھ دیوے تیشمہ
مُول اودیا ناش ہووے گرہ رہے نہ دسواں

دینی دمڑی ایک نہ، لینے کو نہ چھدام
گانٹھ باندھ نہیں چالتے۔ ٹوٹا ایک بدام
پھوٹا ایک بدام نہ راکھیں دُوسرے دِن کو
بنا اپنے آپ بھروسا اور نہ جن کو
کہے گردھر کوی۔ رائے رہی نہ باقی لینی
کبنو جیبی حساب نہ کسی کوڑی دینی ۞

[1] In no way can the overflowing joy of Rama be described Peace reigns supreme

[1] رام کے اندر سے اُمڈتے ہوئے آنند کا بیان کسی طرح سے بھی فی الحقیقت نہیں کیا جا سکتا۔ قلب میں شانتی سب سے بڑھ کر راج کر رہی ہے (یعنی قلب شانتی سے لبالب بھرپور ہے) من آنند سے بھرا ہوا ہے۔ رام کے اندر آسمانی (عُلائی) مسرّت و بشاشت جوش مار رہی ہے جسکی ربانی شعاعیں (روشنی) ہروقت چمک دمک رہی ہیں۔ دلِ صنوبری (دہرویہ آکاش) ہر ایک روز زیادہ سے زیادہ صاف (سُندّر) ہو رہا ہے۔ یہ تمام حالت ہندوستان بلکہ ساری دُنیا کے لئے کسی اچھّے و اعلیٰ شگُن کو دکھلاتی ہے۔

تھئیٹر (ناٹک) کا تماشا دیکھتے وقت یہ ممکن ہے کہ لوگ اُس ناٹک سے دھوکا کھا جائیں اور ناٹک کرنے والوں کے ساتھ رونے و ہنسنے لگ پڑیں۔ خاصکر اُس وقت جب کہ وہ اِس بات کو بالکل بھُول جائیں کہ یہ جو کچھ سامنے ہو رہا ہے محض تماشا یا کھیل ہے۔ اِس سے زیادہ اور کچھ نہیں۔ لیکن دُنیا کی مصیبت کا ناٹک دیکھتے وقت دھوکا کھایا جانا ممکن ہے۔ اِس لئے اُس اعلیٰ صداقت کو جسکے سہارے (آسرے) تم کھڑے (قائم) ہو دِل میں مستحکم طور پر قائم رکھو۔ اور اپنے آتما (ذاتِ خاص) کو ہر وقت مدِّ نظر رکھو۔ اِس طرح سے اپنے آپ کو دھوکے میں نہ پڑنے دو۔ رام

here. Bliss fills the mind. There is heavenly cheerfulness, shedding its divine sun-shine all the time. The mental horizon is growing more and more clear everyday This betokens some thing very good and grand for India, nay, for the world at large.

While seeing a theatrical performance, people are apt to be deluded by the drama and they would be inclined to weep with the actors and laugh with them while looking at the stage if they had not the firm ground of reality always beneath their feet, reminding them of what they actually are. Just so while seeing the great tragedy of the world enacted, let the sublime Truth, on which you stand always, put you in mind of your High Self and not allow you to be deceived.

Rama

لے جامے زسغۂ باقی از دستِ خوش ساقی
باکثرتِ مشتاقی مے جوئم و مے رقصم
فانی میگویم و از گفتۂ خود دِل شادم
صاحبِ عشقم و از ہردو جہاں آزادم
سے مست و خراب میروم فکرِ جہاں نمیخورم
بیم ندارم از بلا۔ تَن تلملا تلا تلا ٭

خط نمبر (۴)

سُرود و رقص و شادی دمبدم ہے | الفکر دُور ہے اور غم کو رَم ہے
غضب خُوبی ہے بیرُوں از رقم ہے | یقیناً جان۔نبری ہی قسم ہے
مُبارک ہو طبیعت کا یہ کِھلنا | یہ رس بھینی اوٹھا جامِ جم ہے
مُبارک دے رہا ہے چاند جُھک کر | سلاموں سے کمر میں اُسکی خم ہے
ہٹے جاؤ دما دم جام بھر بھر کر | تُمہارا آج لاکھوں پر قلم ہے
گلُوں سے پُر ہُوا ہے دامنِ شوق | فلک نجمہ ہے بگولوں پر علَم ہے
تِرے دیدوں پہ بھُولے سے ہو شبنم | کبھی دیکھا سُنا سُورج پہ نم ہے
رکھیں آگے کو کیا ہم نہ اُمید | اکہ مارا گرگِ غم۔ پہلا قدم ہے

لے بقا کی شراب کا پیالہ ساقی (راہبرِ کامل) کے ہاتھ سے مَیں نہایت اشتیاق کے ساتھ لینے کا مُلاقی ہُوں اور اُس کے عشق میں ناچتا ہُوں۔ کُھلّم کھلّا مَیں یہ کہتا ہُوں اور اپنے اس کہنے سے مَیں خوش ہوتا ہُوں کہ مَیں صاحبِ عشق (عاشق) ہُوں اور دو جہاں (لوک پرلوک) سے آزاد ہُوں ٭

(۲) بدمست ہُؤا مَیں پھرا ہُوں اور جہان کا فکر نہیں کرتا ہُوں۔ اور مصیبت سے بالکل نہیں گھبراتا ہُوں۔ اور یہ "منتر تن تلملا تلا تلا" گاتا رہتا ہُوں ٭

دکھایا سرکرنی نے ناچ پورا	مِطلے میں اُڑ گئی۔ لے ہُو! ستم ہے
غلط گُفتم۔ شکایت کی نہیں جا۔	بلی آ پُرسش میں۔ عدل و کرم ہے
نہ کہنا تھا تمہیں کیا رام بھلے؟	صباحِ عید آئی! رات کم ہے

سے لوگ کہتے ہیں کہ میدانوں میں رہنا خوب ہو

کون جائے رام اب گنگا کی لہریں چھوڑ کر

سلہ ہرچہ در دُنیا ست بر آزادگاں آمد حرام

خاطرِ جمع ست در زیرِ فلک سامانِ ما

گنگوتری کا راستہ کچھ عرصہ ٹہری کے نزدیک سیٹھ مرلی دھر کے باغیچہ میں رہنے کے بعد رام کے اندر ایک عجیب ترنگ اُٹھی کہ وُہ آدھی رات ہم سب کو سوتا چھوڑ کر چُپکے تن تنہا ننگے سر ننگے پاؤں اُتّر کاشی کو چلدیئے۔ یہ مقام ٹہری سے قریب پچاس میل کے فاصلہ پر ہے۔ اور اُس سے آگے گنگوتری بھی اتنی ہی دُور ہے۔ مگر آپ مہربانی فرماکر اُتّر کاشی سے واپس لوٹ آئے اور آگے گنگوتری نہ گئے۔ اِس راستے کے سفر وغیرہ کا مفصّل حال تو خود رام کی قلم سے لکھا ہُوا باب دوم میں دیا جاچکا ہے۔ لیکن رام کی اس اچانک جُدائی نے اُن کی اردھنگی پر ایسا بُرا اثر ڈالا کہ وُہ بیمار ہو گئیں +

رام کی اردھنگی کا واپس گھر آنا اس طرح ہم لوگوں کو بالکل اکیلا چھوڑ کر چلے جانے سے رام کی اردھنگی ایسی سخت علیل ہو گئیں کہ رام اگرچہ چند دن کے بعد ہی واپس آگئے۔ لیکن اُن

لہ جو کچھ دُنیا میں ہے (یعنی دُنیاوی شئے) آزادوں کے لئے حرام ہے۔ ہمارا سامان اس آسمان کے نیچے محض خاطر جمع (دل کی تسلّی یا شانتی) ہے +

श्री रामतीर्थ

पहला फ़ोटू बहालत संन्यास आगरा १९०२

Ganga Fine Art Press, Lucknow

کو صحت حاصل نہ ہوئی + حب آب و ہوا کے ناموافق ہونے سے اور کچھ
جنگل کی ناقابلِ برداشت تکالیف کے سر پر پڑنے سے بیماری بڑھنے لگی اور
صحت کی اُمید ٹوٹ گئی تو اُنہوں نے چھوٹے بچے (برہمانند) کو ساتھ لیکر
واپس گھر جانے کی خواہش ظاہر کی۔ جس پر رام کا حکم نارائن کے نام
نازل ہُوا اور نارائن اُنکو بآرام پہاڑوں سے میدانوں میں لے آیا۔ اور
گوسائیں جی کے پتا گوسائیں ہیرانند کے گھر مُراری والہ گاؤں میں چھوڑ
آیا۔ بعد چند ماہ کے نارائن حسب ہدایت پھر ٹیہری واپس پہنچا۔ اور اُن
کی دِل بھر کر خدمت و سنگت کرنے پایا۔

رام کا سنیاس آشرم اِس طرح رام کو ایکانت نواس کرتے قریباً
چھ ماہ گزرے ہونگے کہ شروع سال سنہ ۱۹۰۱ء یعنی سوامی وویکانند
جی کے رحلتِ جاودانی کرنے کے چند ہی دن پہلے رام کے اندر سنیاس
آشرم میں داخل ہونیکی موج اُٹھنے لگی۔ دِل سے تارک الدنیا تو وُہ پہلے ہی سے تھے
حب قلبی مستی نے بہت گہرا رنگ جمایا۔ تو رام کو باہر کے کپڑوں کا رنگنا
بھی خوب بھایا۔ چونکہ دوارکا مٹھ کے گدی نشین دوارکا پیٹھ شری
۱۰۸ سوامی شنکر آچاریہ جی مہاراج نے یہ آگیا (اجازت) پہلے ہی سے دے رکھی
تھی کہ "جب قلبی مستی بہت زور سے پھوٹ آئے تو سنیاس آشرم
گنگا تٹ پر لے لینا"۔ اِس لئے رام بھی اِس ہدایت کو یاد کرکے گھڑی
گھڑی نارائن کو مائی وگیرو وغیرہ لانے کے لئے حکم فرمانے لگے۔ آخرش
نائی بُلایا گیا۔ کپڑے نارائن اور لالہ تُلارام ہر دو نے حسب ہدایت اُنکے
رنگے۔ تتری گنگا جی کے عین بیچ میں کھڑے ہو کر یگیو پویت وغیرہ گنگا جی
کی دھارا کے حوالے کئے گئے۔ اور مستی مجسم ہو کر بہت دیر اوم اُچارن

کرتے کرتے رام نے گیروا لباس پہنا۔ اور گھنٹوں وہاں کنارے ہی پر مست بیٹھے رہے۔ اُس وقت دو ایک مہاتما جو اتر کاشی سے نیچے آئے ہوئے تھے۔ وہاں موجود تھے۔ اُن کو بھوجن وغیرہ کھلوایا گیا۔ اور سب جگہ گوسائیں تیرتھ رام جی کے سوامی رام تیرتھ ہو جانے کی اطلاع دی گئی۔ اولاً تو پرم گورو دوارکا ادھیش شری ۱۰۸ سوامی شنکر آچاریہ جی مہاراج تیرتھ سنیاسی تھے۔ اس لئے رام کے پیچھے تیرتھ سگھیا (لقب) رکھی گئی۔ دوم اُن کا پہلا نام بھی تیرتھ رام تھا۔ محض اُس کا اُلٹ رام تیرتھ ہو گیا۔ اس طرح ودوت سنیاس دھارن کرکے رام اب بالکل ایکانت اسی جنگل میں رہنے لگے اور وقت مقررہ کے بغیر ہم لوگوں کو بھی درشن نہ دیتے اور نہ گھڑی گھڑی اُنکے پاس کسی کو جانے کی اجازت ہوتی ؛

برم گنگا گپھا میں نواس سنیاس آشرم دھارن کرنے کے چند ماہ ہی بعد نارائن کو حکم ہؤا کہ اس عرصہ کے اندر اندر جسقدر مضمون بعنوان "گنگا ترنگ یعنی کہ جگت" رام کی قلم سے نکلا ہے اور جو نارائن سے صاف ترتیب وار لکھا جا چکا ہے۔ اُس سب کو لیکر نارائن نیچے میدانوں میں جاوے۔ آنند پریس لاہور میں جاکر رسالہ الف کے باقی نمبروں میں اُسے اپنی زیرنگرانی طبع کراوے۔ چنانچہ ویسا ہی کیا گیا۔ لیکن اس بیچ میں (بوجہ غیر حاضری نارائن) بہت سا ہجوم درشن کی خاطر رام کے پاس آنے لگ گیا۔ اور وہ مقام اسطرح سے ایکانت بالکل نہ رہا۔ اس ہجوم سے ایکانت بھنگ ہوتا دیکھکر رام ۱۴ جون ۱۹۰۱ء کو یہ استھان چھوڑکر ایک دُور ایکانت استھان جاکر ٹیہری سے تقریباً ۶ میل کے فاصلہ پر برلب گنگ برم گنگا گپھا میں رہنے لگ گئے لیکن ہم میں سے کسی کو اس تبدیلیٔ مقام کی اطلاع تک نہ دی۔ اگرچہ

مضمون لگاتار نارائن کے پاس لاہور میں ٹیہری ڈاک خانہ سے روانہ کر بھیجتے رہے + اسطرح کُل مضامین کو دو بڑی بڑی کتابوں دگنگا ترنگ صُلح کہ جنگ اور جلوۂ کہسار یا کیلاس کوک، میں شائع کرکے جب ماہ جولائی میں نارائن واپس ٹیہری پہنچا۔ تو رام کو سیٹھ مرلی دھر کے باغیچہ میں یعنی پہلے مقام پر نہ پاکر بہت متعجب ہُوا۔ اِدھر اُدھر دریافت کرنے سے پتہ چلا کہ کچھ ہفتوں سے بروگی گپھا میں رام نے جا مقام کر لیا ہے۔ پھر نارائن وہاں پہنچا۔ رام کو برلبِ گنگ ریت پر لیٹے پایا۔ چہرہ پر کی مستی خود بخود بتلا رہی تھی کہ رام خوب مسرور و مدہوش پڑے ہیں۔ تھوڑی دیر بعد جب دھوپ چڑھ آنے پر جب رام ہوش میں آئے اور نارائن سے مسکراتے ہُوئے مخاطب ہُوئے۔ تو کہنے لگے کہ "رات سے رام یہاں ہی لیٹا ہے۔ علی الصباح ۴ بجے جب گنگا جی کنارے پر زیادہ چڑھ آئیں اور سوتے ہُوئے رام کے چرنوں کو چھُونے لگیں تو رام کو جاگ آگئی۔ اسی وقت تبھا نے خوب وجد کا عالم پیدا کر دیا۔ اور مست دِل طرح طرح کی غزلیات میں اُمڈ پڑا۔ اُن غزلیات کو لکھتے لکھتے جب دِل و دماغ اپنے خیال کی حد کو پار کر گئے تو اِدھر قلم گر پڑی اور اُدھر جسم ریت پر لیٹ گیا۔ اِن غزلوں کو رام پڑھکر سُنانے لگ گئے + جن کو بعد ازاں نارائن نے صاف نقل کر لیا + اگرچہ یہ غزلیں بعد کو رسالہ الف میں اور پھر رام برشا میں شائع کر دی گئیں۔ لیکن موزوں موقعہ و مقام دیکھکر اُنھیں یہاں بھی برائے ملاحظہ ناظرین دیا جاتا ہے :-

مُبارک بادی

راگ بہاگ

(۱) چلنا صبا کا ٹھُم ٹھُمک لاتا پیامِ یار ہے
عشاق آنکھ کب لگنے ملی۔ تیرِ نگہ تیار ہے

(۲) ہوش و خرد سے اتفاقاً آنکھ گر دو چار ہے
بس یار کی پھر چھیڑ فانی کا گرم بازار ہے

(۳) معلوم ہوتا ہے ہمیں مطلب کا ہم سے پیار ہے
سختی سے کیوں بھینچے ہے دل۔ کیا یُوں ہمیں اِنکار ہے

(۴) لکھنے کی نے پڑھنے کی فُرصت کام کی نے کاج کی
ہم کو نکما کر دیا وُہ اَب تو بیکار رہتے ہیں

(۵) پہرہ محبت کا جو آئے ہم بغل ہوتا ہے وُہ
غُصّہ طبیعت کا نکالیں۔ سامنے دِلدار ہے

(۶) سونے سے حاضر خواب میں جاگے یہ خاک و آب ہیں
ہنسنے میں ہنس ملتا ہے۔ بِل رونا ہے کُو بُو یار ہے

(۷) کہہ برق وَش خنداں بنا۔ کہہ ابرِ تر گریاں بنا
ہر صُورت و ہر رنگ میں پیدا بُتِ عیّار ہے۔

(۸) دَولت غنیمت جان دردِ عشق کی۔ مت کھوء اُسے
مال و متاع گھربار زر صدقے۔ مُبارک یار ہے۔

(۹) منظور نالائق کو ہوتا ہے علاجِ دردِ عشق
حب عشق ہی معشوق ہو۔ کیا صحت میں بیمار ہے؟

(۱۰) کیا اِنتظار و کیا مصیبت کیا بلا کیا خارِ دشت
شعلہ مبارک جب بھڑک اُٹھا تو سب گلزار ہے۔
گلنار

(۱۱) دولت نہیں۔ طاقت نہیں۔ تعلیم نے تکریم نے۔
شاہِ غنی کو تو فقط عرفانِ حق درکار ہے ؛

(۱۲) عُمروں کی اُمیدیں اُڑا۔ چھوٹی بڑی سب خواہشیں
دیدار کا لیجے مزا جب اُڑ گئی دیوار ہے ؛

(۱۳) منصور سے پوچھی کسی نے کوچۂ دلبر کی راہ
گھس دِل میں راہِ راست بتلاتی زبانِ دار ہے

(۱۴) اِس جسم سے جان کود کر دریائے وحدت میں پڑی
سادھو کی موت کے بعد کا بھنڈارا
کرلیں مہوچھا جانور لو وہ پڑا مُردار ہے ؛

(۱۵) تشریف لاتا ہے جنوں۔ چشم و سر و دل فرشِ راہ
پہلو میں مت رکھنا خرد کو۔ رانڈ۔ یہ بدکار ہے۔
عقل

(۱۶) بلا چھٹا اس جسم سے سر سے ٹلی اپنے بلا
ویلکم! اے تیغِ خون چکاں۔ کیا مرگ لذت دار ہے

(۱۷) یہ جسم و جاں نوکر کو دے ٹھیکہ سدا کا بھر دیا
گوکل چند جسے سخت غلطی کے باعث گوکری نام دیا جاتا ہے
تو جان تیرا کام رہے۔ کیا ہم کو اس سے کار ہے
جسم

(۱۸) خوش ہو کے کرتا کام ہے نوکر مرا چاکر مرا۔
ہو رام مٹھا بادشہ۔ ہُشیار خدمت گار ہے۔

(۱۹) سوتا نہیں یہ رات دن۔ کیا اُڑ گئی دیدوں سے نیند
غفلت نہیں دم بھر اِسے۔ یہ ہر گھڑی بیدار ہے ؛

(۲۰) نوکر مرا یہ کون ہے۔ آقا ہوں اس کا کون رام

خادم ہوں میں یا بادشہ؟ یہ کیا عجب اسرار ہے!

(۲۱) واحد مجرّد لا شریک و غیرِ ثانی بے مثل
آقا کہاں خادم کہاں؟ کیا لغو یہ گفتار ہے:

(۲۲) تنہاسم تنہاستم در بحر و بر یکتا ستم
نُطق و زُبان کا رام تک آ کر پہنچنا دشوار ہے؛

(۲۳) اے بادشاہانِ جہاں۔ و اے انجمِ ہفت آسماں!
تُم سب یہ ہُوں۔ مَیں حُکمراں یہ سب سے بڑی سرکار ہے

(۲۴) جادُو نگاہِ یار ہُوں۔ نشہ لبِ مَیگُوں ہُوں مَیں
آبِ حیاتِ رُخ ہُوں مَیں۔ ابرُو مری تلوار ہے۔

(۲۵) یہ کاکُلِ ظلماتِ مایا پیچ پیچاں ہے وَلے
سیدھے کو جلوۂ رام ہے۔ اُلٹے کو ڈسنا مار ہے

اماوس کی رات ایک بجے گپھا کے سامنے گنگی(مادرِ ہستیان) نے نرم نرم بستر (ریگ کا) بچھا دیا ہے۔ رام بادشاہ لیٹ رہا ہے۔ گنگی چرنوں کو چھوتی ہُوئی بہ رہی ہے:

سچ سجانے چڑھن شکھا لڑا ہے۔ گھٹ ساہ اِکو چھال ماردی
نرد پریم دی کھیلنی کھری اوکھی۔ ترس ترس بازی جان ہاردی
سدا چانڑھ ما لڑے مست رہنا۔ دین دُنیاوی مرض وسار دینی

راگ اساوری۔ تال جھپ

(۱) بکھڑتی دُلہن وطن سے ہے جب بکھڑے ہیں روم اور گلا رُکے ہے
کہ پھر نہ آئیگی ہے کوئی ڈھب بکھڑے ہیں روم اور گلا رُکے ہے

(۲) یہ دین و دُنیا تمھیں مبارک۔ ہمارا دُلہا ہمیں سلامت

یہ یاد رکھنا یہ آخری چھب کھڑے ہیں روم اور گلا رکے ہے

(۳) ہے موت دُنیا میں بس غنیمت۔ خرید و راحت کو موت کے بھاؤ
نہ کرنا حُوں تک۔ یہی ہے مذہب۔ کھڑے ہیں روم اور گلا رکے ہے

(۴) جسے ہو سمجھے کہ جاگرت ہے۔ یہ خواب غفلت ہے سخت ایجاں
(خواب اور) کلود و فارم ہیں سب مطالب۔ کھڑے ہیں روم اور گلا رکے ہے

(۵) ٹھگوں کو کپڑے اُتار دید و۔ لُٹا دو اسباب و مال و زر سب
خوشی سے گردن پہ تیغ دھر تب۔ کھڑے ہیں روم اور گلا رکے ہے

(۶) جو آرزو کو ہیں دلمیں رکھتے ہیں بوسہ دیوانہ سگ کو دیتے
یہ کھوٹی قسمت کو دیکھ حب کب۔ کھڑے ہیں روم اور گلا رکے ہے

(۷) کہا جو اُس نے "اُڑا دو ٹکڑے جگر کے ٹکڑوں کے پیارے ارجن"
یہ سُن کے نادان کے خشک ہیں لب۔ کھڑے ہیں روم اور گلا رکے ہے

(۸) لہو کا دریا میں چیرتے جو۔ ہیں تخت پاتے وُہی حقیقی
تعلقوں کو جلا بھی دو سب۔ کھڑے ہیں روم اور گلا رکے ہے

(۹) "ہے رات کالی۔ گھٹا بھیانک۔ غضب درندے ہیں۔ وائے جنگل
اکیلا رونا ہے طفل۔ یا رب! کھڑے ہیں روم اور گلا رکے ہے

(۱۰) گلوں کے بستر پہ خواب ایسا کہ دل میں دیدوئیں خار بھرتے
ہے سینہ کیوں ہاتھ سے گیا دب۔ کھڑے ہیں روم اور گلا رکے ہے
(مندرجہ شعر و میانک خواب کا باعث)

(۱۱) "نہ ساقی چھوڑینگے علم کوئی" تھے اِس ارادے سے جھکے بیٹھے
ہے پچھلا لکھا پڑھا بھی غائب۔ کھڑے ہیں روم اور گلا رکے ہے

(۱۲) ہے میٹھا پٹھوں میں کچا پارہ رہی نہ ہلنے کی تاب و طاقت
نہ اثر کرتا ہے نیشِ عقرب۔ کھڑے ہیں روم اور گلا رکے ہے
جس کی بدولت اُچھلنا تڑپنا بہت ہوتا ہے

(۱۳) پئے لگا ہوں کے جام رج کر نہ پیر کی شدھ بدھ رہی نہ تن کی
نہ دِن ہی سُوجھے ہے اب تو نے نسب۔ کھڑے ہیں روم اور گلا رُکے ہے

(۱۴) حواسِ خمسہ کے بند تھے در۔ کدھر سے قابض ہُوا ہے آ کر
لا کا نشہ بسم تعجب۔ کھڑے ہیں روم اور گلا رُکے ہے

(۱۵) یہ کیسی آندھی ہے جوشِ مستی کی۔ کیسا طوفاں سرور کا ہے
رہی زمیں تہ نہ مہر و کوکب۔ کھڑے ہیں روم اور گلا رُکے ہے

(۱۶) نفس من کے مندر میں رقص کرتی طرح طرح کی سی خواہشیں مِل
چراغ خانہ سے جل گیا سب۔ کھڑے ہیں روم اور گلا رُکے ہے

(۱۷) ہے چوڑ چوپٹ یہ کھیل (وہم) دُنیا۔ لپٹ گنگا میں اسکو جھبکا
مرا ہے فیلہ۔ اُڑا ہے اشہب۔ کھڑے ہیں روم اور گلا رُکے ہے

(۱۸) پڑا ہے جھانی پہ دھر کے جھانی کہاں کی دُوئی کہاں کی وحدت
ہے کسکو طاقت بیاں کی اب۔ کھڑے ہیں روم اور گلا رُکے ہے

(۱۹) کلیجے ٹھنڈک ہے جی میں فرحت۔ بھرا ہے شادی سے سینۂ رام
ہیں نین امرت سے پُر لباب۔ کھڑے ہیں روم اور گلا رُکے ہے

(۲۰) یہ جسم فرضی کی موت کا ہے مزا سمٹے نہیں سمٹنا
اُٹھانا دُوبھر ہے وہم تالب۔ کھڑے ہیں روم اور گلا رُکے ہے

خط رام بادشاہ

رواں شد سُوئے ماکوزکہ گنجان نیست اندر ظرف
بدراں مشکِ سقّا را بزن سنگے و بشکن خم

(راگ کونبھہ - تال رتین)

(۱) حب اُمڈا دریا اُلفت کا ہر چار طرف آبادی ہے
ہر رات نئی اِک شادی ہے ہر روز مُبارکبادی ہے
خوش خندہ ہے رنگس گُل کا خوش شادی شاد مُرادی ہے
تن سُورج آپ درخشاں ہی خود جنگل ہی خود وادی ہی
نِت راحت ہے نِت فرحت ہے - نِت رنگ نئے آزادی ہی

(۲) ہر رگ ریشے بیں ہر مُو میں امرت بھر بھر بھرپُور ہُوا
سب کلفت دُوری دُور ہُوئی من شادی مرگ سرُ جُور ہُوا
ہر برگ بدھائیاں دیتا ہے ہر درّہ ذرّہ طُور ہُوا:
جو ہئے سوہئے اپنا مظہر خواہ آبی ناری بادی ہے:
کیا ٹھنڈک ہے کیا راحت ہے کیا شادی ہی آزادی ہی

(۳) رِم جھم رِم جھم آنسُو برسیں یہ ابر بہاریں دیتا ہے
کیا خُوب مزے کی بارش بیں وہ لُطف وصل کا لیتا ہی
کشتی موجوں میں ڈُوبے ہے - بدمست اُسے کب کھیتا ہے:
یہ غرقابی ہے جی اُٹھنا - مت جھجکو - اُف بربادی ہے -
کیا ٹھنڈک ہے - کیا راحت ہے - کیا شادی ہے آزادی ہے

(۴) ماتم رنجوری بیماری - غلطی - کمزوری - ناداری
ٹھوکر اُونچا نیچا محنت - جاتی ہے اِن پر حال واری
اِن سب کی مددوں کے باعث چشمہ مستی کا ہی جاری
گُم شیر کے شیریں طُوفاں بیں کوہ اور تیشہ فرہادی ہے
کیا ٹھنڈک ہے کیا راحت ہے کیا شادی ہے آزادی ہے

(۵) اِس مرنے میں کیا لذّت ہے جس مُنہ کو چاٹ لگے اسکی
تھُوکے ہے شاہنشاہی پر سب نعمت دولت ہو پھیکی
تے جاہیئے؟ دِل میرے پھُونکو اور آگ جلاؤ بھٹّی کی
کیا سنسنا بادہ چلتا ہے لے لو! کا شور مُنادی ہے
کیا راحت ہے کیا ٹھنڈک ہو کیا شادی کیا آزادی ہو

(۶) عِلّت معلول میں مت ڈوبو سب کارن کارج تُم ہی ہو
تُم ہی دفتر سے خارج ہو اور لیتے چارج تُم ہی ہو
تم ہی مصرُوف بنے بیٹھے ہو۔ ہوتے ہارج تُم ہی ہو
تُو داور ہے تُو وکلاء ہے تُو پاپی تُو فریادی ہے
نِت راحت ہے نِت فرحت ہو نِت رنگ نئے آزادی ہے

(۷) دِن شب کا جھگڑا نہ دیکھا کوء سُورج کا چڑھا سر ہے
جب کھُلتی دِیدۂ روشن ہے ہنگامۂ خواب کہاں پھر ہے
آنند سُرور سمُندر ہے جس کا آغاز نہ آخر ہے۔
سب رام پسارا دُنیا کا جادُو گر کی اُستادی ہے۔
نِت راحت ہے نِت فرحت ہے نت رنگ نئے آزادی ہو

سُمیرُو کی یاترا اس طرح اس برفانی گپھا میں چند ماہ رہنے کے بعد یکم بھادوں سمت ۱۹۵۹ مطابق ۱۶۔ اگست سنہ ۱۹۰۲ء رام بادشاہ مع نارائن و لالہ تُلارام کے یمنوتری۔ گنگوتری۔ ترجُگی نارائن کیدارناتھ و بدری نارائن کی یاترا کے خیال سے روانہ ہُوئے۔ پہلے پہل ۱۳ر بھادوں برت جنم اشٹمی سمت ۱۹۵۹ مطابق ۵ر ستمبر سنہ ۱۹۰۲ء کو ہم یمنوتری مندر پہنچے۔ وہاں کا دِلکش نظارہ سب کو ایسا بھایا۔ کہ کوئی بھی وہاں

سے حلد چلنے کو تیار نہ ہُوا- اِس لئے رام بادشاہ نے وہاں ہی قیام کرنے کا حکم فرمایا- جس پر ہم سب وہیں مُقیم ہو گئے- رام مہاراج نے تو ایک گرم گپھا میں رہنا پسند کیا- اور ہمیں (ہر دو کو) وہاں ایک لکڑی کے مکان میں (جسکو کُٹھار کہتے ہیں) رہنے کا حکم ملا- قریب دو ہفتہ ہم سب وہاں رہے- بعد ازاں رام کو یمنوتری کے اُوپر سُمیرو پربت (ہرفستاں) جو بندر پُونچھ کے نام سے مشہور ہے- اُسکی سیر کی اُمنگ ہوئی- اور وہاں کی خُوب سیر کی- یمنوتری پہنچنے پر جو اثر وہاں کے دلکش نظارہ نے رام کے دل پر ڈالا تھا- وہ اُسکے مُفصلہ ذیل خط سے مُترشح ہو رہا ہے:-

یمنوتری

اِس بلندی پر ماش کی دال نہیں گلتی- نہ دُنیا کی دال ہی گلتی ہے- نہایت گرم گرم چشمہ سار- قُدرتی لالہ زار- آبشاروں کی بہار- چمکدار چاندنی کو شرمانے والے سفید دو پٹے (رجھاگ- پھین) اور اُسکے نیچے آکاش کی رنگت کو لجانے والا- جمنا رانی کا گات- بات بات میں کشمیر کو مات کرتے ہیں- آبشار تو ترنگ بیخودی میں نِرتیہ (ناچ) کرتے ہیں- جمنا رانی ساز بجا رہی ہے- رام شہنشاہ گا رہا ہے:-

(غزل تال قوالی)

ہِپ ہِپ ہُرّے- ہِپ ہِپ ہُرّے (ٹیک)

اب دیون کے گھر شادی ہے- لو رام کا درشن پایا ہے

یا گوپیاں ناچتے آتے ہیں- ہِپ ہِپ ہُرّے- ہِپ ہِپ ہُرّے

خوش خرّم بل مل گاتے ہیں۔ ہیپ ہیپ ہُرّے ہیپ ہیپ ہُرّے
ہے منگل ساز بجاتے ہیں۔ ہیپ ہیپ ہُرّے ہیپ ہیپ ہُرّے
سب خواہش مطلب حاصل ہیں سب خوبوں سے میں واصل ہوں
کیوں ہم سے بھید چھپاتے ہیں۔ ہیپ ہیپ ہُرّے ہیپ ہیپ ہُرّے
سب آنکھوں میں میں دیکھوں ہوں سب کانوں میں میں سنتا ہوں
دل برکت مجھ سے پاتے ہیں۔ ہیپ ہیپ ہُرّے۔ ہیپ ہیپ ہُرّے
گہ عشوہ سیمیں[۵۱] بر کا ہوں۔ گہہ نعرہ شیر ببر کا ہوں
ہم کیا کیا سوانگ بناتے ہیں۔ ہیپ ہیپ ہُرّے۔ ہیپ ہیپ ہُرّے
میں کرشن بنا۔ میں کنس بنا۔ میں رام بنا۔ میں راون تھا
ہاں! وید اس قسمیں کھاتے ہیں۔ ہیپ ہیپ ہُرّے۔ ہیپ ہیپ ہُرّے
ہیں انتریامی ساکن ہوں۔ ہر پتلی ناچ نچاتا ہوں۔
ہم سوتر تار ہلاتے ہیں۔ ہیپ ہیپ ہُرّے۔ ہیپ ہیپ ہُرّے
سب رشیوں کے آئینۂ دل میں میرا نور درخشاں تھا
مجھ ہی سے شاعر لاتے ہیں۔ ہیپ ہیپ ہُرّے۔ ہیپ ہیپ۔ ہُرّے
ہر اِک کا انتر آتم ہوں۔ میں سب کا آتما صاحب ہوں
مجھ پائے دُکھڑے جاتے ہیں ہیپ ہیپ ہُرّے۔ ہیپ ہیپ ہُرّے
میں خالق۔ مالک داتا ہوں۔ جیسے سے دہر بناتا ہوں
کیا نقشے رنگ جماتے ہیں۔ ہیپ ہیپ ہُرّے ہیپ ہیپ ہُرّے
اِک کُن[۵۲] سے دنیا پیدا کر۔ اِس مندر میں خود رہتا ہوں

---

[۵۱] چاندنی جیسی خوبصورت نازنین کا نخرہ۔
[۵۲] حکم یعنی وہ حکم جو پیدائش دنیا سے پہلے دیا گیا تھا۔

ہم تنہا شہر بساتے ہیں - ہِپ ہِپ ہُرّے - ہِپ ہِپ ہُرّے
وُہ مِصری ہُوں جس کے باعث دُنیا کی عِشرت شیریں ہے
کُل مجھ سے رنگ سجاتے ہیں - ہِپ ہِپ ہُرّے - ہِپ ہِپ ہُرّے
مسجُود ہُوں قِبلہ کعبہ ہُوں - معبُود اذاں ناقُوس کا ہُوں
سب مجھ کو کُوک بُلاتے ہیں - ہِپ ہِپ ہُرّے - ہِپ ہِپ ہُرّے
کُل عالم میرا سایہ ہے - ہر آن بدلتا آیا ہے -
ظِلّ قامت گِرد گھُماتے ہیں - ہِپ ہِپ ہُرّے - ہِپ ہِپ ہُرّے
یہ جگت ہماری کِرنیں ہیں - پھیلیں ہر سُو مجھ مرکز سے
شان بُوقلموں دکھلاتے ہیں - ہِپ ہِپ ہُرّے - ہِپ ہِپ ہُرّے
مَیں ہستی سب اشیا کی ہُوں - مَیں جان ملائک کُل کی ہُوں
مُجھ بِن بے بُود کہاتے ہیں - ہِپ ہِپ ہُرّے - ہِپ ہِپ ہُرّے
جادُو گر ہُوں - جادُو ہُوں خود - اور آپ تماشا بِیں مَیں ہُوں
ہم جادُو کھیل دکھاتے ہیں - ہِپ ہِپ ہُرّے - ہِپ ہِپ ہُرّے
بے جانوں میں ہم سوتے ہیں - حیوان بن جلے پھرتے ہیں
انسان میں مند جگاتے ہیں - ہِپ ہِپ ہُرّے - ہِپ ہِپ ہُرّے
سنسار تجلّی ہے میری - سب اندر باہر مَیں ہی ہُوں
ہم کیا شُعلے بھڑکاتے ہیں - ہِپ ہِپ ہُرّے - ہِپ ہِپ ہُرّے
ہے مست پڑا جہاں میں ابھی کچھ بھی خبر از رام نہیں
سب کلبت دُھوم مچاتے ہیں - ہِپ ہِپ ہُرّے - ہِپ ہِپ ہُرّے *

نوٹ * سیبوتری مدر میں یہ نظم لکھی گئی تھی - اِس نے پہلے اُس مقام کا ذکر کیا گیا - پھر اپنی اندرونی حالت کو بذریعہ نظم ظاہر کیا گیا ہے - اب رام وہاں اپنا طرزِ رہائش بیان فرمانے لگے ہیں ؛

دیوانگی کو دِن دُونی رات چوگنی ترقی ہے۔ دیوانہ را ہُوئے بس
ست والا حال ہے۔ غالب عنصری کا کچھ نہ پوچھیں ؛

خوراک:- بھلا یار جو جمنا رانی اپنے ہاتھ سے پکا دیتی ہے۔ یعنی گرم
کنڈ میں خود بخود تیار کر دیتی ہے ۔

سنان:- کبھی کبھی تو سٹو بیٹ کی بلندی سے گرنے والے آبشاروں
کے نیچے سنان کی موج لوٹی جاتی ہے۔ کبھی صدیوں کی جمی ہوئی برف
سے تازہ تازہ نکل کر جو جمنا جی آتی ہے اُس میں نہانے کا لطف اٹھایا
جاتا ہے۔ اور کبھی کنڈوں کے تتے پانی میں شہنشاہ سلامت غسل
فرماتے ہیں ؛

چلنا پھرنا:- سب جگہ بالکل ننگے بدن سے ہوتا ہے ؛

رام کا گنگوتری آگمن (رام شہنشاہ) سُمیرو (بدری پوچھ برفستان) کی سیر کے بعد
رام گنگوتری میں آئے۔ جمنوتری سے نیچے قریب دس بارہ میل کے
فاصلہ پر گھرسالی گاؤں ہے۔ وہاں ہم سب پہنچے۔ اس گاؤں سے
گنگوتری کو دو راستے جاتے ہیں۔ ایک اور برفستان کے ساتھ ساتھ
جس کا نام چھایاں یا باسرو راستہ ہے۔ اور محض ایک ڈنڈی
ہے۔ بغیر واقف کار کے کوئی اُس راستہ سے چل نہیں سکتا۔ اور دوسرا
راستہ اُتر کاشی کی طرف سے ہے۔ یہ خاصی چوڑی سڑک ہے اور جمنا
ندی کے کنارے کنارے چلتا ہی اس راستے سے یاتری قریباً دس بارہ روز
میں گنگوتری پہنچ سکتا ہے۔ اور برفستان کے راستے سے محض دو تین
دن کے اندر اندر۔ ہم لوگ بجائے اُتر کاشی والے سہل راستے سے

جانے کے اوپر برفستان کے نزدیک والے راستے سے بتاریخ ۱۶ ر ستمبر ۱۹۰۱ء گنگوتری کو روانہ ہوئے ۔ اور دو دن کے بعد یعنی ۱۸ ر ستمبر ۱۹۰۱ء دھرالی گاؤں میں پہنچے ۔ اس گاؤں سے قریب ۱۲ میل کے فاصلے پر گنگوتری ہے ۔ جہاں سے ہم ۱۹ ر ستمبر کو پہنچ گئے اس دشوار گذار راستے اور بندر پونچھ کے برفستان کی سیر کا مفصل بیان رام نے انگریزی میں اپنی قلم سے ایک رسالہ کی شکل میں دیا ہے ۔ جس کا مفصل ترجمہ کلیات رام کی دیگر جلد میں دیا جائے گا ؛

کیدار ناتھ اور بدری ناتھ کی یاترا گنگوتری کے نزدیک دھرالی گاؤں میں پورا ایک ماہ رہنے کے بعد ہم لوگ بتاریخ ۱۹ ر اکتوبر ۱۹۰۱ء بوڑھے کیدار اور تریجگی نارائن کے راستے سے کیدار ناتھ گئے ۔ اور وہاں سے بدری نارائن کی یاترا کی ۔ بدری نارائن ہم سب ٹھیک دیوالی سے ایک ہفتہ پہلے یعنی ۳ ر نومبر ۱۹۰۱ء پہنچے ۔ اُن دنوں سورج و چندر گرہن ہر دو اکٹھے آئے تھے ۔ سورج گرہن کے دن سنان (غسل) کے بعد جو نظم رام کی قلم سے نکلی وہ ہدیۂ ناظرین کی جاتی ہے ؛

عشق کا طوفان بپا ہے حاجت پیمانہ نیست
خون شراب و دل کباب و فرصت پیمانہ مست
سحر محودی ہے طاری ۔ خواہ کوئی کیا کچھ کہے
نیست ہے عالم نظر میں وحشت دیوانہ نیست
الوداع اے مرض دنیا ۔ الوداع اے جسم و جاں
اے عطش اے جوع چلو! ایجا کوئی خانہ نیست
کیا تجلی ہے بہ نار حسن شعلہ خیمہ ہے ۔
مار لے تر ہی یہاں بر طرف پروانہ نیست
مہر ہو ۔ ماہ ہو دلبستاں ہو ۔ گلستاں کہسار ۔ (کوہ سارم)

موجزن اُنھی ہے خوبی صورتِ بیگانہ بلست

لوگ بولے گرہن نے پکڑا ہے سورج کو غلط

خود بیں تاریکی میں رہن سایہ محجوبانہ بلست

اُٹھ میری جاں جسم سے ہو غرق ذاتِ رامؔ میں

جسم بر رتینور کی صورت حرکتِ فرزانہ بلست

رامؔ متھرا میں جب بدری ناراین سے رامؔ واپس لوٹنے لگے تو متھرا سے خط ملا کہ سوامی شوگن آچاریہ جی نے وہاں جمنا ندی کے کنارے ایک شانتی آشرم قائم کیا ہے۔ اور سالِ ہذا کے آخر میں یعنے بڑے دنوں کی چھٹیوں میں ایک دھرم مہوتسو بطور ریلیجس کانفرنس کے کیا چاہتے ہیں۔ اور رامؔ کو اُنھوں نے اُس مذہبی مہاسبھا کا سبھاپتی (پریزیڈنٹ) چُنا ہے۔ رامؔ چونکہ بدری ناراین سے میدانوں کی طرف واپس لوٹ ہی رہے تھے۔ اِس بُلاوے کی درخواست کو منظور فرمایا۔ اور براہ الموڑہ ۲۵ر دسمبر ۱۹۰۱ء کو وُہ متھرا پہنچے۔ نارائن اور تُلارامؔ معروف بہ سوامی راماننداجی بھی ہردو رامؔ کے ہمرکاب تھے۔ وہاں پہنچنے کے تھوڑے ہی دن بعد ریلیجس کانفرنس (دھرم مہوتسو) کا جلسہ شروع ہُوا۔ اور سوامی جی نے صدارت کی کُرسی کو زینت دی۔ اِس موقع پر متھرا نواسی اور دیگر اصحاب جو جلسہ میں حاضر تھے۔ سوامی رامؔ تیرتھ کا جلال دیکھ کر دنگ رہ گئے۔ اِس مقدس مورتی کا رنگ اُس وقت شبک اُنکے بھگوے کپڑوں کے مشابہ تھا۔ گویا گیان کی لالی اور ستجا تیاگ و سنیاس اُنکے اندر سے پھوٹ پھوٹ کر باہر نکل رہے تھے۔ اس دھرم مہوتسو میں سوامی رامؔ جی کے متعلق ایک رشی خرقان

سری سوامی رام اور نارایں (لکھنؤ ۱۹۰۲)

श्री स्वामी राम और नारायण (लखनऊ १९०२)

SHUKLA PRESS, LKO

ناتھ جی یُوں لکھتے ہیں :۔

"متھرا دھرم مہوتسو کے پہلے جلسہ میں سوامی رام پدھارے تھے۔ اہاہا! کیا شوبھا تھی۔ چہرے سے جلال ٹپکتا تھا اور بھی بہت سے مہاتما سادھو موجود تھے۔ لیکن آپ کے جلال (کرانتی) کے آگے ایسے معلوم تھے جیسے ماہتاب کے آگے ستارے۔ کرشن بھگوان کی بابت میرے دل میں یہ شنکا تھی کہ اُن پر گوپیوں کا موہت ہونا۔ بنسری کے بس ہوکر سُدھ بُدھ نہ رکھنا بسا اوقات آدھی رات کو کرشن کرشن پکارتی ہُوئی کرشن کے پاس پہنچنا وغیرہ۔ یہ سب شاعرانہ خدش ہے۔ عقلِ انسانی قبول نہیں کرتی۔ بلکہ یہ سب گپ نظر آتی تھی۔ لیکن سوامی رام تیرتھ کے درشن نے یہ بڑی بھاری شنکا (شک) دِل سے دُور کردی۔ آپ ہی اِس بڑے جلسہ کے میرِ مجلس تھے۔ اور جب سبھا یا جلسہ کا کام ختم ہو گیا اور پریمیوں کی بھوک رام کے منوہر بچن سُننے کے لئے اور بھی بڑھ گئی تو رام نے کہا" اب اُتسوَ کا کام ختم ہو گیا ہے۔ اب رام کا ویاکھیان اِس چھوٹے سے تمبو کے نیچے نہ ہوگا۔ بلکہ وہاں ہوگا جہاں قُدرت نے آکاش کا بڑا خیمہ ایستادہ کر رکھا ہے۔ اور جہاں شری منا (جمنا) جی نے نرم و باریک ریت کا ملائم بستر بچھا رکھا ہے۔ یہ کہکر رام نے وہ پنڈال چھوڑ دیا۔ اور ایک طرف کو روانہ ہُوئے۔ اور تمام حاضرین پیچھے پیچھے چلے + جیسا کہ ہونا چاہیئے تھا۔ رام دریا کی جانب نہ گئے بلکہ اُس کے خلاف روانہ ہُوئے۔ اور تمام خلقِ خدا بھی بلا سوچ سمجھے کہ رام کہاں جا رہے ہیں جنگل کی طرف اُنکے پیچھے روانہ ہُوئی اور جب رام نے دیکھا کہ یہ لوگ مارے پریم کے پاگل ہُوئے پیچھے پیچھے

آرہے ہیں تو ٹھہر کر کہا،
"پیارو! رام لگو شنکا (پیشاب) کرنے جاتا ہے اور وہاں سے لوٹ کر
جمنا کنارے آکر ویاکھیان دیگا" یہ سُن کر سب کے سب جلسے بنے وہیں
ہی کھڑے رہے۔ اور جب رام واپس ہوئے تو پھر اُنکے پیچھے سب کے سب
ہولئے۔ جس طرح کہا جاتا ہے کہ کرشن کے ساتھ رہنے کو ہر ایک گوپی اچھا
(تمنا) کرتی تھی۔ یہی حال یہاں دیکھا کہ رام کے ساتھ چلنے کو لوگ مائل
ہیں۔ میں خود دو مرتبہ جھاڑیوں میں اٹھ کر گرا۔ مگر کچھ خیال نہ ہوا میرے ایک
رشتہ دار مجھ سے پیچھے رہ گئے لیکن کچھ پرواہ نہیں۔ خیال ہے تو یہ
کہ رام آنکھوں سے اوجھل نہ ہوں؛
جب رام جی کنارے پہنچے۔ شام کا وقت تھا اور جاڑے کا موسم۔
لیکن جلسہ چونکہ دن بھر رہنا تھا مدین وہ تمام اشخاص دوپہر کی گرمی
محسوس کرکے بہت کم گرم سامان ساتھ لائے تھے۔ لیکن تاہم ایسے بیخود تھے کہ
جب رام نے کہا کہ آپ بیٹھ جائیے تو وہ سب اپنے قیمتی دوشالے
اُس ریت کے فرش پر بچھا کر بیٹھ گئے۔ اور پریم کے ساتھ رات کے
۸ بجے تک رام کا منوہر اپدیش سُنتے رہے۔ سردی کی پرواہ تک نہ کی۔
ان میں تھے کون کون۔؟ گنوار۔ اَن پڑھ۔ جاہل اور بے عقل ہی نہ تھے
بلکہ گریجوئیٹ۔ وکیل۔ ڈاکٹر۔ انجنیئر۔ ڈپٹی کلکٹر۔ منصف اور بڑے بڑے
عہدہ دار اور شہر کے رئیس بھی تھے۔ اہا اہا! جب رام کے منوہر بچنوں
میں یہ شکتی ہے کہ جو عقل و فہم کا بھنڈار خیال کئے جاتے ہیں اُنکو
مدہوش کر دیتی ہے۔ تو ناقص العقل گوپیاں اور بیوقوف گوال اگر سری
کرشن چندر کے منوہر بچن۔ منوہر بانسری اور سُندر سروپ پر مائل

ہو گئے۔ سُدھ بُدھ کھو دی۔ یا اُس کے حسنِ عشق میں لُٹ گئے تو کیا اچنبھا ہے۔ بس یہی نظارہ تھا۔ جس نے میرے دل سے وہ بھاری سنکا رفع کر دی ؛

بابو مُرلی لال پانڈے عرف سانتی پرکاش سکریٹری سادھارن دھرم سبھا۔ فیض آباد لکھتے ہیں کہ "سوامی جی کی عالمگیر محبت کا ایک ثبوت یہ ہے کہ جو اُن کو دیکھتا اُن کا والہ و شیدا ہو جاتا۔ جب سوامی جی[۹۱] فروری ۱۹۰۲ء میں سادھارن دھرم سبھا کے دوسرے سالانہ جلسہ پر تشریف لائے تھے۔ تو اُس وقت اُسی ایک مشترکہ پلیٹ فارم پر ہندو۔ مسلمان۔ عیسائی و دیگر مذاہب کے پیرو کاروں نے اپنے اپنے خیالات کا اظہار کیا تھا۔ اس جلسہ میں اہلِ اسلام کی جانب سے مولوی محمد[۲] مرتضیٰ علی خاں صاحب سوامی[۹۱] جی سے ایک مسئلہ پر بحث کرنے نہیں

[۹۱] یہ واقعہ نارائن کا چشم دید ہے۔ اِس موقعہ پر نارائن رام کے ہمرکاب تھا اور اُن دنوں جو جو ویاکھیان سوامی جی کہیں دیتے تھے اُن کے مختصر نوٹ قلمبند کر کے مختلف اخباروں کو برائے اشاعت بھیجا کرتا تھا۔ اور گاہے گاہے حکم پانے پر ساتھ پلیٹ فارم پر خود بھی کچھ بولا کرتا تھا۔ سبھا ہذا کا سالانہ جلسہ تھا۔ جلسہ کے شروع دن رام کی طبیعت کچھ ٹھیک نہ تھی۔ اسے مقررہ وقت پر اُس روز نارائن کو بولنے کے لئے (یعنی لیکچر دینے کے لئے) حکم فرمایا۔ جس پر نارائن آتما کے مضمون پر کچھ بولا۔ اِس کے ختم ہونے پر مولوی صاحب نے مضمون ہذا پر بہت سے اعتراضات پیش کرنے کے لئے وقت مانگا۔ رام نے جواب دیا کہ دوسرے دن تشریف لائیے اور اپنے شکوک رفع کر جائیے اِس طرح وہ دوسرے دن آئے اور مذکورۂ بالا نتیجہ حاصل ہُوا ؛ (نارائن)

نہیں لڑانے کے لئے آئے تھے۔ مگر جس وقت نظر دو چار ہوئی۔ معلوم نہیں وہ لڑائی کی سپرٹ کہاں گئی۔ مولوی صاحب کی آنکھوں سے اُسی وقت پریم کے آنسو بہنے لگے اور سوامی جی سے ہاتھ جوڑ کر بولے کہ "اے رام! میں تجھ کو ایسا نہیں جانتا تھا۔ اب میرے قصور معاف ہوں"۔ بعد ازاں مولوی صاحب ئے معرفت (اپنے ذاتی آنند) میں ہر وقت مخمور و مست نظر آنے لگے۔

آگے چل کر شانتی پرکاش جی لکھتے ہیں کہ۔ "میں نے معتبر ذریعوں سے سُنا ہے کہ جس وقت سری رام تیرتھ جی ہردوار کے پہاڑوں پر تپ کرتے تھے تو اُن کو یہ قدرت حاصل تھی کہ وایو (ہوا) جل (پانی) تک اُن کے حکم پر چلتے تھے۔ جیسا کہ گنگوتری و جمنوتری کے سفر کا بیان جو رام کی قلم سے لکھا ہُوا ہے اِس امر کو بخوبی روشن کرتا ہے":

. . . . . گذشتہ سال کا ایک واقعہ میرا چشم دید ہے کہ جن دنوں سوامی جی (رام بادشاہ) یہاں (فیض آباد) تشریف لائے تھے۔ قریب قریب ہر روز بارش ہوتی تھی۔ جب میں نے مہاراج کی خدمت میں عرض کی کہ "(atmosphere is gloomy) مطلع غمگین ہے یعنی بادل سے۔ آسمان گھِرا ہُوا ہے"۔ تو رام بادشاہ ہنسے اور فرمایا کہ "Rama has now come, nothing can remain gloomy. Let the atmosphere also be cheerful" (اب رام آگیا ہے یادلوں کی آلودگی اور غمگینی نہیں رہ سکتی۔ اِس مطلع کو بھی خوش و بشاش یعنی صاف رہنا چاہئیے۔) یہ فرمانا تھا کہ فوراً بادل جو گھِرا تھا پھٹ گیا۔ اور سُورج کا پرکاش ہو گیا۔ اور پھر جب تک سوامی جی اپنے اُپدیشوں سے فیض آباد کو فیضیاب کرتے رہے۔ ابر کا نام و نشان تک نہ تھا۔

۔ ممکن ہے کہ بعض اصحاب کو رام کے ان معجزوں یعنی تعجب خیز وقوعات میں شک معلوم دے۔ مگر ہم لکھ چکے ہیں کہ برہم نشٹھ (عارف کامل) مہاتما کی طاقت لا انتہا ہو جاتی ہے۔ اُس کا ہر ایک کام دنیا سے نرالا ہوتا ہے۔ قدرت اُس کی خدمت کے لئے سرشار رہتی ہے اور ایسے عارف کا حکم ناطق نازل ہونے ہی فی الفور مکمل ہو جاتا ہے۔ اور جب ایک انسان زندگی کے وہ تمام کٹھن مرحلے جو ایک مہاپرش کو طے کرنے پڑتے ہیں طے نہ کرلے وہ مہاپرش کے کارہائے نمایاں کا اندازہ لگا ہی نہیں سکتا۔ اور جب کوئی انسان قدرتی اصولوں پر چلتا ہو۔ تو کوئی وجہ دکھائی نہیں دیتی کہ قدرت اُسکی آواز کے مطابق نہ چلے۔ سری گورو نانک دیوجی لکھتے ہیں

ع "جے توں اُس کا ہو رہیں + سب جگ تیرا ہو"

یہاں معاملہ ہی صاف ہے۔ جن کا دل پاک ہے تمام عالم اور قدرت اُن ہی کے ساتھ ہے۔

سوامی رام جی نے اپنے بھگتوں سے ایک دفعہ بمقام لال بھون فیض آباد اپنی گفتگو میں فرمایا تھا کہ "رام صُبح کے ایک دن جنگل چلا جا رہا تھا۔ کہ ایک ادویت مورتی (واحد انیت مجسم) مہاتما سے آنکھیں دو چار ہو گئیں۔ اُن کے پاس محض ایک لنگوٹی تھی۔ اور وہ بھی کچھ پھٹی ہوئی۔ ایک سیٹھ بدری ناتھ کو جا رہا تھا۔ اس سنت مہاتما نے اُس سیٹھ سے اپنی لنگوٹی (جو کچھ کھلی تھی) کی طرف اشارہ کر کے کہا:۔ ارے بدری ناتھ تو یہ دیکھ لے" ان مہاتما کا نام ہری ہر دیو تھا۔ اِن سے جب رام کی آنکھیں دو چار ہوئیں۔ دونوں ہنس پڑے

ابھی اسے اپنے ہمراہ رکھئے اور تربیت پانے دیجئے۔ جب ہر طرح سے خوب مضبوط ہو جائیگا تو خود بخود الگ رہنے کی درخواست کریگا۔ اور تب وُہ خوب ترقی پا سکے گا۔ ایسے گھائل ہوئے دل کے ساتھ اُسے بھیجنا شاید اُسکے لئے بہت مُضر پڑے۔ وغیرہ وغیرہ "مگر رام بادشاہ کس کی سُنتے تھے۔ گو اتنا ضرور ہو گیا کہ نارائین کو فیض آباد سے ہی علیحدہ نہ کیا گیا۔ بلکہ لکھنؤ پہنچتے ہی سنیاس بننے اور علاقہ سندھ جانے کا حُکم ناطق بڑے پریم بھرے لہجہ میں رام نے دوہرایا۔ جس کو دل پر پتھر رکھ کر منظور کرنا پڑا۔ لکھنؤ سے ہر دو اکٹھے ایک گاڑی میں سوار ہوئے۔ رام نے نارائین کو اپنے پاس بٹھلا کر اُس کی طرح طرح سے حوصلہ افزائی کرنی شروع کی۔ اگرچہ حوصلہ افزائی و دلجمعی نارائین کی بہت کی گئی۔ لیکن جُدائی کا لفظ دل کو اِسقدر چوٹ لگا رہا تھا کہ بے تحاشا آنسوؤں کا دریا بہنے لگا۔ اور اِس دِلی چوٹ و محبت نے رام کے دل کو بھی خوب ہلا دیا۔ اور اُنکی مست آنکھیں بھی آنسو برسانے سے رُک نہ سکیں۔ اِس طرح دونوں طرف سے آنسوؤں کا سما بندھا ہُوا تھا کہ جنکشن اسٹیشن جہاں سے نارائین کو بدلنا تھا اور رام کو اُسی گاڑی میں آگے جانا تھا آپہنچا۔ وہاں پہنچکر نارائین کے دِل کی کچھ اور ہی حالت ہو گئی۔ اور اس قدر صدمہ لگا کہ آنکھیں آنسو برسانے سے تھمتی ہی نہ تھیں۔ رام نے خود نارائین کو لنگلگر کیا اور ازحد پریم بھرے لہجہ میں سمجھا بُجھا کر تھپک دیا اور گاڑی بدلنے کے لئے نارائین کی گٹھڑی بھی قلیوں کے حوالے کر دی۔ خود بھی رام اُتر کر نارائین کے ہمراہ ہو لئے اور پژمردہ دِل نارائین کو بآرام گاڑی میں بٹھلا آئے

شری سوامی نارائن تیرتھ (۱۹۰۵)
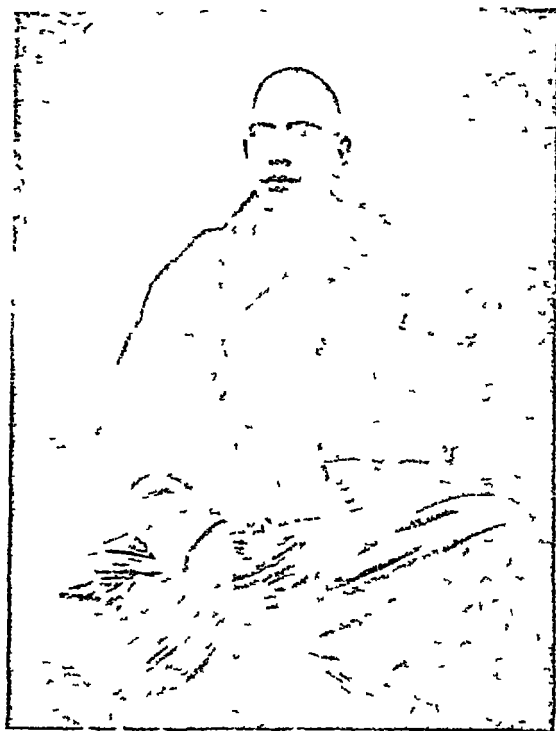
श्री स्वामी नारायणतीर्थ (१९०५)

اور الگ ہوتے وقت جو اوم کی سُریلی دُھنی رام نے اُچارن کی اُس کا اثر جو ہُوا وُہ نارائن کا دِل ہی جانتا ہے - قلم بیان نہیں کر سکتی ؛

اِس طرح فروری ۱۹۰۲ء میں نارائن کو سنیاس ملا - اور رام سے الگ ہو کر ملباسِ سنیاس تیِن دِشا سر پھرنے لگا ؛

رام سے الگ ہو کر وُہ بموجب حُکم پہلے سِندھ دیش میں آیا - وہاں کچھ عرصہ خوب ست سنگ کا سِلسلہ جا کر مُلتان شہر گیا - وہاں سے لیہ - ڈیرہ اسمٰعیل خان اور پنڈ دادنخاں ہوتا ہُوا کٹاس راج پہنچا - اتنے میں رام مہاراج کا نوازشنامہ موصول ہُوا - جس میں اُنہوں نے تحریر فرمایا کہ پہلی دفعہ نارائن کو چار ماہ تک ہی الگ پھرنا چاہئیے - چار ماہ کے ختم ہونے پر نارائن کو فوراً پہاڑوں میں رام کے پاس آجانا چاہئیے - مئی ۱۹۰۲ء میں رام ریاست ٹِہری کے پہاڑ میں دوبارہ واپس چلے گئے اور وہاں اپنا ایک جگہ آسن جما کر نارائن کو اُنہوں نے اِطلاع دیدی - نارائن بھی فرمانِ رام پاتے ہی جُون ۱۹۰۲ء میں بطرف اُترا کھنڈ روانہ ہو گیا - اور ماہ جُون کے آخر میں رام کی خدمت میں جا حاضر ہُوا - پھر جو دِل کو مسرت اور لطف ملی وُہ دِل ہی جانتا ہے - نارائن کے پہنچنے پر رام نے اپنی تیار کردہ غزل جو سُنائی وُہ آجتک نہیں بھُولتی - اگرچہ وُہ رام برشا میں دی گئی ہے مگر اِس موقع پر بھی اُس کا درج کرنا غیر مناسب نہیں ہے - اِس لئے نیچے دی جاتی ہے ؛

اُڑا رہا ہُوں مَیں رنگ بھر بھر طرح طرح کی یہ ساری دُنیا
یہ خوب ہولی مچا رکھی تھی یہ اب تو ہولی یہ ساری دُنیا
مَیں سانس لیتا ہُوں - رنگ کھلتے ہیں - چاہُوں دم میں ابھی اُڑا دوں

بھی مہاراجہ صاحب کو تشفی نہ ہوئی - آخرش مُباحثہ بند کیا گیا - اور دِل پہلے سے بھی زیادہ مُضطرب ہو گیا - اُس وقت بھی مہاراجہ صاحب نے سوامی رامؔ کو اس مُباحثے میں بُلوانے کی بہت کوشش کی تھی - مگر چونکہ رامؔ ایکانت ابھیّاس میں تھے اور ایک جگہ سے نہ ہلنے کے ارادے سے اسے مُطالعہ و ابھیّاس میں جم کر بیٹھے تھے - لہٰذا وُہ کوشش رائگاں گئی - اب اتفاق سے جس پڑاؤ پر مہاراجہ صاحب نے مقام کیا اُسی کے نزدیک رامؔ قیام رکھتے تھے - اور دِل پہلے سے ہی دھرم کے اصولوں و نیموں سے شکی تھا - اور مذہبی مسائل کے ٹھیک نہ سمجھنے سے ہر وقت مُضطرب بھی رہتا تھا - اِس موقعہ کو غنیمت سمجھ کر مہاراجہ صاحب نے اپنے وزیر صاحب کو سوامی جی کی خدمت میں اِس عاجزانہ درخواست سے بھیجا - کہ "ہے ساری سرِشٹی کے مالک و آزاد سوامی جی! اپنی کرپا درِشٹی ہمارے پر بھی کیجئے - اور درشن دیکر ہمیں بھی کرتارتھ کیجئے - آپ کی بڑی ہی کرپا ہوگی جو یہاں درشن دیکر ہم بھولے بھٹکوں کو بھی راہِ راست پر لا دیں گے" یہ سُنتے وزیر صاحب کی زبانِ مُبارک سے سُنتے ہی شہنشاہِ رامؔ اُٹھ کھڑے ہوئے اور وزیر صاحب کے ساتھ مہاراجہ صاحب کی طرف چل دئیے - رامؔ کی آمد کی خبر پاتے ہی مہاراجہ صاحب راستہ میں استقبال کے لئے آئے ہوئے تھے - درشن پاتے ہی اپنے آپ کو دھنیہ بھاگ کہتے ہوئے پرنام کیا - اور بڑے محظوظ دِل سے سوامی جی کا سواگت کر کے اپنے مقام پر لائے - سوامی جی کا مقام پر پہنچنا تھا کہ یہاں ایک دربارِ عظیم لگ گیا جو شک درباره ہستی ایشور پر ماتما مہاراجہ صاحب کے دِل میں مدت سے کھٹک رہا تھا اور آج تک حل نہ ہونے کے سبب اُنہیں مُضطرب چین نہ لینے دیتا تھا وہ اتفاق سے

مہاراجہ صاحب پُوچھ سکتے۔ قریب دو بجے کے یہ سوال پُوچھا گیا۔ اور قریب ۵ بجے شام تک رام مہاراج اسی مسئلہ کو مختلف دلائل اور اظہارِ امورِ واقعی سے خُوب واضح کرکے سمجھانے گئے۔ جب یہ مسئلہ ہر پہلو سے خوب واضح طور پر ثابت کیا گیا تو مہاراجہ صاحب نے اشارتاً اپنا عرض کیا کہ روپیہ میں بارہ آنے بالکُل سمجھ میں آ گیا ہے۔ اب ذراسی کسر باقی ہے سو اگر آپ کُچھ مدت تک ہمارے پاس ٹہری قیام فرمائیں گے تو آپ کی اتبنسنگ (نہایت درجہ کی) کرپا ہوگی۔ اور مجھے اُمید قوی ہے کہ آپ کی اس کرپا سے اور روز مرّہ کی سنگت سے میرے دِل کے دیگر شبہے بھی کالعدم ہو جائیں گے۔ اور مُضطرب دِل شانتی پکڑنے لگ جائے گا۔ مہاراجہ صاحب کی اِس استدعاء کو رام نے آنند سے قبُول فرمایا۔ اس تھوڑے ہی عرصہ بعد پھر وُہ ٹہری پدھارے اور اُنکے ٹہری پہنچنے کے چند روز ہی بعد نارائن میدانوں سے وہاں پہنچ گیا۔ اور پھر کئی ماہ تک وہاں اُنکے ہمرکاب رہا:

سفرِ ممالکِ غیر ٹہری میں تھوڑے عرصہ رہنے کے بعد سوامی جی برماب نگر گئے۔ یہ مقام پربت کی چوٹی پر ہے۔ موسمِ گرما کاٹنے کے لئے مہاراجہ صاحب مرحوم کے والد بزرگوار شری پرتاب شاہ جی نے اپنے لئے بنوایا تھا۔ اِس لئے اُنہی کے نام سے موسوم ہے۔ موجودہ مہاراجہ صاحب ٹہری بھی اُن ایام میں وہاں رونق افروز تھے۔ قریباً ہر ہفتہ مہاراجہ صاحب سوامی جی مہاراج کے پاس آتے تھے اور خُوب دِل بھر کر ست سنگ کرتے تھے۔ اُن دِنوں یعنی جولائی ۱۹۰۲ء کے اخباروں میں یہ خبر چھپی کہ ”جکاگو“ کی طرح جاپان میں بھی دُنیا بھر کے تمام مذاہب کی

ریلیجس کانفرنس منعقد ہوگی - اور ہندوستان کے سب فرقوں و مذاہب کے لیڈروں کو مدعو کیا گیا ہے - وغیرہ وغیرہ" مہاراجہ صاحب اخبار میں یہ خبر پڑھتے ہی خود اخبار ہاتھ میں لئے فوراً سوامی جی کے پاس آئے اور اس خبر کو پڑھ کر سنایا - بعد سنانے کے تھوڑی دیر بعد مہاراجہ صاحب نے یوں عرض کی کہ "اگر آپ جیسے سرپاں (مہاتما) اس جلسہ میں براجمان ہوں تو ہندوستان کا بھی نام رہ جائیگا - ویدانت کا تو بھی جابجا خوب پھیلے گا - اور اس کانفرنس کی شہرت بھی آپ جیسے مہاتماؤں کے رونق افروز ہونے پر بہت زیادہ ہو جائیگی" - مہاراجہ صاحب کی اس استدعا پر سوامی جی جاپان جانے کے لئے فوراً تیار ہوگئے - چونکہ سوامی جی کوڑی تک کبھی پاس رکھتے نہیں تھے - پاس رکھنا تو درکنار سوائے لوبے کے اُن دنوں کسی اور دھاتو کو چھونے بھی نہ تھے - اسلئے مہاراجہ صاحب نے بذریعہ تار ٹھامس کک اینڈ کمپنی کی معرفت جہاز کے کرایہ وغیرہ کا کُل انتظام اپنے آپ کر لیا - اور سوامی رام اور نارائن ہردو کے لئے ایک کمرہ ریزرو کروا دیا - قریب ایکہزار روپیہ کے کرایہ لگا تھا - ایسا انتظام ہونے پر سوامی جی ٹہری سے بطرف کلکتہ چلدئے - اگرچہ مہاراجہ صاحب نے ہردو کے لئے کمرہ ریزرو کروا دیا تھا - مگر رام بادشاہ نہ پسند کرکے کہ نارائن کے ہمراہ چلنے سے اولاً تو اس کی اپنی ترقی میں فرق آجائیگا دوم ہمارے ورش میں اسکے پیچھے اُس کی لائین پر کام کرنے والا نہیں رہے گا، اسلئے آپ اکیلے چلدئے - اور نارائن کو فرمایا کہ کچھ عرصہ تک تم اکانت ابھیاس کرنے کے لئے ٹہری ہی میں رہنا اور بعد ازاں ویدانت پرچار اپنے دیش میں جا کر کرنا

اسا تھکم دینے کے بعد نارائن کو پھر ڈیرہ دون تک ساتھ لے گئے۔ تاکہ رام کو ریل میں سوار کرآئے اور آخری ایڈرس لے کر واپس آجائے۔ اس طرح سے نارائن صرف ڈیرہ دون تک گیا۔ اور اُنہیں گاڑی میں سوار کراکر اور کئی اُمور میں ایڈریس لیکر واپس ٹیہری آیا ؛

ٹیہری سے روانہ ہونے سے ایک دن پیشتر رام بادشاہ کی خدمت میں اگرچہ مہاراجہ صاحب ٹیہری نے دوبارہ سہ بارہ یہ عرض واضح طور پر کردی تھی کہ "آپ اکیلے جاپان ہرگز تشریف نہ لیجائیے گا۔ نارائن جی کو ضرور ساتھ لیجائیے گا۔ تاکہ راستے کی تکالیف کے دور کرنے میں وہ بہت مددگار ہو سکے۔ مَیں خود ولایت ہو آیا ہُوں۔ مجھے سمندر کے سفر کا پُورا پُورا تجربہ ہوچکا ہے۔ اکیلے مسافر کی جان پر جو بن آتی ہے وہ وُہی جانتا ہے۔ دُوسرا کبھی ٹھیک اندازہ نہیں لگا سکتا۔ اور شروع شروع کے سفر بحری میں تو اکیلے ہرگز جانا نہیں چاہیئے۔ کیونکہ راستے میں دُکھ بہت ہوتے ہیں وغیرہ وغیرہ"۔ مگر سوامی جی کے دِل میں یہ عرض گذاشت کچھ بھی سما نہ سکی۔ لہذا اِس امر پر بلا کوئی توجہ دیئے اکیلے بطرف کلکتہ چلدیئے۔ راستہ میں جہاں جہاں اُترے سب نے رام کی اِس کارروائی اور عدم توجہی پر زور شور سے اعتراض کیا۔ یہاں تک کہ لکھنو میں جب اُترے تو سب ولایت کے سفر کرنے والے اصحاب نے بڑی حلیمی سے اُنکی خدمت میں عرض کی کہ ایک ہمراہی اپنے ساتھ ضرور لیجائیے۔ اکیلے ہرگز نہ جائیے۔ جب بیچ میں آپ آگرہ میں پہنچے تو رائے بہادر لالہ بیجناتھ صاحب نے اُنکی اِس ضِد پر بہت تکرار کیا۔ اور بحری سفر کے کئی پہلُو پر غور کراکر سوامی جی کو مجبور کیا کہ ایک نہ ایک ساتھی ضرور وُہ ساتھ لیجائیں ؛

جب ساتھیوں کا انتخاب ہونے لگا۔ تو سب نے نارائین ہی کیطرف اشارہ کیا۔ اس طرح باہم مشورہ سے فیصلہ پانے پر رام مہاراج نے نارائین کے نام ایک ارجنٹ تار ٹیہری کے پتہ پر بدیں مضمون بھیجدی کہ "۲۰ ماہ اگست تک کلکتہ میں جلد حاضر ہو جاؤ۔ رام نے تمکو ساتھ لیجانا ہے"۔ ۲۰ ماہ اگست میں بہت تھوڑے دن رہ گئے تھے۔ مگر تار کے موصول ہوتے ہی نارائین ایک شبع نوجوان طاقتور قلی کو ساتھ لیکر طرف ڈیرہ دون روانہ ہو گیا۔ شام کے دو بجے ٹیہری سے چلا تھا۔ لیکن رات کے آٹھ بجے تک اس نے قریباً ۲۲ میل کا سفر طے کر لیا یعنی راستے کے عین درمیان میں جو کدو کھال نام کی چوٹی آتی ہے (اور ٹیہری سے وہاں تک متواتر چڑھائی ہی ہے) اس مقام پر نارائین معہ اپنے ہمراہی کے رات کے آٹھ بجے پہنچ گیا۔ اور دوسرے دن علی الصباح اٹھکر گیارہ بجے کے قریب ڈیرہ دون پہنچ گیا۔ اور ایک بجے والی ریل گاڑی پکڑلی اس طرح بجائے ۲۰ ماہ اگست کے نارائین جلدی کے مارے ۱۹ کو پہنچ گیا۔ تاکہ نارائین کی طرف سے حکم کی پیروی میں کوئی کمی نہ ثابت ہو۔ نارائن کی خوش قسمتی سے جہاز کے چلنے کی تاریخ بھی بدل گئی تھی۔ یعنی بجائے ۲۰ یا ۲۲ اگست کے قریب ۲۸ اگست ہو گئی تھی اور نارائین کو اس طرح کلکتہ میں سفر کی تکان سے بھی آرام مل گیا:

اس طرح نارائین کو اپنے ہمرکاب لئے ہوئے رام بادشاہ ۲۸ اگست سنہ ۱۹۰۲ء کو جاپان کی طرف روانہ ہوئے۔ ہانگ کانگ تک ہم لوگوں نے جارڈن کمپنی کے ایک کمپیتن نامی جہاز میں سفر کیا۔ وہاں پہنچکر ہفتہ بھر رہنے کے بعد ایک امریکن کمپنی کے بڑے بھاری جہاز میں سوار ہوئے۔

چین سے دس بارہ دن کے بعد ہم یوکوہامہ میں پہنچ گئے۔ کچھ تو جہاز کے مقام مقام پر ٹھہرنے سے کئی بندرگاہ پر راستہ میں تھوڑی دیر کے لئے اُترنا پڑا، اور کچھ تبدیلیٔ جہاز کی وجہ سے کئی کئی دن راستہ میں رُکنا پڑا، اس لئے ہم جلد جاپان نہ پہنچ سکے۔ بلکہ ماہ اکتوبر کے شروع ہفتہ میں یوکوہامہ (جاپان کے بڑے بندرگاہ پر) پہنچے۔ کلکتہ سے روانہ ہونے کے چند روز پیشتر جو نظم وہاں کے نظارہ سے متاثر ہو کر رام کی قلم سے لکھی گئی تھی اُس کی نقل اگرچہ رام برشنا میں چھپی ہوئی ہے لیکن اُسے یہاں بھی موزوں مقام سمجھ کر دیا جاتا ہے۔ تاکہ رام بادشاہ کے چلنے کے وقت جو اُن کی قلبی حالت تھی وہ ناظرین کو واضح ہو جائے۔

گیانی کی سیر

راگ کلیان - تال تین

٭ سیر کیا ہے عجب انوکھا کہ رام مجھ میں میں رام میں ہوں
بغیر صورت عجب ہے جلوہ کہ رام مجھ میں میں رام میں ہوں
مزۂ حسن و عشق ہوں میں مجھی میں راز و نیاز سب ہیں
ہوں اپنی صورت پہ آپ شیدا کہ رام مجھ میں میں رام میں ہوں
زمانہ آئینہ رام کا ہے۔ ہر ایک صورت سے ہے وہ پیدا
جو چشم حق بیں کھلی تو دیکھا کہ رام مجھ میں میں رام میں ہوں
وہ مجھ سے ہر رنگ میں ملا ہے کہ گل سے بو بھی کبھی جدا ہو
حباب و دریا کا ہے تماشا کہ رام مجھ میں میں رام میں ہوں
سبب بتاؤں میں وجد کا کیا؟ ہے کیا جو در پردہ دیکھتا ہوں

شائع ہو گئے تھے۔ اور اُس بندرگاہ میں چند گجراتی بھائیوں کے بھی فرم تھے۔ وہ اِن ناموں کو پڑھ کر خود برائے درشن جہاز پر آ گئے۔ اور ہم لوگوں کو اپنے مکانوں میں لے گئے۔ اُن پیاروں نے ہر طرح سے ہماری خاطر تواضع کر کے اُس شہر کی خوب سیر کرائی اور وہاں کی مختلف رسُومات اور فیکٹریاں وغیرہ دکھائیں۔ وہاں سے سوار ہو کر پھر ہم جاپان کے مشہُور اور آخری بندرگاہ یوکوہامہ پر پہنچے۔ وہاں اُترتے ہی سیٹھ (وشال آسُومل) سندھی مرچنٹ کے ایک دو نوکر بندرگاہ پر برائے استقبال تشریف لائے ہُوئے تھے۔ اُن کے ہمراہ ہم لوگ اُن کے فرم پر پہنچے۔ اور قریب ایک ہفتہ وہاں رہے۔ اُن لوگوں کو جب یہ معلوم ہُوا کہ ہم تمام مذاہب کی کانفرنس کے دیکھنے کے لئے آئے ہیں۔ تو وہ یہ خبر سُن کر بڑے متعجب ہُوئے۔ کیونکہ اِس قسم کی کوئی خبر اُن کو جاپان میں سُنائی نہ دی تھی۔ اور نہ وہاں کے کسی اخبار میں تا حال چھپی تھی۔ اور کچھ مُسکرائے بھی۔ کیونکہ اُنکی نگاہ میں یہ خبر بالکُل غلط و جھُوٹ تھی۔

اِس طرح جب کوئی نشان و پتہ اِس "ریلیجس کانفرنس" کا یوکوہامہ میں نہ سنائی دیا۔ تو واجب سمجھا گیا کہ اسکی تحقیقات جاپان کے دارالخلافہ "ٹوکیو" میں کی جائے۔ وہاں پہنچکر خود پتہ لگ جائے گی۔ ٹوکیو میں چند طلباء ہندوستان کے مختلف علاقوں سے آئے تعلیم پا رہے تھے۔ اُنکے متعلق تو یوکوہامہ کے سیٹھ جی سے معلُوم ہو گئے اور اُس فرم کا ملازم بھی ہمارے ہمراہ ہو لیا۔ ہم لوگ ٹوکیو پہنچکر سب سے پہلے مسٹر پُورن سنگھ کے مکان پر پہنچے۔ یہ ہمارے ہم لوگوں کو دیکھتے ہی ایسے محظوظ ہُوئے کہ اُنکے چہرے پر باچھیں کھِل گئیں۔ بے شک

پیارے پُورن سنگھ جی کو ہمارے درشن مار سے اپنا وطن یاد آگیا - اور
دِل میں وُہ یکے لیسچ سے یُوں سمجھنے لگے کہ "بھگوان یا قُدرت نے اُنکے
دِل کے تمام شک و شبہ مٹانے کے لئے ہی یہ سنیاسی ملا بلائے یہاں
بھیجے ہیں - میری مراد ضرور بالضرور کچھ نہ کچھ اب برآئے گی" - وہاں
پہنچکر چند منٹ سستانے کے بعد جب ریلیجس کانفرنس کے بارہ میں
دریافت کیا تو معلوم ہُؤا کہ یہ خبر بالکل غلط اور لغو ہے کسی منچلے
پیارے نے محض مذاق کے طور پر جھُوٹ مُوٹ ہندوستان کے اخبارو
میں چھپائی ہے - جس سے لوگوں کو مفت میں دھوکا ملا ہے - ایسا معلوم
ہونے پر فوراً ایک تار ہندوستان بلیں اس غلط خبر کے متعلق دیدی
گئی تاکہ لوگ غلط افواہ مذکورہ سے گمراہ ہوکر ہندوستان کو نہ چھوڑ بیٹھیں
اور یہاں پہنچکر مفت تکلیف نہ اُٹھائیں ؛

ہمارے جاپان پہنچنے سے کچھ عرصہ پہلے پروفیسر چھترے کا سرکس
(گھوڑوں وغیرہ کا) بھی آیا ہُؤا تھا اور ٹوکیو میں ہر رات تماشا
کرتا تھا - ہماری آمد کی خبر پاتے ہی وُہ سب پیارے ہم لوگوں کو ملے
مہاراجہ صاحب بہادر نیپال نے اپنے کچھ طلباء برائے تعلیم صنعت و
حرفت جاپان میں ایک سوامی جی مہاراج کی زیر نگرانی بھیجے ہُوئے
تھے - وُہ سب طلباء بھی ملے - احاطۂ پنجاب و ممالک متحدہ کے بہت
سے طلباء ملے - جب ہندوستان کی سرزمین کے اتنے بھائی جاپان
میں نظر آئے تو دِل بہت متعجب ہُؤا - اور اپنے ہموطنوں کو وہاں ملکر
ایک دُوسرے کو اس قدر حظ آیا جو قلم کے احاطہ سے باہر ہے -
ہمارے پہنچنے سے پہلے بھارت ورش کے یہ نوجوان طلباء پروفیسر

چھترے وغیرہ کی تحریک پر ایک کلب بنا رہے تھے۔ جس میں ہندوستان کے چرچاہ چند جاپانی بھی سائل تھے۔ جب رام نے مسٹر پورن کے مکان میں قدم رکھا۔ تو اس کلب کی بنیاد پختہ کی جا رہی تھی۔ اس کا نام "انڈو جاپان کلب" قرار پایا۔ اس کے دو سکریٹری۔ ایک ہندوستانی بھائی مسٹر پورن۔ اور ایک جاپانی بھائی مسٹر جی سیکورائے تھے۔ کلب کا مدعا ہندوستانی نوجوانوں کو جاپان میں بلواکر تعلیم دلوانا اور باہم ایک دوسرے ہموطنی کی مدد کرنا تھا۔

تھوڑے عرصہ کے اندر اندر اس کا سرمایہ بھی کافی جمع ہو گیا۔ جب جاپان کی "ریلیجس کانفرنس" کی افواہ وہاں پھیل کر غلط پائی تو اس کلب میں ہی رام پہلے اڈریس دیتے رہے۔ بعد ازاں ٹوکیو کالج میں ایک دو مدلل لیکچر ہوئے۔ ٹوکیو کالج کا لیکچر رازِ ترقی (Secret of Success) پر تھا جس نے بہت جاپانی طلباء اور پروفیسروں کے دلوں پر وجد کا سا عالم پیدا کر دیا تھا۔ اس لیکچر کے بعد سوامی جی پروفیسر چھترے کی درخواست پر انکے ہمراہ امریکہ چلے گئے:

مسٹر پورن سنگھ کا سنیاس مسٹر پورن سنگھ کے ہاں جب سوامی رام پہنچے تو بات چیت (باہم بات چیت) سے معلوم ہوا کہ وہ ایک سچے آنند کے متلاشی اور ہربرٹ سپنسر کے مقلد ہیں۔ اتفاق سے ناداتفی اُن کے شہر وغیرہ کا نام پوچھ بیٹھا۔ تو آپ جواب دیتے ہیں کہ کل دنیا میرا گھر یا ملک ہے (The wide world is my home) اس جواب کو سنتے ہی رام نے دوسرا فقرہ اسکے ساتھ یہ سنا دیا (and to do good is my religion) اور بھلا کرنا میرا دھرم ہے۔ اس سوال و جواب سے اُنکی

سنیاسی لباس میں پورن سنگھ جی

संन्यासी लिबास में पूर्णसिंहजी (जापान, १६०३)

SHUKLA PRESS LKO

ہونہاری مترشح ہو رہی تھی - اور اہلِ قلم بھی وہ اِس قدر پائے گئے کہ جب سوامی رام نے "رازِ کامیابی" پر لیکچر دیا اور نارائن اُس لیکچر کے نوٹ اپنے ہمراہ کاغذ پر لکھ کر لایا - تو اُنہوں نے دو گھنٹہ کے اندر اندر اُن کُل نوٹوں کو مفصّل اور ہُو بہُو رام کی زبان ہی میں ادا کر دیا - اُن کی اس واضح اور دلچسپ تحریر کو دیکھ کر رام خود بھی بڑے متعجب اور خوش ہُوئے - اور اُن کو خوب شاباش (شاباش) دی - مسٹر پُورن کی یہ تحریر ہی اِدھر اُدھر سے دُرست کرکے رام کا پہلا لیکچر شائع ہُوا تھا -
اب تو پُورن جی رام میں اور رام پُورن میں ملاپ سے بسنے لگے - جب پُورن کے ہر طرح کے دِلی شک و شبے کافُور ہُوئے اور رام کی سنگت سے قلب تشفّی پا گیا تو وہ سب طلبا کے سامنے رام سے پُوچھنے لگے کہ "اب مجھے کیا کرنا چاہئے" رام نے جواب دیا کہ "اپنی ضمیر سے یہ سوال پُوچھو اور اُسکی پیروی کرو" پھر دوبارہ پُوچھا - تب بھی رام نے یہی جواب دیا - تھوڑی مُدت بعد سہ بارہ یہی سوال سارے پُورن نے رام سے کیا تو رام نے سب طلباء کی طرف اشارہ کرکے کہا "کہیں آپ لوگ یہ نہ سمجھ بیٹھیں کہ رام مسٹر پُورن کے لئے جو تجویز کہے گا وُہ آپ کے لئے بھی مُفید اور کار آمد ہوگی - ہرگز نہیں - آپ کی زندگی کا راستہ ایک دوسرے کے ساتھ اور خاصکر مسٹر پُورن کی زندگی کے ساتھ تعلق نہیں پا سکتا" پھر مسٹر پُورن کی طرف مخاطب ہوکر کہا کہ (Take up Sannyasa and serve humanity) "سنّیاس آشرم دھارن کرو اور بھائیوں کی سیوا کرو" یہی "راستہ زندگی" آپ کے لئے ازحد مُفید اور بہتر ہوگا" اتنا سُننا تھا کہ مسٹر پُورن کا دِل وجان پیچ وتاب کھانے لگا - اور قلب کی تہ

تک رام کے جواب کا اثر پہنچا۔ اِس جواب کے تھوڑے دن بعد سوامی رام پروفیسر تھنڑے کے ہمراہ امریکہ کی طرف چلدئیے اور مسٹر پورن جن کا دِل رام کے عشق میں گھائل ہُوا تھا رام کی مفارقت کے چند ماہ بعد ہی اُنہوں نے وہاں جاپان میں ہی سنیاس لے لیا۔ اور وہاں کے سادھو لوگوں (بونگوں) کی طرح سال بھر زندگی بسر کی - اسی سنیاسی لباس میں وُہ جاپان کے شہر شہر میں پھرے اور ویدانت کا پرچار کرتے رہے۔ اور ویدانت کا اثر ہر ایک تعلیم یافتہ کے اندر پھونکنے کے لئے ایک رسالہ بھی اُنہوں نے جاری کیا۔ جس کا نام (Thundering Dawn) گرجتی ہُوئی صبح تھا۔ ایک سال کے بعد جب وُہ مست و مسرور دِل سے ہندوستان میں پہنچے تو والدین اُنکی آمد کی خبر پاکر اُنکو لینے کے لئے کلکتہ آئے ہُوئے تھے۔ اپنے لختِ جگر کو سادھو لباس میں دیکھ کر سب روئے دھوئے۔ اور اپنے ہمراہ اُنہیں اپنے گھر پنجاب میں لے آئے۔ چند عرصہ تک لگاتار سمجھانے بجھانے کے بعد والدین نے اُن کا سنیاسی لباس اُتروا دیا۔ اور حسب درخواست والدین وُہ دُنیا داری میں پھر داخل ہو گئے۔ بعد ازاں یہی پورن سنگھ جی ڈیرہ دُون میں امپیریل فارسٹ کالج کے کیمیکل ایڈوائزر کے عہدے پر ممتاز ہُوئے تھے۔ آجکل پنشن یافتہ ہُوئے خانہ داری کر رہے ہیں۔ اور اب اُنکی گود میں چار بچے (تین لڑکے ایک لڑکی) کھیل رہے ہیں۔ یعنی چار بچوں کے والد شریف ہیں۔ اب کئی برس سے اپنے سہداسنی سِکھ مت میں پھر داخل ہو گئے ہیں اور اب بجائے مسٹر پورن کے سردار پورن سنگھ کہلاتے ہیں۔

نارائن کا ممالکِ غیر میں تنہا سفر

امریکہ چلنے سے ایک دن پہلے رام مہاراج
سے یوں فرمانے لگے کہ "دیکھو نارائن دھرم کے
ر لو اکٹھے آنا ہم دونوں کے لئے مفید و بہتر تھا۔ مگر جابجا سفر اکٹھے
نا یا دھرم پرچار کے لئے اکٹھے وچرنا ہم دونوں کے لئے نقصان دِہ
ہوگا۔ کیونکہ اِس طرح دِل ایک دُوسرے کے آسرے رہنے لگ جائے گا۔
اور ایشور پر کُلّی بھروسہ رکھنے کے بجائے باہم ایک دُوسرے کی مدد کا
محتاج ہو جائے گا۔ جس سے ایشور پر وِسواش کے متزلزل ہونے کا
احتمال ہے۔ اِس لئے بہتر ہے کہ ہم اب الگ الگ علاقے سفر کے لئے
مقرر کرلیں۔ ہم تو پروفیسر چھترے کے ساتھ امریکہ کی طرف وچرتے
ہیں۔ تم یورپ۔ افریقہ۔ لنکا برہما وغیرہ تمام علاقوں میں وِچرو۔ مگر دیکھنا۔
باہر کی تکالیف سے تنگ آکر ہمارے سے پہلے فوراً بھارت ورش
میں نہ چلے آنا۔ اور جب تک ہم نہ لکھیں تب تک بھارت ورش میں واپس
داخل مت ہونا۔ وغیرہ وغیرہ" یہ آخری حکم فرماکر رام تو دُوسرے دن
امریکہ چلدئے اور نارائن کو وہاں اکیلا جاپان ہی میں چھوڑ گئے۔ کچھ عرصہ
تک تو نارائن وہاں "رِلڈو جاپان کلب" کے لئے کام کرتا رہا اور جاپان
کے مشہور و معروف شہروں کا سفر کیا۔ قریباً تمام قابلِ دید مقامات
دیکھ کر نارائن جاپان سے واپس ہانگ کانگ آیا۔ وہاں قریب ایک
ماہ تک ست سنگ جاری رکھنے کے بعد سنگاپور آیا۔ وہاں سے
پینانگ ہوتا ہُوا برہما پہنچا۔ برہما میں چند ماہ گھومنے کے بعد لنکا
(Ceylone) کا رُخ کیا۔ وہاں سوامی وویکانند کی سوسائٹی
میں کئی لیکچر دیئے اور قریب تین ماہ تک لنکا کے مشہور مقامات دیکھنے

کے بعد مارا تھی افریقہ آیا۔ پورٹ سعید۔ قاہرہ (مصر)۔ الگزنڈریا گھومتا ہُوا
گوزو مالٹا جزائر میں پہنچا۔ وہاں سے افریقہ کی شمالی حد کا سفر کرتا
ہُوا یعنی طرابلس - اوران - الجزائر تنجیر (مراکو) کے شہروں کی سیر کرتا ہُوا
جبرالٹر پہنچا۔ وہاں قریب ایک ماہ تک ست سنگ جاری رکھنے کے بعد
لنڈن کا سفر کیا اور شروع ستمبر ۱۹۰۳ء میں لنڈن پہنچا؛

رام امریکہ میں سوامی جی کے تمام خطوں میں جو انہوں نے امریکہ
سے بھیجکر ارسال کئے صریحاً واضح ہوتا ہے کہ وہاں کے لوگوں کو سوامی جی کی
موجودگی سے نہایت فائدہ پہنچا۔ امریکہ جیسے مُلک میں جہاں بلا فیس
ادا کئے کسی قسم کا اعلیٰ اُپدیش سُننا نہیں ملتا وہاں رام نے بلا کسی
قسم کا ٹکٹ لگائے نہایت اعلیٰ و مفید مضامین پر لگاتار ویاکھیان (لیکچر)
دیئے۔ قریباً ہر روز کئی ماہ تک لگاتار لیکچر ہوتے رہے۔ سُننے والے بعض
اشخاص سے سُنتے ہیں کہ وہ ہر ایک لیکچر کا لفظ بلفظ نوٹ شارٹ ہینڈ
رائٹنگ سے لیتے تھے۔ بعد ازاں اُسکی چار پانچ مُفصّل و واضح نقلیں
بذریعہ ٹائپ رائٹر تیار کر لیتے تھے۔ اُن نقلوں کی ایک یا دو کاپی وہ
سوامی جی کی خدمت میں پیش کر دیتے تھے اور باقی ماندہ وہ اپنے
پاس اپنے استعمال کے لئے رکھ لیتے تھے۔ ممکن ہے کہ کئی لیکچروں کے
نوٹ نہ لئے گئے ہوں۔ مگر جتنے لیکچروں کے نوٹ قلمبند ہوئے اور رام کی خدمت میں
پیش کئے گئے وہ تمام کے تمام رام مہاراج ہندوستان آتے وقت اپنے ہمراہ لیتے آئے۔
سچ پوچھو تو یہ رام کے لیکچروں کی غیر صاف شدہ نقلیں ہی تھیں
جو پورے چار سال تک چار جلدوں میں شائع ہو سکیں۔ ۔ اُن
سُننے والوں کے اشتیاق اور محنت کا ثمرہ ہے کہ جو آج ہندوستان

کیسل سپرنگ کیلیفورنیا
سوامی رام کی کٹیا
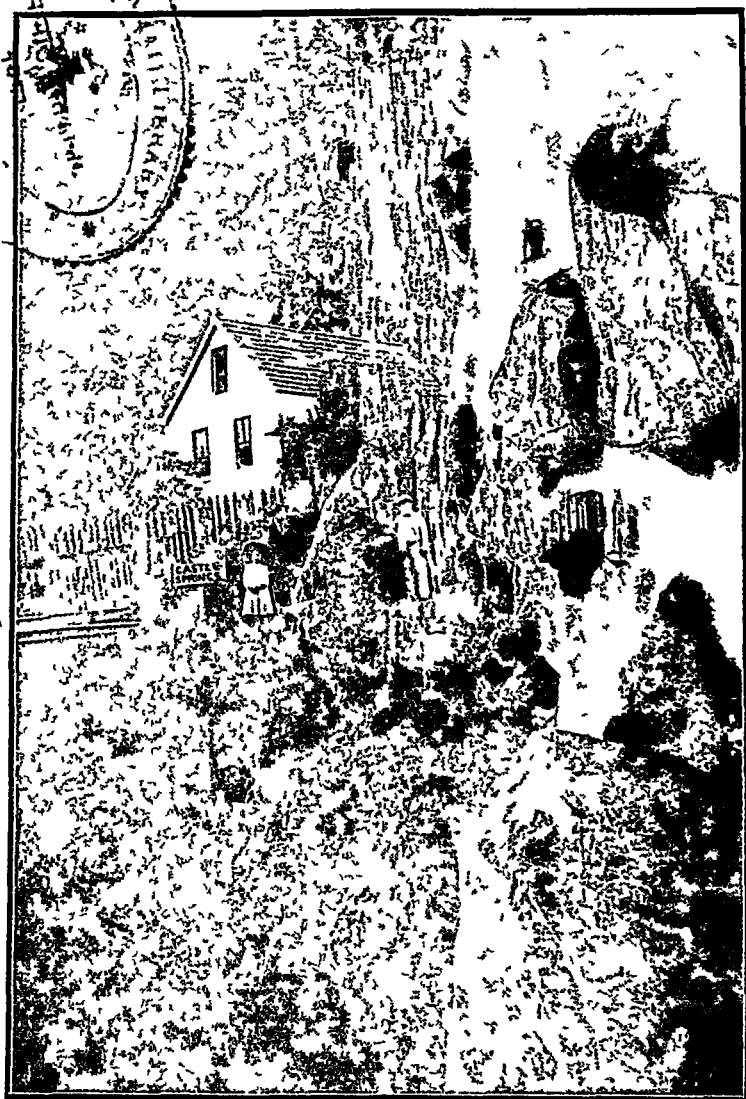
کو رام کے کلام و آیدلیتوں سے حظ اُٹھانا نصیب ہو رہا ہے۔ اگر امریکہ کے لوگوں میں رام کی محبت۔ اُنکی تعلیم سے عشق۔ اُن کے اُصولوں کی پیروی اور رام کے قصّے کا اشتیاق نہ ہوتا اور بدین وجہ وُہ کسی لیکچر کے نوٹ قلم بند کرکے مقفل نقل نہ کرتے۔ تو آج جو رام کی کلّیات سات جلدوں میں منقسم ہوکر شائع شدہ مل رہی ہیں ہرگز نصیب نہ ہوتیں۔ اور نہ ہندوستان کے بھائیوں کو یہ معلوم ہوتا کہ رام کا اثر امریکہ میں کیا اور کیسا ہُوا۔ امریکہ والوں کا رام کی خاطر اسقدر محنت اُٹھانا۔ اپنی گرہ سے سینکڑوں روپیے خرچ کرکے رام کے لیکچر کے لئے ہال کرایہ پر لینا۔ اور پھر کسی لیکچر پر کسی سے فیس وغیرہ وصول نہ کرنا صاف واضح کر رہا ہے کہ رام کی تعلیم و محبت کا اثر اُن پر کیا اور کیسا ہُوا۔ اگر اِس مقام پر اُس اثر اور رام کے کام کا مفصل ذکر کیا جائے تو سینکڑوں ورقے محض اس بیان کے لئے چاہئیں۔ اِس لئے مختصراً واضح کیا جاتا ہے کہ جس جس شہر میں رام امریکہ میں گھومے۔ وہاں کے لوگ ابھی تک رام کو نہیں بھولے۔ سائٹل وانس تک تو وُہ پروفیسر جیفرے کے ہمراہ تھے بعدازاں امریکہ کے لوگوں نے اُن کو پروفیسر صاحب سے چھین لیا۔ اور بہت عرصہ وُہ ایک نیک دِل ڈاکٹر "البرٹ ہلر" کے پاس سین فران سسکو میں رہتے۔ یہ شہر کیلی فورنیا کا مشہور قصبہ و بندرگاہ ہے۔ ڈاکٹر ممدوح نے سوامی جی کی خدمت بڑے شوق سے یعنی تن من دھن سے کی۔ پورے ۱½ برس تک انہوں نے رام کو اپنے پاس رکھا اور اپنا بنگلہ علیحدہ محض اُنکے لئے مخصوص کردیا۔ وہاں کے لوگوں نے سوامی جی کی

تحریک پر چند سوسائٹیاں بھی بنائیں جن کا مدعا غریب ہندوستانیوں کو برائے تعلیم امریکہ میں ہر طرح کی مدد کرنا تھا۔ سوامی جی کے روز مرہ قیمت سنگ سے لابھ اٹھانے کے لئے ایک ہرمیٹک برورہڈ (Hermetic Brotherhood) یعنی سادھوؤں کی برادری؛ قائم کی گئی تھی۔ اسی سوسائٹی میں زیادہ تر اُپدیش سوامی جی کے ہوتے تھے جو سننے والوں نے لفظ بلفظ قلمبند کر کے سوامی جی کی بھیٹ کئے تھے۔ سوامی جی کی مستی نے یہاں تک شہرت پکڑی کہ کئی اخبار نویسوں نے سوامی جی کی عیسیٰ مسیح کی طرح فوٹو لیکر اسے (Living Christ has come to America) زندہ عیسیٰ مسیح امریکہ میں آیا ہوا ہے کے عنوان سے چھاپ کر سوامی جی کی تعریف میں کے بعد دیگرے کئی آرٹیکل لکھے اور اُنکی مستی سے حظ اُٹھانے کے لئے امریکہ کے پریذیڈنٹ نے بھی اُنکے درشن کئے۔ اور جو کوئی بھی رام کو ملا وہ اُنکے درشن ماتر سے گھائل ہو گیا۔ کئی پیارے تو رام کی نہ رُکنے والی ہنسی اور بھینی مسکراہٹ پر شیدا اور مفتون ہوئے رہتے تھے:

نیویارک کا ایک اخبار لکھتا ہے۔ (یہ مضمون لاہور کے ٹریبیون اخبار سے نقل کیا تھا) کہ "امریکہ میں ایک عجب ہندوستانی سادھو آیا ہوا ہے۔ جو کسی دھاتُو کو سوائے اپنی عینک کے نہیں چھوتا۔ اپنے ساتھ اسباب جوڑنی بھی نہیں رکھتا۔ جب سیر کرنے نکلتا ہے۔ تو ایک معمولی کپڑے میں کئی روز ازحد سرد مقاموں میں گھومتا رہتا ہے۔ جب لیکچر دیتا ہے۔ تو دن میں کئی دفعہ اور ایک دفعہ تین تین گھنٹہ متواتر بولتا رہتا ہے۔ اُس کی صورت و شکل بڑی دلکش ہے"۔

شری سوامی رام تیرتھه (امریکہ ۱۹۰۴)

श्री स्वामी रामतीर्थ (अमेरिका १६०४)

SHUKLA PRESS LKO

گرنٹ بسبعک آئیل روڈ کیمی امریکہ کا مسٹر لکھتا ہے۔ کہ "سوامی رام ایک ہندوستانی فلاسفر کی نہ رُکنے والی ہنسی اور بھیی مسکراہٹ دل کو موہ لیتی ہے۔"

سنٹ لوئیس کی نمائش میں مذہبی کانفرس کے متعلق وہاں کے ایک لوکل اخبار نے لکھا ہے کہ "اِس جلسہ میں اکیلا شگفتہ چہرہ سوامی رام کا تھا۔ ہندوستانی فلاسفر ہم کو سکھانے آتا ہے۔" اِس عنوان سے بےشمار مضامین امریکن اہل قلم کی طرف سے اخبارات میں اُن دنوں شائع ہوئے۔ کس کس کا ذکر کیا جائے۔ سوامی جی کی تصویر ہر طرح سے دلکش تھی اور نغمۂ اِسم اعظم (اوم کا وِرد) جو ہر وقت رام کے مُنہ سے نکلتا رہتا تھا ہر ایک پر حیرت فضل کا اثر ڈالتا تھا

آجکل کے لوگ جنہوں نے مذہب کو محض بحث مباحثے تک محدود سمجھا ہے اور عمل نام کو نہیں۔ اُن سے بیشک دُنیا تنگ ہے۔ ایسے لوگ نہ تو آپ دل کی شانتی پاتے ہیں اور نہ دوسروں کو دیتے ہیں۔ نہ آپ عملی آستک ہوتے ہیں اور نہ اسی وجہ سے دُوسرے ناستکوں کو آستک بنا سکتے ہیں لیکن رام جیسے عامل شخص کے پاس جاکر زمانہ کے عالموں اور فاضلوں کی زبانیں گُنگ ہو جاتی ہیں۔ دماغ ٹھہر جاتے ہیں۔ امریکہ کا ایک واقعہ ہے جو رام کی عملی زندگی کے اوپر روشنی ڈالتا ہے ؛

امریکہ میں ناستک (خُدا کی ہستی نہ ماننے والی) سوسائٹی کی ایک عالمہ لیڈی رام کے پاس بحث کرنے کی غرض سے آئی - امریکہ کا ایک اخبار لکھتا ہے کہ رام بادشاہ اُس وقت سمادھی میں تھے اور اُس سمادھی کی حالت کی فوٹو بھی اخبار نویس نے اُس اخبار میں چھپوا دی تھی۔

ناستک لیڈی جب تک رام سمادھی کی حالت میں رہے خاموش بیٹھی رہی سمادھی کھُلنے کے بعد محبت کی دلدادہ لیڈی صاحبہ نے سکوت توڑا اور گویا ہُوئی یوں کہ "مائی لارڈ میں ناستک نہیں ہُوں۔ آپ کے درشن سے میرا شک دُور ہو گیا"۔ سچ ہے جو عارف ایشور کی ہستی کو دِل سے قبول کرتے ہیں اور پریم کی جلتی ہُوئی جوت کو اپنے اندر محسُوس کرتے ہیں۔کیوں نہ اُنکی آہٹ سے ناستکتا دُور ہو۔ اور غرُور کافُور ہو۔ سری رام چندر جی کے چرن چھُو جانے سے پتلا اہلیا بن جاتی ہے۔سوامی وویکانند پہلے ناستک تھا۔ سری رام کرشن پرم ہنس سے وُہ پُوچھتا ہے" مہاراج ایشور کی ہستی کا کیا ثبوت ہے"؟ "کیا آپ نے کبھی ایشور دیکھا ہے"؟ پرم ہنس جی جواب دیتے ہیں"ہاں، میں جیسے یہاں تُم کو پاس دیکھتا ہُوں ویسے ہی ایشور کو دیکھا ہُوں"۔ ایسا جواب ملنا تھا کہ وویکانند جی کا ناستک پن کافُور ہو گیا۔ وُہ کوٹ پتلُون اُتار پرم ہنس جی کا چیلہ بن گیا۔اور یہ بتانے کی ضرورت نہیں کہ سوامی جی ممدُوح نے دُنیا میں بھر کیا کیا کام کیا۔

مسِسِز ولمنس امریکہ کی ایک نہایت محبت بھری لیڈی تھیں۔ رام کے اوم کے نغموں کو سُنکر ایسی والہ ہُوئیں کہ مغربی لباس اُتار کر سنیاسن بن گئیں۔یعنی بھارت ورش کے سنیاسیوں کی طرح وُہ بھی بغیر نقدی وغیرہ ساتھ لئے محض ایشور پر تمام طرح کا بھروسہ رکھتی ہُوئی مُلک بہ مُلک پھرنے لگیں اور رام کے عشق میں سوالی ہو کر امریکہ سے بھارت ورش میں آئیں۔ رام کی ولادت گاہ کی زیارت کرنے کے لئے گاؤں مراری والا ضلع گجرانوالہ میں گئیں۔اور اُس چھوٹے سے قصبہ کی زیارت سے باغ باغ ہُوئیں ؛

اُس مجلس کی بیٹی مسِز ولمین کے علاوہ دو بہن اور لڑکیاں بھی رام کے عشق میں امریکہ سے بھارت ورش میں آئیں۔ اور کئی ابھی تک رام کی ولادت گاہ دیکھنے کے عشق میں وہاں سے آنے کو لکھ رہی ہیں اور رام کے نام پر وارے نیارے جا رہی ہیں۔

رام مصر میں امریکہ میں لاکھوں کے پاک دِل میں ویدانت کا جذبہ پیدا کر کے جبرالٹر کے راستے سے رام مصر میں پہنچے۔ وہاں اہل اِسلام کے اندر ایک مضمون پر انہوں نے فارسی زبان میں جادو بھری تقریر کی جس سے بہت سُننے والے وجد میں آ گئے۔ سُنا جاتا ہے کہ اِس تقریر کے نوٹ وہاں کے مشہور عربی اخبار "الوہاب" نے "ہندی فلاسفر" کے عنوان سے لئے تھے۔ غرضکہ اہل جاپان نے رام کو جاپانی۔ اہل مصر رام کو مصری۔ اور اہل امریکہ رام کو زندہ عیسیٰ مسیح اور اپنا آپ سمجھتے تھے۔

رام کی واپسی قریباً اڑھائی برس غیر ممالک میں ویدانت پرچار کرنے کے بعد رام بھارت ورش کو واپس آئے۔ اور مورخہ ۸ر دسمبر ۱۹۰۴ء کو بمبئی میں قدم رکھا۔ گو امریکہ جانے سے پہلے بھی رام کی مستی و نام ہر دو کافی شہرت پکڑ چکے تھے۔ تاہم امریکہ میں آپ کے کام و نام کی اِس قدر شُہرت پھیلی کہ تمام بھارت نواسی آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر آپ کی آمد کا اِنتظار کر رہے تھے۔ آپ کی واپسی پر تمام مذاہب کے اخبارات نے آپ کا خیر مقدم کیا۔ علی گڈھ گزٹ کے نائب ایڈیٹر بھی اُس وقت بمبئی کے بندرگاہ پر تھے۔ آپ نے سوامی جی کی گزٹ میں بڑی تعریف کی۔ لکھنؤ کے ایڈوکیٹ نے سوامی جی کا ذیل کے الفاظ میں خیر مقدم کیا

سوامی رام تیرتھ مہاراج کی واپسی

ہم نہایت خوشی سے لکھتے ہیں کہ سوامی جی مہاراج ۸ دسمبر کے جہاز میں امریکہ سے ہندوستان واپس آئے۔ ہم آپکا بر وابستگی وطن بہ دل سے خیر مقدم کرتے ہیں۔ اور آپ کی ہدایاتِ عظیمہ کے لئے جو آپسے چند سال کے قیام غیر ممالک میں ظہور میں آئی ہیں۔ دلی شکریہ و احسان مندی کا اظہار کرتے ہیں۔ سوامی جی مہاراج کی ہر تحریر و تقریر اور تمام کارروائی نہایت ذوق و شوق سے تمام شمالی ہند میں دیکھی گئی ہے۔ جہاں آپ کی آمد کا بہت عرصہ سے انتظار تھا۔ بمبئی میں ایک ہفتہ تک آپ کا قیام رہا۔ جہاں اُس طرف کے سوداگروں اور سندھی کوٹھی والوں نے آپ کا بہت ہی شوق سے خیر مقدم کیا۔ ناسک اور ہوشنگ آباد میں قیام کے بعد آپ متھرا میں تشریف لا رہے ہیں۔ جہاں ایک ہفتہ قیام ہوگا۔ سوامی شیوگن چندر مہاراج آپ کے استقبال کو بمبئی میں پہنچے تھے۔ جہاں سے آپ کو متھرا لا رہے ہیں۔ ہم اُمید کرتے ہیں کہ سوامی جی مہاراج چند دن اِس طرف قیام کرینگے۔ قبل اِس کے کہ وُہ ہمالیہ میں جاکر گوشۂ تنہائی اختیار کریں۔ اڑھائی سال باہر قیام کے بعد وطن کی واپسی پر جہاں ہزارہا لوگ آپ کے مداح ہیں اُن کو بھی اپنے درشنوں سے کرتارتھ کرینگے۔ اور جہاں کہیں تشریف لے جاوینگے وہاں پُرجوش احباب کا مجمع منتظر پاوینگے۔ جن کی بابت ہم کو اُمید ہے کہ کیسی عملی و مفید تحریک کی بابت جدوجہد کی جاوے گی؛

سوامی جی کا پہلا لیکچر بمبئی میں ہُوا۔ بمبئی سے آپ آگرہ۔ متھرا۔ اور لکھنؤ میں اپنے تجربات بتلانے اور اپنی جادو بیانی سے عوام الناس

کی پیاس بجھانے پُسکر راج پہنچے۔ اِن مقامات پر سوامی جی کا استقبال نہایت دھوم دھام سے ہوتا رہا۔ آریہ سماجی۔ سناتن دھرمی برامہو۔ سکھ بلکہ عیسائی اور مسلمان تک آپ کے استقبال میں شامل رہے۔ آپ کی وسیع خیالی اور دیگر قومی اصلاح کا اندازہ ذیل کی زرّیں سطور سے ہوتا ہے:۔ امریکہ سے واپس آنے کے بعد متھرا میں آپ کے چند بھگتوں نے آپ کو یہ مشورہ دینا چاہا کہ سوامی جی آپ اب ایک نئے نام کی سوسائٹی قائم کریں۔ اُس وقت زندۂ جاوید اور حقیقی معنوں میں سب سے ابھید (واحد) رُوپ رام نے محبت کی ترنگوں میں جھوم کر جواب دیا۔ کہ۔ ہندوستان میں جسقدر سوسائٹیاں (مجلسیں۔ سبھائیں اور سماجیں) ہیں وہ تمام رام کی ہیں۔ رام اُن میں کام کرے گا۔ "(آنکھیں بند کر کے ہاتھ پھیلا کر پریم بھرے آنسو بہاتے ہوئے) عیسائی۔ آریہ۔ سکھ۔ ہندو۔ پارسی۔ مسلمان۔ تمام وہ لوگ جن کے اعضا ہڈیاں۔ خون اور دماغ میرے اشٹ دیو بھارت بھومی کے اناج اور نمک سے بنے ہیں۔ میرے بھائی ہیں ہاں! میرے اپنا آپ ہیں"۔

"جاؤ اُنکو کہدو کہ رام اُن کا ہے۔ میں اُن سب کے ساتھ بغلگیر ہوتا ہوں۔ اور کسی کو بھی اپنی آغوشِ محبت سے باہر نہیں سمجھتا"۔

"میں دُنیا پر محبت کی بارش برساؤں گا۔ اور دُنیا کو خوشی میں نہلاؤنگا۔ اگر کوئی مجھ سے مخالفت ظاہر کرے گا تو میں اُسے خوش آمدید کہوں گا"۔ کیونکہ میں محبت کی برشا کرتا ہوں۔ تمام سوسائٹیاں میری ہیں۔ کیونکہ میں محبت کی سیلاب لاؤں گا۔ ہر ایک طاقت میری طاقت ہے خواہ وہ اعلیٰ ہو یا ادنیٰ۔ او ہو! میں محبت کی برشا کروں گا"۔

یہ الفاظ ہیں کہ موتی۔ اِن سے رام کا دل جو شافعی ساحل سا ہوں کا سا تھا۔ بخوبی واضح ہوتا ہے۔ رام اپنے آپ کو "رام بادشاہ" کہا کرتے تھے ایک جگہ لکھتے ہیں :۔

"مَیں شہنشاہِ رام ہوں۔ میرا تخت تمہارے دِل میں ہے۔ جب مَیں نے ویدوں میں اُپدیش دیا۔ جب کورو کھشیتر میں گیتا سُنائی۔ جب مکہ اور یوروشلم میں پیغام پڑھا۔ مجھے لوگوں نے غلط سمجھا تھا۔ اب مَیں اپنی آواز پھر بلند کرتا ہُوں۔ میری آواز میں تمہاری آواز ہے۔ تتوم اسی! تتوم اسی!! تُو ہی ہے وہ۔ تُو ہی وہ ہے۔ کوئی طاقت اُسکو روک نہیں سکتی۔ کوہ۔ شاہ۔ شیطان یا دیو اُس کے مقابلہ میں نہیں آسکتا۔ کلامِ حق ناقابل روک ہے۔ سر بریدہ مت ہوجئے۔ رام کا سر تمہارا سر ہے۔ اگر تمہاری مرضی ہے تو اسکو کاٹ ڈالو۔ مگر اُسکی جگہ ہزاروں اور ایسے سر پیدا ہو جائیں گے"۔

دیش بھگتی اکثر اصحاب کا خیال ہے کہ سوامی رام حُب الوطنی اور دیش بھگتی سے مس نہیں رکھتے تھے۔ ہم حیران ہیں کہ وہ لوگ دیش بھگتی کہتے کس کو ہیں یا کیا مانے ہُوئے ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ یُوں تو رام کو محبِ دُنیا سمجھنا چاہئے۔ مگر خود بقولِ رام جس نے بڑے مدارج "عالمی بھگتی" اور "دیش بھگتی" طے نہیں کئے وہ سارے سنسار کا بھگت نہیں کہلا سکتا۔ رام کے دِل میں چونکہ ہمدردئ عام کُوٹ کُوٹ کر بھری ہُوئی تھی۔ اِس لئے حُب الوطنی بھی خود بخود شُعلہ زن ہوجاتی تھی۔ آپ کا خیال ہے کہ ہندوستان کے وہ لوگ جو نانِ شبینہ کے محتاج رہتے ہیں سچے نارائن ہیں۔ سادھو ہیں۔ اُنکو روٹی دینا دیوتا کا آرادھن یا البتہ بھگتی ہے۔

رام کا وہ پیغام جو انہوں نے قومی دھرم کے عنوان سے باہر سے بھیجا تھا اُسے پڑھنے سے صاف واضح ہوتا ہے کہ دیس اور جاتی کی نہ مٹنے والی لامحدود الفت نے اِس فرشتہ سیرت اِنسان کے دِل کو بھی تار تار کر دیا تھا۔ آپ لکھتے ہیں "سورج غروب ہونے کا وقت ہے۔ ٹھنڈے سانس بھر بھر کر میں گنگنا رہا ہوں۔ آنکھوں سے آنسوؤں کی قطار جاری ہے۔ اے غروب ہونے والے سورج! تو بھارت بھومی میں طلوع ہونے کو جا رہا ہے۔ کیا تو رام کا یہ پیغام اُس بیج والی ماتا کی خدمت میں پہنچا دیگا؟ کیا ہی عمدہ ہو اگر یہ میرے محبت بھرے آنسو بھارت کے سرسبز کھیتوں میں شبنم کے قطرے بن جائیں"۔ اِن الفاظ سے رام کی حُب الوطنی کا اندازہ ہو سکتا ہے۔ کہ دِل کے کس اتھاہ (لامحدود) سمندر سے یہ الفاظ نکلے ہیں۔۔ ایک اور مضمون میں لکھتے ہیں۔ "اے ہند والو کیا تم بھی محب وطن بننا چاہتے ہو تو پھر اپنے آپ کو ملک اور اُسکے باشندوں کی محبت میں صرف کرو۔ یکتائی کا مادّہ پیدا کرو۔ سچے روحانی سپاہی اور مردِ میدان بنکر اپنے تن۔من دھن کو ملک کے فائدے پر قربان کر دو۔ ملک کی تکلیفات محسوس کرو۔ ملک تمہاری تکلیفات محسوس کرے گا"۔ پھر آنکھیں میچ کر پریم کی سرگوشی میں ملک کی ہستی میں اپنے کو مٹا کر لکھتے ہیں۔۔ "میں مجسم ہندوستان ہوں۔ تمام ہندوستان میرا جسم ہے۔ راس کماری میرا پیر اور ہمالہ میرا سر ہے۔ میرے بالوں کی جٹاؤں سے گنگا بہ رہی ہے۔ میرے سر سے برہم پتر اور اٹک (دریائے سندھ) نکلے ہیں۔ بندھیاچل میرا لنگوٹ ہے۔ کورومنڈل میرا دایاں اور مالابار میرا بایاں پاؤں ہے۔ میں مکمل ہندوستان ہوں مشرق و مغرب میرے دونو بازو ہیں۔ جن کو پھیلا کر میں اپنے ہموطنوں

کو گلے لگانا چاہتا ہوں۔ ہاں! میں ہندوستان مجسّم ہوں۔ یہ میرے جسم کا ڈھانچہ ہے۔ اور میری رُوح تمام ہندوستان کی رُوح ہے۔ جس وقت میں چلتا ہوں تو محسوس کرتا ہوں کہ تمام ہندوستان چل رہا ہے۔ جب میں بولتا ہوں تو تمام ہندوستان بولتا ہے"۔ اِن تمام تحریروں سے صاف واضح ہوتا ہے کہ رام انارکسٹ لوگوں کی طرح محبِ وطن نہیں تھے۔ بلکہ دُوسروں میں اپنی آتما بھی فنا کرنے کی وجہ سے محبّت کا پُتلا تھے۔ اور وہ دیدارِ مجسّم ہونے کی وجہ سے اپنی محبّت کے مارے اپنے بھلائے ہوئے تھے کہ آغوش میں ہندوستان کو بھی زور سے جکڑے ہوئے تھے:

متھرا میں حدیر بھوں کے سوال پر آپ نے فرمایا کہ مدلس! اب دس برس کے اندر اندر ہندوستان میں عملی ویدانت آ جائے گا۔ جہاں باہم نفرت ڈنک مار رہی ہے وہاں برہم ہی پریم برسے گا۔ رام کا حکم نا بلی ضرور پُورا ہوگا اور رام کے دِل پریم کا لگاتار بہاؤ سب نفرت کو بہا لے جائے گا۔ رام کی سچی حب الوطنی کی حالت اُن کے اپنے ہی ذیل کے اشعار سے خوب صاف ظاہر ہو رہی ہے:

ہم ننگے عمر جائیں گے	بھارت پر وارے جائیں گے
سُوکھے چنے چبائیں گے	بھائیوں کو پار کرائیں گے
رُوکھی روٹی کھائیں گے	مَستی پڑے رہ جائیں گے
گالی طعنہ کھائیں گے :	آنند کی جھلک دکھائیں گے
سُولوں پر ننگے جائیں گے	پر ایکو پریم لکھائیں گے

اگر سوامی رام کی وطنی زندگی کے حالات پر خوب غور سے ایک نظر ڈالی جائے تو اِس میں شک کی گنجائش نہیں رہتی کہ رام نے صدمۂ ہستی

یہ زرّین الفاظ ہیں کیسے عملاً ایکو برہم دکھلا دیا ۔ صرف بھارت کو ہی نہیں بلکہ جاپانیوں ۔ امریکہ والوں ۔ انگریزوں ۔ اور مصریوں بلکہ ہر ایک ملک کے باسندے کو اپنا آپ کر کے جانا ۔ بیشک رام کو اس پرلے درجہ پر ہونا چاہئے ۔ اور اسی ویدانت مجسم حالت سے آپ سب دنیا میں گھومے ۔ اسلئے اگرچہ رام کے پاس ایک پھوٹی کوڑی نہ رہتی تھی تاہم ہر جگہ "زر" غلام ہُوا اُن کے آگے حاضر خدمت ہو جایا کرتا تھا ۔ حلوۂ کہسار میں سوامی جی مہاراج نے کیسے وجد میں آکر لکھا ہے کہ "اے غلامی! ارے داس پن! ارے کمزوری! اب وقت ہے ۔ باندھو بستر ۔ اُٹھاؤ لتا پتا ۔ بھاگو ۔ چھوڑو مکت پُرشوں کے دلش کو سونے والو! اب بھی تمہارے ماتم میں رو رہے ہیں ۔ یہ جاؤ گنگا میں ۔ ڈوب مرو سُمندر میں ۔ گل جاؤ ہمالہ میں ۔ موت کی ہے طاقت رام کے حکم بغیر دم مارنے کی؟ رام کا یہ جسم نہیں گریگا جب تک بھارت بحال نہ ہولے گا ۔ یہ بدن قبل بھی ہو جائیگا ۔ تو بھی اسکی ہڈیاں ودھیچی کی ہڈیوں کی مانند کسی نہ کسی طرح اِندر کا بجر بکر دوئت (دوئی) کے راکشش کو چکنا چُور کر ہی دینگی ۔ یہ شریر مر جائیگا تو بھی اس کا برہم مان خطا نہیں کرنے کا" ۔ ان زور دار الفاظ سے انسان کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں ۔ کہ ویدانت کا کیسا زبردست سنیر (Rama Truth) نوں میں ۔ نہیں نہیں ۔ انسانوں کے سینوں میں گرج رہا ہے ۔ جب تک دُوئی نہیں مٹے گی ۔ مُلک مانند آپس میں پیار ۔ ماں پیار مجسم نظر نہیں آوینگے ۔ اُس وقت تک رام (یعنی Rama Truth) کھڑا گرجتا رہے گا ۔

نارائین کو رام کے دوبارہ درشن قریب پانچ ماہ لنڈن میں قیام

کرنے کے بعد موسم سرما یعنی ماہ جنوری ۱۹۰۳ء میں بسبب سخت سردی کے نارائن کا جسم سخت علیل ہو گیا اور دوست ڈاکٹروں نے لندن کو جلد چھوڑنے کی ہدایت کی۔جس سے وہاں سے جلد واپس ہونا پڑا۔ رام مہاراج کو جب اپنے پیارے نارائن کی علالتِ جسمانی کی بابت معلوم ہوا تو امریکہ سے اُنہوں نے فوراً بھارت ورش کو واپس جانے کی ہدایت فرمائی جس کے نازل ہونے پر ہندوستان کا رُخ کیا گیا۔ اور رام مہاراج کے بھارت ورش میں وارد ہونے کے چھ ماہ پہلے یعنی جولائی ۱۹۰۳ء میں نارائن بمبئی پہنچا۔ برائے تبدیلی آب وہوا نارائن بمبئی سے مدراس اور کوہ نیلگری گیا۔وہاں چند ماہ خوب صحت و طاقت پانے کے بعد مدراس کا دورہ کیا۔ نارائن ابھی راس کنیا کماری (Cape Comorin) میں پہنچا ہی تھا جبکہ رام کے بمبئی میں وارد ہونے کی خوشخبری موصول ہوئی۔ جب سوامی رام بمبئی و متھرا وغیرہ چند مقامات کا دورہ کرنے کے بعد برائے اقامت ٹیشکر راج نرہر ضلع احمر میں ٹھہرے تو نارائن بموجب فرمانِ رام وہاں اُنکے مقیم ہونے کی اطلاع پاتے ہی اُن کی خدمت میں جنوری ۱۹۰۵ء میں جا حاضر ہوا اور محظوظ دِل رام کے دوبارہ درشن نصیب ہوئے۔ چند ماہ تک وہاں اُنکی صحبت (ست سنگ) سے خوب حظ اٹھایا۔ بعدازاں ہردو احمرہ و جیپور تک ماہ مارچ میں آئے اور ان دونوں مقاموں میں خوب لیکچر و اپدیش ہوئے۔ جیپور سے رام مہاراج نے کوہ دارجلنگ کا رُخ کیا اور نارائن کو سندھ و افغانستان میں دورہ کرنے کو بھیجدیا۔

رام کی جسمانی علالت | بنگال اور ممالک متحدہ کا دورہ کرنے کے

بعد اکتوبر ۱۹۰۵ء میں جب سوامی رام ہردوار تشریف لائے تو وہاں چند روز ہی ٹھہرنے کے بعد اُن کا جسم اِسقدر بیمار ہو گیا کہ آٹھ روز تک لگاتار بستر سے نہ اُٹھ سکا۔ نارائن اُن دنوں حیدرآباد سندھ میں مقیم تھا۔ تار آئی کہ جسم رام سخت بیمار ہے۔ فوراً آکر تار پانے ہی نارائن ہردوار پہنچا۔ جسم رام کو ازحد لاغر و کمزور پاکر متعجب ہُوا۔ معلوم ہُوا کہ آٹھ دن سے بہ سبب لگاتار سخت بخار کے رام نے کچھ کھایا تک نہیں۔ لہذا نقاہت اِسقدر ہوگئی کہ کھڑا ہونا محال تھا۔ نارائن چونکہ زمانۂ حال کے نئے نئے طریقۂ عِلاج سے بخوبی واقف تھا۔ زہریلی ادویات کے استعمال کے بالکل خلاف تھا۔ اور رام خود بھی اِس (Modern Medicinal Systems) نئے طریقۂ عِلاج کی چند کُتب دیکھ چکے تھے اس لئے نارائن کے کہنے پر رام نے سب ادویات و بُوٹیوں کے عِلاج ترک کر دیئے۔ اور نئے طریقۂ علاج کو نارائن سے کروانا منظور فرمایا۔ اس نئے طریقۂ علاج سے چند دِن کے اندر ہی اندر صحت نے مُنہ دِکھایا۔ اور رام طاقت و صحت پاتے ہی برائے تبدیلِ آب وہوا مظفرنگر چلدیئے۔ اور نارائن کو برائے پبلک خدمت لکھنؤ میں بھیجدیا۔

رام کا ویاس آشرم میں نواس

صحت و طاقت پانے کے بعد رام کے اندر ایکانت سیون کی اور اپنے تمام امریکہ کے لیکچروں کو چست کی شکل (Dynamics of mind) کے عنوان تلے ایک کتاب کی شکل میں مرتب کرنے کی ترنگ زور سے جوش مارنے لگی۔ چند ہی دنوں کے بعد نارائن کو رام نے فوراً لکھنؤ سے واپس بُلوا لیا۔ اور جنگلوں میں ہمراہ چلنے کے لئے حُکم دیا۔ اِس طرح ہم ہردو مظفرنگر سے اُترا کھنڈ کے

کے حوالہ جات دیئے کسی انگریزی کتاب کا مرتب کرنا بھارت ورش کے نوجوانوں کے لئے مفید ثابت نہ ہوگا۔ اسلئے بجائے کسی بڑی تصنیف کے لکھنے یا مرتب کرنے کے سوامی رام ویدوں کے مسلسل مطالعہ کی طرف جھکے۔ چند ماہ کے اندر اندر آپ نے شت پتھ براہمن اور نرکت ویاکرن کے گرنتھ خوب غور سے دوبارہ پڑھ ڈالے پھر سام وید کا مطالعہ شروع سے آخر تک کیا۔ اتنے میں ماہ فروری ۱۹۰۶ء آدھا ختم ہوگیا اور موسم سرما نے منہ چھپانا شروع کردیا اور رام کے اندر یہاں سے بھی زیادہ ایکانت و سرد مقام پر جانے کی ترنگ اُٹھی۔ اس لئے ہم لوگ ماہ فروری میں یہاں سے چلدیئے

باسِشٹ آشرم میں نواس ستھان۔

ہم سب یہاں سے چلکر دیو پریاگ پہنچے وہاں چند واقف پیاروں سے معلوم ہوا کہ موسم گرما کاٹنے کے لئے بالکل ایکانت اور سرد مقام وسشٹ آشرم ہے۔ جہاں ویاس آشرم کی طرح بہت گھنا جنگل ہے اور اس سے بھی زیادہ ایکانت ہے بلکہ جہاں کسی آدمی کا آسانی سے گذر بھی نہیں۔ چونکہ یہ مقام ٹہری شہر سے قریباً پچاس میل کے فاصلہ پر تخمیناً بارہ یا تیرہ ہزار فٹ کی بلندی پر تھا اسلئے ہم لوگ پہلے دیو پریاگ سے ٹہری پہنچے۔ یہاں مہاراجہ صاحب ٹہری نے سوامی جی کا بڑے تپاک و ستکار سے سواگت کیا اور اپنے سِملاسو نام کے خوبصورت باغ میں انہیں اُتارا۔

ماہ نومبر ۱۹۰۵ء سے لیکر یعنی جب سے ویاس آشرم میں ڈیرے لگے تب سے اب تک ہمارے سب کے بھوجن وغیرہ کا بندوبست کالی کملی والے بابا رام ناتھ جی منیجر کلکتہ چھتر رشی کیش کرتے رہے اور انہوں نے اپنا نوکر (رسویا) بھی ہمراہ بھیجکر ایسا اعلیٰ انتظام کر رکھا تھا کہ ہم میں

سے کسی کو بھی کسی طرح کی تکلیف ہونے نہیں پائی تھی۔ بلکہ علاوہ بھکشا کے آرام کے اور کئی طرح کے ضروری آرام بھی اُنہوں نے اس جنگل میں مُہیّا کر دیئے تھے + مگر جب سوامی جی مہاراجہ صاحب ٹہری کے مہمان ہُوئے تو وُہ پہلا انتظام سب چُھوٹ گیا۔ کیونکہ مہاراجہ صاحب بہادر نے یہ کُل انتظام اپنے اُوپر لے لیا تھا۔ اگرچہ وُہ سابقہ رسوئیا یعنی بابا رام ناتھ جی کا نوکر برائے خدمت سوامی جی کے ہمراہ ہی رہا :

ٹہری سے واسسٹ آشرم کو چلنے سے کچھ دن پہلے سوامی جی کو دھرم سبھاؤں کے سالانہ جلسوں پر درشن دینے کی ایک دو بار موصُول ہُوئیں۔ مگر الکانت (بھاس رخلوت نشینی) کی لٹک و لطف نے سوامی جی کو ایسا ایسا والا و شیدا بنا لیا تھا کہ اب اُنہیں جنگل چھوڑ کر بستی میں رہنا یا شہروں میں آنا بالکُل گوارا نہیں ہوتا تھا۔ اِس لئے سہائی لیلا رام نے اپنی جگہ پر نارائن کو اُن جلسوں میں بھیجدیا۔ اور آپ تنِ تنہا وُہی سابقہ رسوئیا ہمراہ لیکر ماہ مارچ ۱۹۰۶ء میں واسسٹ آشرم کو چلدیئے اور وہاں پہنچکر شری واسسٹ مُنی جی کی گُپھا میں آسن جما دیئے ؛

بھکشا میں بد انتظامی

بھارت ورش کی بدقسمتی سے سوامی جی کی بھکشا (بھوجن) کا اِنتظام وہاں واسسٹ آشرم میں کسی نہ کسی سبب سے کچھ ایسا بُرا ہُوا کہ وہاں پہنچنے کے تھوڑے ہی دِن بعد جسم رام سخت بیمار ہوگیا اور غریب رسوئیا بھی اِسی بدانتظامی کا شکار ہو کر بیماری کے بستر پر لیٹ گیا۔ نارائن کو میدانوں میں آئے ابھی ایک ماہ ہی گُذرا تھا۔ کہ خط ملا کہ سوامی رام سخت بیمار ہیں اور اُن کے (بھوجن)

(بھکشا) کا بندوبست تہیمنی سے بہت خراب ہے۔ وغیرہ وغیرہ۔ اِس خط کو پانے کے بعد سوامی جی کے بارہ میں اور بھی بہت سی افواہیں بابت رپورٹ ہائے خفیہ پولیس مختلف ریاستوں سے سُننے میں آئیں۔ جس سے نارائن کو جھٹ واپس جنگلوں میں جانا پڑا اور تمام جلسوں سے جلد فارغ ہو ماہ مئی ۱۹۰۶ء کے شروع میں نارائن وہاں واپسٹ آشرم میں پہنچ گیا۔ پہنچتے ہی اُس نے اگرچہ سوامی جی کو ایک پتھر کی سِلا پر تندرست بیٹھے پایا مگر جسم اِسقدر کمزور و لاغر تھا کہ دُور سے پہچانا نہیں جاتا تھا۔ اِس پہاڑ میں علاوہ گیہوں کے اور کئی طرح کے اناج بھی پیدا ہوتے ہیں جو پہاڑی لوگوں کے تو مزاج کے موافق ہوتے ہیں مگر میدانوں کے لوگوں کے غیر موافق۔ اور بھکشا (خوراک) میں اِس قسم کا ملا جلا آٹا آتا تھا کہ جو بھی ہم میں سے اُسے کھاتا بستر پر لیٹ جاتا۔ اُس خوراک کے کھانے سے نارائن بھی وہاں پہنچنے کے دو روز بعد جھٹ لیٹ گیا اور بخار سے خوب مٹ بھیڑ ہوتی رہی۔ جب ہوش آیا تو ہم سب نے یہ سمجھکر کہ شاید یہاں کی آب و ہوا ہی ہمیں موافق نہ آتی ہو اور بھوجن میں کچھ نقص نہ ہو، وُہ مقام ہی چھوڑ دیا اور وہاں سے بہت دُور جاکر آس پاس چھ یا سات میل کے فاصلے پر بطور تخلیے کے رہنے لگے۔ نارائن نے تو اِس بلندی سے نیچے اُتر کر ٹہری بھیرگو گنگا کے کنارے یعنی وہاں سے پانچ میل کے فاصلے پر ڈیرے جما دئے۔ اور رام نے اُس بلندی سے بھی چند میل اور اُوپر جاکر ایک غار (گپھا) میں اپنا دربار لگایا۔ اسی مقام کو سوامی جی نے اپنے چند ایک خطوں میں

(Garden of fairies) پریوں کا باغ یا سبزگاہِ حوراں لکھا ہے۔ مقام کی تبدیلی کے بعد نارائن نے تو اپنا علیحدہ انتظام خوراک بھی کر لیا تھا جس سے صاف و شستہ اناج مہیا ہونے لگا۔ مگر رام مہاراج نے انتظام کو بدلنا منظور نہ فرمایا اور اُسی قسم کا ملا جلا ناموافق اناج انکو مہیا ہوتا رہا۔ نتیجہ اِس کا یہ نکلا کہ نارائن تو بالکل تندرست و طاقتور ہو گیا۔ مگر رام باوجود تبدیلیٔ مقام (آب و ہوا) جسم کی پوری صحت و طاقت دیکھنے نہ پائے۔ جب اُس خوراک سے جسم روز بروز لاغر و ناتواں ہونا شروع ہُوا تو رام نے اناج کھانا بالکل چھوڑ دیا اور محض دُودھ پر ہی دن کاٹنے شروع کر دئے۔ جس کا ثمرہ یہ ہِلا کہ جسم بیمار ہونا تو بیشک بند ہو گیا مگر لاغر ویسے کا ویسا ہی رہا۔ اپنی پہلی طاقت بر آنے نہ پایا:۔

مسٹر پورن کا واسِشٹ آشرم میں پہنچنا

جس گپھا میں سوامی جی مہاراج رہتے تھے وُہ قریباً بارہ سو فیٹ کی بلندی پر تھی۔ اِس گپھا کے اُوپر ایک اور غار تھی جس میں ایک بڑا اژدہا رہتا تھا اور سوامی جی کی گپھا کے آگے ایک گھاٹی پڑتی تھی اور گھاٹی گزر کر عین مقابل بلندی پر ایک دُوسری گپھا تھی۔ جس میں شیر نر راجمان تھے جو گاہے گاہے اپنے گھر میں رام کے درشن کر لیتے تھے۔ اور کبھی رام کی گپھا کے آگے سے بھی اِسی تیزی میں گھوم جاتے تھے۔ گپھا کا منہ بہت فراخ تھا۔ نہ کسی جانور سے وُہ محفوظ ہو سکتی تھی۔ اور نہ بارش سے۔ جبر جنگل کے جانور تو رام کے بہت پیارے بلکہ رام رُوپ تھے اُن سے محفوظ ہونے کی رام کو چنداں ضرورت نہیں تھی اور نہ رام کی خلاف مرضی وُہ کچھ کر سکتے تھے۔ البتہ جب بارش زور سے

ہوتی اور اُسکی بوچھار سے تمام کپڑے و کتب کے صندوق گپھا کے اندر
بھیگ جاتے۔ تب کتابوں کے خراب ہونے اور اُنکے درست کرلے میں وقت
کے ضائع ہونے کا خیال رام کو بیشک کبھی کبھی آجایا کرتا تھا۔ ایک دفعہ جب
لگاتار بارش کئی روز تک ہوئی اور گپھا کے اندر بہت پانی آجانے سے تمام
صندوق و کپڑے تربتر ہو گئے۔ جس سے اُنکو ایک لمحہ بھر بھی اُن دنوں سونے
کا موقعہ نہ ملا۔ تو رام کو لاچار وہ گپھا چھوڑنی پڑی اور اُس بلندی سے
چند میل نیچے اُتر کر بڑے فراخ میدان میں آ ڈیرے جمائے۔ اب تو اُدھر کے گوال
لوگ جو گاہے گاہے رام کے درشن کے لئے اُس بلندی پر آ جایا کرتے تھے۔
اور رام کے بڑے بھگت اور عاشق ہو گئے تھے۔ رام کو میدان میں اُترا دیکھ کر
اُنکے آرام کا تردّد کرنے لگے۔ اور رام کی منشاء وہاں ہی رہنے کی سنکر اُنکے
آرام کے لئے ایک محفوظ گپھا چند گھنٹوں کے اندر اندر سب نے ملکر تیار
کردی + اِس گپھا میں رام کو داخل ہوئے چند دن ہی گذرے تھے کہ پیارے
پُورن جی مع ایک دو ہمراہی (پنڈت بھگت رام جی اور ہری تیرتھ جی) کے
رام درشن کے لئے آ پہنچے۔ پنڈت بھگت رام جی تو پُورن جی کے ساتھ ہی
وارد ہوئے تھے۔ پنڈت ہری تیرتھ جی کے خوف سے راستہ ہی میں پیچھے
رہ گئے تھے اسلئے ایک روز بعد وہاں آئے۔ اِن دنوں رام نے اناج کھانا
چھوڑا ہُوا تھا۔ اور جیسا کہ اُوپر ذکر آیا ہے وہ صرف دودھ پر گذارا کرتے
تھے مگر ان نو وارد پیاروں کو اِس کا علم نہ تھا۔ جب کھانا کھانے کا وقت
آیا تو اتفاق سے مارے محبت کے اُنہوں نے یہ اصرار کیا کہ پہلے رام کھانا
کرلیں تو بعد ازاں ہم بھوجن کرینگے۔ ورنہ نہیں۔ اِس محبت بھرے اصرار پر تھوڑا
سا اناج رام نے بھی کھا لیا اور اسی طرح پندرہ دن تک وہ اُن نو وارد پیاروں

کی خاطر تھوڑا تھوڑا اناج کھاتے رہے۔ جس سے تھوڑے دن بعد پھر رام کو بدہضمی و بُخار نے آگھیرا۔ اور جب اِن پیاروں کو اِس بدہضمی و بُخار کا سبب معلوم ہُؤا تو پھر اُنہوں نے رام کو اناج کھانے کے لئے مجبور نہ کیا اور رام اپنا وہی دُگدھار (دُودھ پان) ہی کرتے رہے ؛

نارائن جس مقام پر اُن دنوں رہتا تھا وُہ رام کی کُٹیا سے تقریباً پانچ میل کے فاصلہ پر تھا اور بموجب حُکم وُہ کبھی کبھی اتوار کو اُنکے پاس آیا کرتا تھا۔ مگر جب پُورن جی اُنکے پاس آئے تو رام نے فوراً آدمی بھجکر نارائن کو بلوا لیا اور تا قیام اِن نووارد پیاروں کے نارائن کو وہیں اپنے پاس ٹھہرنے کا حُکم دیا ؛

پیارے پُورن جی کا قیام اور ہری شرما کی روانگی

پنڈت ہری شرما اپنی بدنصیبی سے اوّل تو راستے ہی میں پست ہمتی کا شکار ہوکر دو دفعہ واپس لوٹ گئے تھے صرف مسٹر پُورن کی حوصلہ افزائی۔ مدد اور گرفتِ محنت سے بمشکل تمام اِتنی دور تک پہنچے تھے۔ مگر ابھی آئے اُنہیں ایک دن مُشکل سے گذرا ہوگا کہ گھر کے تفکرات نے اُنکے دِل کو ایسا سخت گھیر لیا کہ سب کے سامنے اپنے خانگی تفکرات کا ہی تذکرہ کرنے لگ پڑے اور جب اپنے کمزور دِل سے مجبُور ہو کر ان فکروں کی کہانی رام کو بھی اُنہوں نے سُنائی تو رام نے اُنکو جھٹ واپس جانے کی صلاح دی۔ جس سے وُہ فوراً (یعنی وہاں آنے کے دو روز بعد ہی) گھر کو چلدیئے۔ اور پیارے پُورن جی معہ اپنے ہمراہی پنڈت بھگت رام کے قریباً ایک ماہ تک وہاں رام کے پاس رہے ؛

رام کی وِاِسشِشٹ آشرم سے واپسی

اُس برت میں اناج کچھ ایسی قسم

کا مہاتم ہوتا تھا کہ ہر نووارد پر اپنا اثر پہنچائے بغیر نہ رہتا تھا۔ پیارے
پورن جی اور اُنکے ہمراہی بھی اس اثر کا شکار ہو کر بستر پر لیٹ گئے۔
اور کئی دن تک بخار سے ہُٹ پھیٹر کرتے رہتے۔ اِس طرح جب ہم سب
لوگ بوجہ تعجیب خوراک کے وہاں یکے بعد دیگرے بیمار ہونے لگے اور سوامی
جی کا جسم بھی ٹھیک طاقتور اور تندرست نہ ہونے پایا تو ہم سب نے
سوامی جی سے باادب یُوں التجا کی کہ یا تو اس غیر موافق خوراک کا آنا بند
کر دیا جائے اور نارائن کو اجازت دیجائے کہ وُہ دُور گاؤں سے شُدھ (صاف)
اناج کی بھکشا سب کے لئے مانگ۔ لایا کرے۔ یا آپ نیچے ٹیہری یا کسی اور
شہر میں چلیں جس سے غیر موافق خوراک کا آنا خود بخود بند ہو جائے۔
ورنہ ہمیں اجازت دیں کہ ہم کسی اور لائق و محبت بھرے رام بھگت کے
ذریعے موافق خوراک کے یہاں بہم پہنچانے کا انتظام کر دیں"۔ اس التجا
پر سوامی جی نے نیچے ٹیہری قصبہ تک تو اُترنا منظور فرمایا اور اس سے
آگے کسی دُوسرے شہر میں جانا پسند نہ کیا۔ سوامی جی کی اس منظوری
پر نارائن خود سوامی جی کے کُل اسباب کو نیچے لیجانے کا بندوبست کرنے کے
لئے ٹیہری جانے کو تیار ہُوا۔ پیارے پورن جی کی چُھٹی بھی ختم ہونے
والی تھی۔ اُنہوں نے ویسے بھی جلد واپس ہونا تھا۔ مگر اس موقعہ کو پاکر
نارائن کے ہمراہ واپس ہونا مناسب سمجھا اور رام جی نے بھی اُنہیں ایسی
ہی صلاح دی جس پر وُہ بھی ساتھ چلنے کو تیار ہو گئے۔ اِس طرح ہم سب رام
مہاراج کی اجازت سے ماہ ستمبر سنہ ۱۹۰۶ء کو وہاں سے رُخصت ہُوئے

پیارے پُورن کی واپسی۔

جب اِس طرح اجازت پاکر ہم سب لوگ وسشٹ
آشرم سے کوچ کرنے لگے تو سوامی رام بھی پُورن جی

کو آخری الوداع کہنے کے خیال سے ہمارے ساتھ ساتھ ہو لئے اور قریب ایک میل تک ہمراہ آہستہ آہستہ چلتے گئے۔ راستے میں رام بہت پریم بھرے اور بیٹھے مگر دل کو ہلانے والے شبدوں سے پورن جی کو یوں مخاطب ہوئے۔ کہ "پیارے! رام کی حالت تو تم دیکھ ہی رہے ہو۔ اس کی بوا ب قلم بند اور زبان گنگ شاید جلد ہو جائیگی۔ کیا معلوم رام کا شاید دوبارہ ملنا اور میدانوں میں بھی آنا نہ ہو سکے اب آپ لوگ خود ہی رام بنیں اور رام میں غرق ہو کر بیٹھیں۔ پڑھیں اور سب کام کریں۔ رام سے آئندہ اب کچھ توقع مت رکھیں"۔ اتنا سُننا تھا کہ پورن جی کے چشم پریم آنسوؤں سے تر ہو گئے اور آنسو رُوپی موتی ایک دو گر کے ابھی نیچے ٹپکنے ہی لگے تھے کہ رام فوراً پچھلے پاؤں واپس لوٹ گئے۔ اور آن کی آن میں ہماری نظروں سے غائب ہو گئے۔

اس پر پورن جی کا چہرہ آنسوؤں سے دُھل گیا۔ اور آنسوؤں کا تار اپنے زور سے ندھا کہ کئی گھڑیوں تک ٹوٹنے نہ پایا۔ بلکہ بہت سا راستہ اُنہی آنسوؤں کی برشا میں طے ہوا۔ اور بہت بڑے وقفہ کے بعد اُن کے دل نے حوصلہ پکڑا۔

جملۂ معترضہ | قدرت نے اِس وقت یہ دلسوز نظارہ شاید اسی لئے پیدا کیا ہوگا کہ پورن جی کی یہ آخری ملاقات ہوئی تھی۔ کیونکہ اِس کے بعد جیتے جی رام کے درشن اُن کو ہونے نہیں پائے۔ یا شاید اِسلئے برپا کیا ہوگا کہ پورن جی کے دلی عشق کی یہاں تک ہی انتہا ہونی تھی۔ کیونکہ اِسکے بعد رام کے ساتھ پورن جی کے عشق کا پارہ بجائے چڑھنے کے کچھ اُترتا سا دکھائی دینے لگا۔ بلکہ یہاں تک اُترا دکھائی

دیا کہ جو آنکھیں آج رام سے جُدا ہوتے وقت آنسوؤں کی طغیانی لے آئیں
ایسی پُرنم پھر رام کی یاد میں دیکھنے میں نہ آئیں اور جو زبان رام کی
یادگار اور حمد و ثنا میں تر بتر رہتی تھی وُہ بعد ازاں ویسے شوق
سے تر بتر ہوتی دیکھی نہ گئی۔ تاہم ناظرین یہ پڑھکر متعجب و خوش ضرور ہونگے
کہ رام کا پریم اُن کے دل میں ایسا گھر کر گیا تھا کہ باوجود حالات کے بدلنے کے
رام اُن کو بھولنے نہ پائے اور نہ رام کی محبت ہی ٹوٹنے پائی۔ اگرچہ وُہ کسی
نہ کسی وجہ سے اپنے پیدائیشی منبع میں پھر واپس ہو گئے تھے۔ گذشتہ ماہ
مارچ میں نارائن کو جب سردار پُورن سنگھ جی سے اُنکی علالت میں ملنے
کا اتفاق ہُوا تو سردار صاحب نے فرمایا کہ نارائن کے پہنچنے کے تھوڑے ہی
عرصہ پہلے اُنکو رام کے درشن ایسے زور سے ہُوئے اور دل اُس ملاقات سے اتنا محظوظ
ہُوا کہ اُسکا بیان کرنا قلم کے احاطہ سے باہر ہے۔ اور اس دل کا دُور ہونا ناممکن ہے۔

ٹِہری میں پورن جی کا لیکچر

غرضیکہ ہم اس دل بھر آنے والے نظّارہ سے رُخصت ہو کر آگے بڑھے اور دو دن کے لگاتار سفر کے
بعد ٹِہری پہنچے تو وہاں کے ہائی اسکول میں پُورن جی کا بڑا مؤثر
لیکچر ہُوا۔ لیکچر کے دُوسرے دن پُورن جی واپس منصوری روانہ ہُوئے
اور نارائن واسِشٹ آشرم سے رام کا اسباب اُٹھوانے کے بندوبست
میں مشغول ہو گیا۔ سب طرح سے انتظام کرنے کے بعد نارائن واپس
واسِشٹ آشرم پہنچا۔ اور سوامی جی مہاراج کو وہاں سے روانہ کر کے
اُنکے پیچھے اُن کا اسباب (یعنی کتابوں کے بہت سے صندوق) بھیجتا رہا
اسی طرح شروع ماہ اکتوبر ۱۹۰۶ء میں سوامی جی مہاراج ہفتہ کے
اندر اندر ٹِہری آ گئے اور نارائن کل سامان (صندوقِ کُتب و دیگر

اسباب) قلیوں پر روانہ کرنے کے بعد وہاں سے چلا۔ اس لئے سوامی جی سے پانچ دن پیچھے پہنچا۔ اور سوامی جی مہاراج مہاراجہ صاحب بہادر ٹیہری کے سِملاسو باغیچہ میں جہاں کہ وے واسشٹ آشرم کو جاتے وقت اُتارے گئے تھے اُسی میں وے پھر اُتارے گئے۔ اور وہیں نارائن بھی اُنکی خدمت میں قریباً دو ہفتہ تک رہا :

ٹیہری شہر کے قُرب و جوار میں رام کا ایکانت استھان چُننا

واسشٹ آشرم سے واپس آئے قریباً دو ہفتے ہی گذرے ہونگے کہ رام کے دل میں پھر زور سے ایکانت نواس (خلوت نشینی) کی ترنگ اُٹھی۔ اِس ترنگ پر رام کو ایسا مقام چُننے کی سُوجھی کہ جو ہر موسم میں قابلِ رہائش ہو اور ٹیہری قصبہ کے گرد و نواح میں ہوتے ہُوئے بھی ازحد ایکانت (خلوت گاہ) ہو۔ تاکہ گھڑی گھڑی مقام بدلنا نہ پڑے ۔ سوامی جی کے قلب کی حالت چونکہ اب بہت بڑھی چڑھی یعنی معراج پر تھی۔ اِس لئے ایسا مقام وہ چُننا چاہتے تھے کہ جہاں سے پھر اُن کو تادم آخر ہلنا نہ پڑے۔ ساتھ اسکے گنگا کا کنارہ اُن کو ازحد پیارا تھا اور گنگارانی سے عشق اِسقدر بے انتہا تھا کہ چند ماہ سے زیادہ اُن کا دِل اُسکی فرقت گوارا نہ کرتا تھا۔ اِس لئے گنگا کے کنارے پر بہت سے ایکانت استھان (خلوت گاہیں) اُنہوں نے ملاحظہ فرمائے۔ آخرکار مالدیول گاؤں کے نزدیک ایک مقام پسند آیا جو بالکل خلوت گاہ تھا اور گنگا سے تینوں طرف سے گھرا ہُوا تھا۔ یہ مقام قریباً ایک سو برس سے بڑے بڑے مشہور مہاتماؤں کی خلوت گاہ بنا ہُوا تھا ؛ اِس جگہ ایک مشہور سنّیاسی مہاتما کینسو آشرم جی نے قریباً پچاس برس تک لگاتار ایکانت

نواس کیا اور اسی مقام پر ایک سو برس سے زیادہ عمر ہو گئے کے بعد انہوں نے شریر تیاگا تھا۔ بعد ازاں اُنکے لائق سِسّ و گورو بھائی بیس تیس برس کے قریب یہاں ایکانت ابھیاس کرکے شریر چھوڑتے گئے۔ اِس طرح قریب ایک سو برس سے یہ ایکانت استھان پہلے ہی سے بڑے بڑے مشہور اُدار چیت اور ایکانت نواسی مہاتماؤں کے استعمال میں ہوتا چلا آیا تھا۔ اور اُنکی کُٹیاؤں کے نشان بھی ابھی تک موجود تھے۔ بلکہ ایک کُٹیا قابل رہائش ابھی تک تھی۔ یہ سب دیکھ کر سوامی رام کا دل بھی یہاں رہنے کو بھر آیا۔ علاوہ مذکورہ بالا خوبیوں کے اور جن پہلوؤں سے یہ مقام رام کے پسند آیا تھا وہ یہ ہیں :-

کہ "یہاں گنگا ندی بجائے جنوب کے شمال کو بہتی ہے جس سے وہ اُتروہنی کہلاتی ہے۔ دُوسرے بر لب گنگ اتنا فراخ و ہموار میدان ہے کہ جو پہاڑوں میں ملنا ازحد دُشوار ہی نہیں بلکہ ناممکنات سے حاصل ہوتا ہے۔ تیسرے عام سڑک اور گاؤں سے قریب ایک میل کے فاصلہ پر ہے۔ چوتھے یہ مقام ایک کنارے پر تینوں اطراف سے گنگا سے گھر جانے کے باعث خوبصورت جزیرہ نما واقع ہے۔ اِن تمام خوبیوں سے رام کا دل متاثر ہوتے ہوئے رام نے اپنے ہمراہیوں کو ایک چھوٹی سی کُٹیا اپنے لئے بنوانے کا ارشاد فرمایا۔ اور اُس کُٹیا کا نقشہ بھی اپنی قلم سے کھینچکر اُن کے حوالہ کر دیا۔

ایکانت ستھان میں مہاراجہ صاحب بہادر ٹہری کا رام کے لئے کُٹیا بنوانا

جونہی اِس ایکانت ستھان کے انتخاب و پسندیدگی کی خبر اور اُس پر ایک کُٹیا بنوانے کے لئے ارشاد

رام کی اطلاع مہاراجہ صاحب بہادر کے کان تک پہنچی تو اُنہوں نے
فوراً سوامی جی کے ہمراہیوں کو اپنی طرف سے کٹیا بنوانے کے لئے روک
دیا اور اپنے ملازم (پبلک ورکس ڈیپارٹمنٹ کے سپرنٹنڈنٹ صاحب) کو بھیجکر
سوامی جی کے نقشہ کے مطابق کٹیا جلد بنوانے کا پختہ انتظام کر دیا۔
بلکہ دُوسرے ہی دن سے ریاست کی زیرِ نگرانی کٹیا بننی شروع ہو گئی۔
مہاراجہ صاحب بہادر کی اِس قابلِ تعریف بھگتی کو دیکھ کر رام کا دِل
ایسا بھر آیا کہ مارے پریم کے یُوں لہرانے لگ پڑا کہ "بس اب رام اپنے
پریم و بھگتی مجسّم راجہ صاحب کی ریاست چھوڑ کر کہیں نہیں جائے گا۔
بلکہ تا دمِ آخریں اِسی مقام پر ایکانت نواس کرے گا"

نارائن کے لئے رام مہاراج کا ایکانت ستھان چُننا۔

جب رام نے اپنے لئے ستھان پسند کر لیا اور وہاں کٹیا بھی بننی
شروع ہو گئی۔ تو نارائن کے لئے الگ ایکانت ستھان چُننے کا اُنہیں
پھر خیال آیا۔ منتخب مقام ہذا سے تقریباً تین میل کے فاصلہ برلب گنگ
ایک بڑی گپھا برو گی نام سے ہے جہاں سوامی جی مہاراج کی خدمت
میں نارائن پہلے ۱۹۰۱ء میں کچھ ماہ رہ چکا تھا۔ جب نارائن کے لئے
تنہا مقام کے انتخاب پر سوچا جا رہا تھا تو تھوڑی دیر کی غور کے بعد
رام کو اُس گپھا کا خیال پھر آیا اور نارائن کے نام جھٹ یہ حکم نازل
کر دیا کہ "برو گی گپھا نارائن کے ایکانت کے لئے نہایت موزوں خلوت گاہ
ہے۔ اِس لئے جب تک رام اِدھر (مالیدیوں گاؤں کے قریب) رہتے
ہیں تب تک نارائن وہاں برو گی گپھا میں۔ ایکانت ابھیاس کرتا رہے۔ اگر
رام کو نارائن کی خدمت کی اچانک ضرورت پڑے گی تو خود وہ بُلا لیا

کرلیگا ورنہ نارائن صرف اتوار کے اتوار خود حاضر ہوکر بھی درباقت کرسکتا ہے اور ہفتہ وار ست سنگ سے بھی لابھ اُٹھا سکتا ہے"۔

ایکانت سنتھان کے لئے نارائن کی روانگی

یہ حکم نازل ہوا ہی تھا کہ نارائن کو جھٹ اُس گپھا میں بھیجنے اور اُسکو اپنے رہنے کے قابل درست کروانے کی تاکید ہوئی۔ جس پر نارائن دُوسرے دن ہی جھٹ اپنا بستر باندھ گپھا کی طرف جانے کے لئے تیار ہو گیا۔ اور جب مہاراج رام سے رُخصت ہونے کی اجازت مانگنے گیا تو بجائے رُخصت دینے کے آپ خود (اگرچہ اُس وقت وہ ننگے سر اور ننگے پاؤں تھے) سیر کا ارادہ ہی ظاہر کرکے نارائن کے ساتھ ساتھ ہو لئے۔ اور تقریباً ایک میل تک چلتے گئے۔ سملاسُو باغ سے دُور نکل جانے کے بعد راستے میں مٹرک پر ہی رام مہاراج نارائن سے یُوں مخاطب ہُوئے کہ:۔ "دیکھو بیٹا! شاید جلد ہی رام کی زبان گنگ اور قلم تنگ ہو جائے۔ یعنی لکھنا پڑھنا اور بولنا رام کا شاید جلد ہی اب بند پڑ جائے۔ جسم تو تم دیکھتے ہی ہو لاغر اور کمزور ہو گیا ہے بلکہ دن بدن کمزور ہوتا جارہا ہے۔ اور چیت برتی بھی دُنیا سے اب اتنی اُپرام (کنارہ کش) ہو گئی ہے کہ کسی دُنیوی کام کو ہاتھ لگانے تک کو جی نہیں چاہتا۔ ایسا محسوس ہورہا ہے کہ اب رام شاید کبھی بھی میدانوں میں نہ اُترے۔ قلم اور زبان تو بند ہونے لگ ہی پڑے ہیں۔ مگر معلوم ایسا بھی ہو رہا ہے کہ جسم رام اب جلد ہی بےحس و حرکت (جڑبھرت آسی) شاید ہو جائے گا۔ اور گنگا رانی کا کنارہ اب کبھی نہیں چھوٹے گا۔ جہاں کہیں سے رام کو بلاوا آویگا وہاں سب جگہ بمانند پہلے کے اب تم ہی بھیجے جاؤ گے۔

اِس لئے اَے پیارے جاؤ گپھا میں خوب ایکانت ابھیاس (تخلیہ نشینی) کرو- روز بروز اصلی رام میں غوطے لگا کر ویدانت مجسّم ہو کر نکلو- کسی قسم کا غم فکر مت کرو- ہمیشہ اپنے میں اور ہر جگہ رام کو اپنے ساتھ سمجھو- اپنا تن من دھن سب کا سب رام کا جانو- اور رام کو اپنا عین تن من بنالو- اور اِس طرح رام مجسّم ہو کر باہر آؤ" ایسا پُر اثر اور دلسوز اُپدیش سُنتے ہی نارائن کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے اور پُرنم آنکھوں سے رخصت ہونے کے لئے قدموں پر گرنے ہی لگا تھا کہ رام کی بھی آنکھوں سے آنسو ٹپک پڑے- نارائن کو اُوپر اُٹھا کر گھُٹ کر بغلگیر ہوئے اور کہا- "بیٹا! گھبرانا نہیں- گپھا میں ایکانت (تنہا) رہ کر ابھیاس و مطالعہ خوب کرنا- پرمِ ذات (آتم چِنتن) میں خوب مشغول رہنا- اور ہر وقت برتی کا قیام اپنے سوروپ (ذات) میں رکھنا- مضمون (خود مستی و تمسک عروج) جو ابھی لکھا جا رہا ہے جب مکمل ختم ہو گا- برائے نقل فوراً آپ کو بلا لیا جائیگا- اور جب گنگا کے تیار ہونے پر رام بالبدیوں گاؤں کے نزدیک آ جائے گا- تو تم نے تنک ہفتہ وار اتوار کے دن رام کے پاس آتے رہنا- رام کی جسمانی فرقت کا زیادہ خیال دل میں مت بیٹھنے دینا- رام کا جسم تو اب بےحس و حرکت جلد ہونے والا ہے- تم اِس جسم کی خدمت کا خیال اپنے دل میں غالب مت ہونے دینا- تمہیں اپنی ذاتی ترقی کا خیال ہر وقت مدِ نظر رکھنا- اب کسی کا بھی سہارا مت لو- اپنے پاؤں پر آپ کھڑا ہونا سیکھو- ہر طرح سے خود ویدانت مجسّم بنو- اور اپنی ذات پر وثوق و شواش (حق الیقین) سے متمم ہوئے رہو"

برمگی گپھا میں نارائن کی رہائش

برمگی گپھا (غار) میں نارائن کو

آئے ابھی محض پانچ دن ہی ہوئے ہونگے کہ سوامی جی سے اُن کا رسویا سُکر وار کو یہ سندیشہ (رُقعہ) لے کر آیا کہ "جو مضمون رسالۂ زمانہ کے لئے "خود مستی و تمسک عروج" کے عنوان سے لکھا جا رہا تھا وہ بہت جلدی ختم ہونے والا ہے۔ اِس لئے آپ اتوار کے دن ضرور آجانا اور اس کی صاف نقل کرکے رسالہ زمانہ کو یا جن دوسرے رسالہ کو تم بھیجنا بہتر سمجھو اُس کے نام ارسال کر جانا"

جسم رام کے گنگا میں بہنے کی اطلاع

مذکورۂ بالا پیام کے پانے پر نارائن نے بموجب ارشادِ رام اتوار کو اُن کی خدمت میں خود حاضر ہونا ہی تھا لیکن اُس سے ایک دن پہلے یعنی سنیچروار کی شام کو مہاراجہ صاحب بہادر کے چپراسی نے آکر یہ اطلاع دی کہ سوامی جی کا شریر گنگا میں اچانک آج بہہ گیا ہے۔ اور سب لوگوں نے اِس حادثہ کی اطلاع دینے کے لئے مجھے آپ کے پاس بھیجا ہے۔ اتنا سُننا تھا کہ نارائن اپنے سب کام بند کرکے جھٹ اُسی دم ٹہری کی جانب دوڑا اور رات کے آٹھ بجے سے پہلے پہلے ٹہری قصبہ میں جا پہنچا۔ سب رام پیارے اِس اچانک حادثہ کا پتہ دِل سے افسوس و غم کر رہے تھے۔ نارائن کے دل پر بھی اُن کے اظہارِ افسوس سے سخت ٹھیس لگی۔ آخر ہوش آنے پر سوامی جی کے رسویا (بھولا دت) کو بُلایا جو ایک نوجوان لڑکا تھا اور پہلے نارائن کے پاس کھانا بنانے کا کام کیا کرتا تھا۔ اُس کے بتلانے پر مفصلۂ ذیل حالات معلوم ہوئے:

رسویا کا بیان دربارۂ بہہ جانے جسم رام

سوامی جی اور میں (رسویا) ہر دو اکٹھے گنگا اسنان کرنے گئے تھے۔ میں تو اُن کے

سے جھٹ سنان کر کے گنگا کے کنارے بیٹھ گیا اور سوامی جی ورزش کرتے رہے۔ اور قریباً دس پندرہ منٹ تک پتھروں سے خوب ورزش کرنے کے بعد سوامی جی گنگا میں۔ اسنان۔ (غسل) کے لئے داخل ہوئے بڑے تیز بہاؤ کی جگہ پر جا کر نہانے لگے۔ جل سوامی جی کی گردن سے کچھ نیچے تک تھا۔ میں نے عرض کی "مہاراج! آگے تیز بہاؤ ہے۔ وہاں مت جائیے"۔ مجھے جواب دیا پیارے! کچھ ڈر نہیں۔ ہم تیرنا جانتے ہیں۔ سوامی جی اسی تیز بہاؤ کی جگہ پر جل میں خوب جمے کھڑے رہے۔ ہاتھ پاؤں خوب ملنے کے بعد وہاں ایک ڈبکی لگائی۔ اسی طرح قریباً پانچ منٹ وہاں ہی کھڑے رہے ہونگے کہ دوسری ڈبکی لگائی۔ اتنے میں پاؤں کے نیچے سے ایک بڑا پتھر بسبب تیز بہاؤ کے نکل گیا۔ پتھر نکلتے ہی پاؤں پھسل گیا۔ پاؤں پھسلنے سے جب اس تیز بہاؤ میں پھر برقرار کھڑے نہ ہوسکے تو بہاؤ ان کو بہالے گیا۔ بہاؤ کے زور سے بہے جانے پر آگے جا کر ان کا جسم ایک بھنور میں پھنس گیا۔ میں اس ماجرے کو دیکھکر گھبرایا اور چلایا۔ سوامی جی مہاراج نے بھنور میں سے آواز دی کہ "پیارے گھبراؤ نہیں۔ ہم ابھی تیر کر آتے ہیں"۔ میں انکو بھنور سے باہر نکلنے کی کوشش کرتے کچھ منٹ تک دیکھتا رہا۔ جب وہ کوشش سے کامیاب ہوتے نظر نہ آئے۔ بلکہ بار بار (جب جب بھنور سے باہر نکلنے کے لئے کشمکش کرتے تو بہاؤ کا رخ انکو بار بار بھنور میں لیجاتا) جوں جوں وہ ناکامیاب ہوتے گئے۔ میرے حواس باختہ ہوتے گئے۔ میں گھبرایا گھبرایا کنارے کے ادھر ادھر اوپر نیچے بھاگا۔ اور مدد کے لئے لوگوں کو بڑے زور سے پکارا۔ مگر بدقسمتی سے باغ میں اس وقت کوئی آدمی نہ تھا۔

کیونکہ سب لوگ مہاراجہ صاحب بہادر ٹیہری کے استقبال کے لئے گئے ہوئے تھے۔ اتفاق سے مہاراجہ صاحب اُسی روز عین دوپہر کے وقت اپنے گنگوتری کے سفر سے واپس ٹیہری راجدھانی میں آ رہے تھے۔ اس طرح بہت چلانے پر بھی کوئی مدد کے لئے نظر نہ آیا۔ سوامی جی نے اپنے میں بڑے زور سے اُس بھنور میں غوطہ لگایا۔ اُس غوطہ لگانے سے اُس بھنور سے تو وُہ نکل گئے۔ مگر عین بیچ منجھدھار میں آ پڑے۔ اتنی دیر تک کشمکش کرتے رہنے سے اُن کا جسم شاید تھک گیا۔ کیونکہ لاغر اور کمزور تو وُہ بہت ہو چکا تھا۔ اسلئے بھنور سے باہر نکلتے ہی عین منجھدھار میں اُن کا دم ٹوٹنے لگا۔ اور منہ میں تھوڑا تھوڑا پانی بھرنے لگ گیا۔ جب رام نے دیکھا کہ جسم اب پانی کے قابو ہو کر چلنے لگا ہے۔ تو لاپرواہ ہو کر یوں زور سے بولے کہ "چل۔ پھر ماں کو یاد کر۔ اگر تیری قسمت اسی طرح چلنے کی ہے تو چلا چل"۔ اس طرح کہکر ایک دو دفعہ زور سے اوم اُچارن کیا اوم اُچارن کرتا تھا کہ منہ میں پانی زور سے بھر گیا پھر آہستہ آہستہ لمحہ لمحہ کے بعد اوم کی آہستہ آہستہ آواز سُنائی دی۔ اور جسم منجھدھار میں زور سے بہنا شروع ہو گیا۔ جُوں جُوں جسم بہتا گیا۔ رام تُوں تُوں اپنے ہاتھ پاؤں کو سمیٹتے گئے اور برتی کو دھیان میں لین (محو) کرنے گئے۔ آخرکار کوئی دو سو فٹ کے فاصلے پر پربت کی ایک گپھا میں جہاں منجھدھار کے تیز بہاؤ سے سخت بھنور بنا ہُوا تھا۔ پانی نے وہاں جسم کو ڈبا دیا۔ جُونہی کہ جسم رام گپھا میں داخل ہو کر جل کے تلے بیٹھا تھا فوراً۔ توپیں دگنی سُنائی دیں۔ یہ توپیں ویسے تو مہاراجہ صاحب بہادر ٹیہری کے لئے اپنی راجدھانی میں قدم رکھنے کی سلامی میں دگی تھیں۔ لیکن عین اُسوقت

اِتفاق سے سوامی جی کے جسم نے جہانِ فانی سے کوچ کیا۔ اِس لئے عَین جسمِ رام کے دائمی کوچ پر لوگوں کا دگنا دوہرا مطلب براری کر گیا۔ اِس طرح جسمِ رام بھارت ورش بلکہ کُل دُنیا سے ہمیشہ کے لئے آن کی آن میں غائب ہو گیا اور لاکھوں بلکہ کروڑوں کو اپنی فُرقت کے غم میں رُلا گیا؛

جسمِ رام کے غائب ہونے پر نارائن کے قلب کی حالت

رسوئیا کے اِس درد انگیز بیان کو سُننے سے نہ صرف چِت پر سخت چوٹ لگی۔ بلکہ کئی خیالوں کے غالب آنے سے وہ اُتاولا باؤلا سا بھی ہو گیا؛ اوّل تو سب ماجرا نارائن کی غیر حاضری میں وقوع میں آیا۔ جس سے دِل بہت پشیمانی (پشچاتاپ) کر رہا تھا۔ دوم یہ بیان کہ "رام کی مرضی کے خلاف جسمِ رام پانی کی لہروں کے قابو میں آ کر بہ گیا" دل کو نہایت سخت دُکھ دے رہا تھا۔ کیونکہ رام کا یہ دعویٰ تھا کہ اُن کا جسم بغیر اُنکی اجازت (حکمِ ناطق) کے رحلتِ جاودانی نہیں کریگا۔ اِس طرح مختلف قسم کے خیال اُمنڈ اُمنڈ کر دِل کو گھائل کرتے تھے۔ اور نارائن پاگلوں کی طرح گھومتا ہوا کبھی کبھی اپنے دِل سے یُوں پُوچھتا کہ "رام کی اپنی مرضی کے بغیر تو جسم موت کے قابو میں آ نہیں سکتا تھا۔ بھلا مُردہ جل کی لہروں کے قابو میں کیسے آ گیا؟ کیا رام کا حکم زبردست ہے یا مُردہ جل کا بہاؤ؟ رام تو ہمیشہ یہ کہا کرتے تھے کہ "موت کو موت نہ آ جائیگی اگر رام کا قصد کر کے آئیگی"۔ "رام کا جسم کبھی نہیں چھُوٹے گا۔ جب تک بھارت بحال نہ ہو گا"۔ "موت کی ہے طاقت رام کے حکم بغیر دم مارنے کی" پر ہائے! یہ سب برعکس ہی دکھائی دیا۔ "کیا رام کا سب کہنا بے سُود ہی نِکلا؟" اِس قسم کے خیالات کے غالب ہونے پر کبھی کبھی دِل

ویدانت پر نکتہ چینی کرنے لگ پڑتا۔ کبھی رام پر۔ اور کبھی اپنے پاگل پن پر۔ دن رات انہی توہمات و خیالات میں ایسا مستغرق و مغلوب رہتا کہ سوامی جی کے مقام رہائش پر بھی قدم نہ رکھتا۔ اگر پاگلوں کی طرح گھومتے گھومتے اُدھر آ بھی نکلتا تو سوامی جی کے رہنے کے کمرے کو کبھی نہ کھولتا۔ اور اگر کسی سخت ضرورت کے آ پڑنے پر کمرہ کھولا بھی جاتا تو رام کے صندوق وغیرہ کھولکر دیکھنا تو درکنار بلکہ جو قلمی کاغذات رام کی مہر پر پڑے تھے اُن کو کھول کر دیکھنے کو بھی دِل تیار نہ ہوتا۔ صرف صندوقوں۔ اور کاغذوں کی شکل دیکھ کر ہی دِل پُرنم آنکھوں سے رو کر یُوں پکار اُٹھتا کہ ہائے یہ سب نوٹ اور قلمی نسخہ جات ویسے کے ویسے ادھورے رہ گئے۔ اب کون رام کی جگہ ان کو آکر مست و مسرور چت سے ملاحظہ فرماکر عُمدہ شکل میں مرتب کرے گا؟ چت نہ تو سوامی جی کے کمرے کی طرف جانے دیتا۔ نہ اُنکی کسی پُستک۔ نوٹ۔ یا قلمی کاغذ کو دیکھنے یا پڑھنے کے لئے تیار ہوتا۔ اگر بستی میں جاتا تو رام بھگت غم و افسوس کی چرچا لے بیٹھتے۔ جس سے خواہ مخواہ دِل اَور زیادہ چوٹ کھاتا۔ اگر جنگل میں گھومتا تو ہزارہا قسم کے خیالات اُمنڈ اُمنڈ کر دِل کا شکار کر لیتے۔ غرضیکہ کسی طرح سے دِل کو چَین نہ ملتا۔ اسی طرح کئی دن تک سوامی جی کے مقامِ رہائش سے باہر گنگا کے کنارے پاگلوں کی طرح نارائن گھومتا رہا۔ نارائن کو رام کے جِسم چھوڑنے سے اتنا دُکھ یا غم نہیں ہوتا تھا جتنا کہ اُنکی ناگہانی رحلتِ جاودانی سے اور اُنکے کلام کی ناپائداری و ناراستی کے نظر آنے میں ہوتا تھا۔ کیونکہ جب سے نارائن کو رام کی قدمبوسی کا شرف حاصل ہُوا تھا رام ہمیشہ یہی کہتے چلے

آرہے تھے کہ "جب تک رام خود نہیں چاہیگا۔ جسمِ رام ہرگز ہرگز نہیں چھوٹے گا۔ وغیرہ وغیرہ"؛

رام کا آخری مضمون معہ پیغامِ بنامِ موت پانا

جب ایسے پاگل۔ مغموم اور افسردہ دِل سے گھومتے گھومتے نارائن ایک دن قصبہ ٹِہری میں آ نِکلا تو اِتفاق سے پیارے پُورن جی وہاں آ پہنچے اور نارائن سے بھی زیادہ پژمردہ دِل ہُوئے مِلے۔ مِلنے کے چند لمحہ بعد کہنے لگے کہ "جسمِ رام کا اِس طرح سے ایک چھوٹی سی ندی کے قابو مجبور ہو کر رحلت کر جانا رام کے اپنے کئی کلاموں و تحریروں کو جھُوٹا و غلط ثابت کر رہا ہے۔ اِس لئے دِل اب ایسا پست و مشکک ہو گیا ہے کہ رام کی تحریروں و باتوں پر بھی یقین کرنے کو تیار نہیں ہوتا۔ بلکہ رہا سہا نتیجہ بھی ملیامیٹ ہُوئے جا رہا ہے۔ نارائن نے بھی اپنی قلبی حالت سے اُنکو آگاہ کیا۔ اِس طرح باہم بات چیت ہونے ہوتے جب پُورن جی کو یہ معلوم ہُوا کہ نارائن مارے چوٹ اور دیوانگی کے ابھی تک رام کی پُستکوں اور کاغذوں کو چھُوا تک نہیں اور نہ اُس آخری مضمون کو کہ جس کی صاف نقل کرنے کے لئے رام مہاراج نے نارائن کو دو دن پہلے بلا رکھا تھا ابھی تک نظر بھر کر دیکھ سکا۔ تو اُنہوں نے نارائن کو رام کے مقامِ رہایش پر جانے کے لئے اُکسایا اور رام کی پُستکوں اور کاغذات کو دیکھنے و سنبھالنے کی سخت تاکید کی بلکہ اُسی رات کو وہ نارائن کو وہاں لے گئے اور رات بھر ہم ہر دو وہیں رام کے مقامِ رہایش پر سوئے؛ صُبح اُٹھتے ہی ہم رام کے کمرہ میں داخل ہو کر

مسودّوں کا باغور ملاحظہ کرنے لگے۔ میز پر کی ایک دو کتب و بکھرے کاغذات دیکھنے کے بعد وہ آخری مضمون بعنوان "خود مستی و ملتسک عروج" جس کو نقل کرنے کی خاطر نارائن کو بلا بھیجا تھا ہمارے ہاتھ میں پڑ گیا۔ قلمی مضمون ابھی تک بالکل ناصاف و بے ترتیب تھا۔ اس لئے کسی ورقے پر صفحے نہیں دیئے گئے تھے۔ تاہم جو بھی ورقہ ہمارے ہاتھ پڑا اُسی کو پڑھنا شروع کر دیا۔ اس طرح دو تین ورقوں کے پڑھنے کے بعد ایک ورقہ قدرے جلی قلم سے صاف لکھا ہوا نظر میں پڑ گیا۔ اُس ورقہ پر مفصلۂ ذیل عبارت ذرا کٹی ہوئی تاہم صاف پائی گئی:۔

اِندر۔ اِندر۔ مُرت۔ یمرا۔ وِشنو۔ شِو۔ گنگا۔ سَتلج۔ بھارت!

او موت! بیشک اُڑا دے اِس ایک جسم کو۔ میرے اور اجسام ہی مجھے کم نہیں۔ صرف چاند کی کرنیں چاندی کی تاریں پہن کر چین سے کاٹ سکتا ہوں۔ پہاڑی ندی نالوں کے بھیس میں گیت گاتا پھروں گا۔ بحرِ مواج کے لباس میں لہراتا پھروں گا۔ میں ہی بادِ خوش خرام۔ نسیم مستانہ گام ہوں۔ میری یہ صورت سیلانی ہر وقت روانی میں رہتی ہے۔ اِس رُوپ میں پہاڑوں سے اُترا۔ مُرجھاتے پودوں کو تازہ کیا۔ گلوں کو ہنسایا۔ بلبل کو رُلایا۔ دروازوں کو کھڑکھڑایا۔ سوتوں کو جگایا کسی کا آنسو پونچھا۔ کسی کا گھونگٹ اُڑایا۔ اِس کو چھیڑ۔ اُس کو چھیڑ۔ تجھ کو چھیڑ۔ وہ گیا۔ وہ گیا۔ نہ کچھ ساتھ رکھا۔ نہ کسی کے ہاتھ آیا۔ (آخری سطر پنسل سے لکھی ہوئی تھی)

مذکورۂ بالا الفاظ بنام موت پڑھتے ہی ہر ایک کے دل میں رام کے اِس نوٹ کی اصل کاپی پڑھنے کی اُمنگ خود بخود اُٹھ آتی ہے۔ اِس لئے

ہم ناظرین کی خاطر رام کے مذکورۂ بالا دستی نوٹ کی اصل کاپی کی فوٹو یہاں درج کر دیتے ہیں اور جس آخری مضمون (خود مستی - تمسکِ عروج) میں یہ نوٹ دیا گیا تھا اُسے بھی یہاں موزوں موقعہ سمجھکر دئے دیتے ہیں

خود مستی - تمسکِ عروج

آج سنت ایڈیشن کے ایک پرچہ کو گویا ہوا اُڑا لائی - اُٹھایا تو اُس میں ایک مضمون بدیں عنوان تھا "رام بادشاہ کے نام خط" واہ

اے کبوتری پری بہ کوئے بام آن پری
نامۂ بر گردنت بندم گر آنجا بگزری

از عدم ہنسی آئی -

اب آتے ہیں اُن اعتراضوں کے جواب

(۱) کیا بھگوے کپڑوں سے سادھو ہوتا ہے ؟

کہیں کہیں رنگے کپڑوں میں رنگا دل بھی پایا جاتا ہے - رام کا دیوانہ مستانہ بھی جلوہ دکھا جاتا ہے - لیکن ہر کس و ناکس پر روشن ہے کہ روشنضمیری لباسِ فقیری میں اسیر نہیں - وہ حقیقی آزادی کسی طرح کی راہ وملت اور ڈھنگ - قیس کی عادی نہیں ہے - جہاں جاتے ہوئے پاؤں تھرا جائیں اور سر چکرا جائیں - وہاں بھی یہ بجلی چمک جاتی ہے - یہ تتی جھلک جاتی ہے - یہ آفتاب اونچے ہمالیہ کے پوتر برفستان کے اندر صاف سفاف نیلی جھیلوں میں جھانکتا ہوا پایا - اور گہری کھائی کے گدلے پانی میں نا آن ہمہ شان درخشاں نظر آیا - قیدخانہ میں وہ آجاتا ہے - اور فولاد کی کڑی زنجیریں ٹوٹی رہجاتی

ہیں۔ بلکہ اُن سے زیادہ سنگین ہاتھ۔ سر جسم واسم کی ہڑیاں بھی دھری رہ جاتی ہیں۔ اندھیری کوٹھری میں بند قیدی پنجہ در پنجۂ خدا ڈالے شش جہت عالم میں آزاد ٹہلتا ہے۔ یا آٹھویں عرش پر اِس اکیلے کی نیلی گھوڑی کے سُم کی ٹاپ سُنائی دیتی ہے۔ نیچے بازار میں لوگ چل رہے ہوں۔ اُوپر چھت پر گھر والے کام کاج میں لگ رہے ہوں۔ ایک کونے میں بیٹھا کوئی پڑھ رہا ہو۔ اے لو۔ پڑھتے پڑھتے وہ حرف پڑھا گیا جو لکھنے ہی میں نہیں آ سکتا۔

مصرع وُہ کتاب عقل کی طاق پر جو دھری تھی یُوں ہی دھری رہی۔

خلوت در انجمن ہو گئی۔ منگل ہی میں جنگل کا مزا آ گیا

سیر کو نکلے خوش قسمتی سے کوئی ساتھی ہمراہ نہ ہُوا۔ چاندنی کھل رہی تھی۔ با شفق پھیل رہی تھی۔ ہوا سرسرانے لگی۔ سڑک پر چلتے یک بیک یہ کون آشریک ہُوا۔ وُہی جو وحدہٗ لاشریک ہے۔ اُدھر شفق کی لالی آئی اِدھر نرالی شراب رگ و ریشہ میں سمائی۔

سہ آں مے کہ زدِل جنبد با روح در آمیزد
مخمور کند جوشش مر جشم خدا بیں را

ریل گاڑی میں بیٹھے تھے۔ پہیوں کی کھٹ کھٹ کا لگاتار کھٹ راگ جاری تھا۔ کمرہ میں بات کرنے والا کوئی تھا نہیں کھڑکی کا پردہ جو گرایا تو یکایک دِل و جان میں دُلہا اُتر آیا۔ ریل میں بیٹھے بیٹھے کے جسم وجاں (جسم و جہاں) جانے کہاں کا ٹکٹ لیگئے رُوحانی نناگ (ترکِ دُنیا و مافیہا) طاری ہو گیا۔ سچی فقیری نے بہار دکھائی۔

سہ کیسے گردھر کوئی راے چڑھی جن خود کی مستی

تن گیان گنگ ہیں دِہنی بہائے فقیری گرہسنی

(۲) کیا اگنی کے رنگ والے (بھگوے) کپڑوں سے سادھو ہو جاتا ہے؟
سادھو وہ ہے جس کے اندر گیان اگنی ایسی بھڑک رہی ہو کہ دیہہ ابھمان یا سادھو ہونے کا ابھمان یا ربل نار وغیرہ سے نفرت یا پرانے ڈھنگ سے محبت مطلقاً جل جائے۔ ساری دنیا کو اس کے نورِ معرفت کے شعلہ سے اجالا پڑا ہو اور آگے چلنے کا راستہ نظر پڑا آئے۔ اگر یہ نہیں تو گیلا ایندھن ہے جو دھواں ہی دھواں کر رہا ہے جس سے سب لوگوں کا ناک میں دم ہو رہا ہے۔ جب تک سوکھے گا نہیں۔ نہ آپ روشن ہوگا نہ کسی کو اجالا کرے گا۔ دِل نہیں رنگا تو کپڑے رنگنے سے ایا یا رایا دکھ کہاں دور ہو سکتا ہے۔

لوگ کہتے ہیں گیان اگنی (نورِ معرفت) کا شعلہ بھڑکانے کے لئے ایندھن کو پہلے دھوپ میں سوکھا لو یعنی کرم اپاسنا (شریعت اور طریقت) کے ذریعہ ادھکاری (قابل) بنالو۔ رام کہتا ہے۔ جو لکڑی کٹ چکی (جو آدمی سادھو ہو چکا) اس کے لئے اِس آگ کے پاس پڑے رہنا ہی بہت جلدی سوکھا کر ادھکاری بنا دے گا۔ البتہ جو ابھی ننھے پودے ہیں ان کو اُگنے تو دو۔ اُگیں گے نہیں تو لکڑی ایندھن کے لئے کہاں سے آئیگی۔ بکرے کی اون اتارنے سے ہی اونی کپڑے بنتے ہیں۔ پر اون بڑھنے تو دو۔ آئے ہی گی نہیں تو پشم کہاں سے لاؤگے۔

اسی طرح جن لوگوں کے خیالات (انتہ کرن) ابھی کچے پودوں کی مانند ہیں۔ وہ نہال ابھی تو نہ کاٹنے کے لائق ہیں نہ جلنے کے لائق۔ جن پر اون آئی ہی نہیں اتاریں گے کیا۔ وہ مونڈ مونڈائیں گے کیا۔ ایسے

لوگوں کے لئے کرم مارگ (جادۂ اعمال) قدیم زمانہ سے مقرر چلا آتا ہے۔ کہ وہ اُمیدوں کے کھٹے میٹھے پھل تھوڑی مدت ذرا چکھیں اور کرم (اعمال) کی بھول بھلیاں میں ٹھوکریں اور ٹکریں کھا کھا کر گیان اور بھاگ کے جادۂ مستقیم کو خود بخود جوئیں۔

ذرا اب غور کیجئے۔ پودا اُسی صورت پر بڑھے گا۔ جس قسم کا بیج ہوگا۔ کرشن نے دیکھا کہ ارجن کے اندر بیج بو ہے اِنتقام (بدلا) لینے کا اور اُوپر سے اسونت باتیں بنا رہا ہے دیالو برہمچاری کی سی۔ بیج تو بویا کانٹے دار ببول (کیکر) کا اور لگا امید رکھنا ہے آم۔ اسکا اُسے دیالو (رحم) کی طرف سے ہٹا کر جنگ و جدل پر آمادہ کیا۔ پیارے تھا تو لٹا جمال گوٹہ (جمع لوٹا) اور اب جنگل جانے میں عار مانتے ہو۔

کرم کانڈ (جادۂ اعمال) کے متعلق یہی کیفیت زمانہ حال کے ہندوستان کی ہے

بیج یعنی خواہش تو سر زمین دِل میں بوئے بیٹھے ہیں بیسوی صدی والی۔ اور باتیں بناتے ہیں دسویں صدی قبل مسیح والی۔

متعلقہ کرم کانڈ جیسی چاہ (خواہش) ہوگی ویسا ہی "کرنا چاہیئے" (فرض) سر پر سوار رہے گا۔

اگر راجسو یہ۔ اشومیدھ۔ درش پورن ماش۔ اگنی شٹوم وغیرہ یگیوں والی چاہ اب دِلوں میں نہیں تو ان یگیوں کا "کرنا چاہئے" بھی آج ہم پر حاوی نہیں ہوگا۔ آج چاہ ہے یورپ۔ امریکہ۔ جاپان۔ آسٹریلیا وغیرہ کے مقابلہ میں جوں توں کرکے جان بچانے کی۔ پس آج "کرنا چاہئے" ہندوستان کو اِس قسم کی تعلیم پانا اور صنعت و حرفت کو عمل میں لانا جس سے روزانہ

بے سروسامانی کے عذاب سے بچ سکیں:
کرم کانڈ زمانہ اور ملک کے ساتھ ہمیشہ سے بدلتا چلا آیا۔ اور آیندہ بدلتا رہے گا۔ پر آتما (حقیقت) تبدیلی سے بری ہے۔ اور اس کا گیان (علم حقیقت) ہمیشہ ایک رہے گا۔ جو لوگ اپنے سودھرم کو (یعنی اپنے متعلق کے کرم کانڈ کو) اپنی موجودہ ڈیوٹی (فرض) کو نیشکام ہوکر (نتیجہ کے خیال کو نظر انداز کرکے) پوری ہمت سے۔ دل و جان سے۔ محنت اور دھیان سے نباہتے ہیں وہ ہی ایک آتم گیان (نورِ معرفت) کے جلال سے درخشان ہوتے ہیں (دیکھو بھگوت گیتا):
آتم گیان وشنو ہے جو ہمت اور نبھر مردی کے گرڑ (شاہین) پر بیٹھنا اور سواری کرتا ہے۔۔ یہ آتم گیان اپنے گرڑ (ہمائے ہمت) پر سوار جب ہندوستان کی ہوا پر لہراتا تھا تو اس خاوندِ حقیقی کی نگاہ ناز کا شکار ہونے کے لئے لکشمی (دولت) چاروں طرف ناچتی تھی۔ بلکہ کوہ و صحرا میں لوٹتی پھرتی تھی۔ زمین نے مخفی چھپائے خزانے اور جواہرات قدموں میں پیش کئے۔ کوہِ نور اگل دئے۔ جزیروں پر نثار کئے شگفتہ بہار نے کفِ پا (رنگے تلووں) کے بوسے لئے۔

ع دولت غلام من شد و اقبال چاکرم

جہاں سرو شمشاد ہوں گے قمری آبیٹھے گی۔ گل و لالہ ہونگے بلبل آ چہچہائے گی۔ تم ہند میں علم و معرفت کی نوراک کھلاکر شاہین ہمت (گرڑ) تو پالو۔ وہ ہی عملی گیان (حقیقی معرفت) روپی وشنو بھگوان موجود پاؤ گے:
اوتّم سرتّان (گیان سروپ) آنند روپ اگر ہندوستان کے باون لاکھ

سادھو سنتوں میں ایک ہزار بھی ایسے ہوں جن کے سینوں میں آپ کی گیان گنگا کی ایک ذرا جتنی نہر لہریں مار رہی ہو۔ تو ہندوستان تو کیا تمام دُنیا نہال ہو جائے گی۔

سـ۵ ایہ جگ زُڑہ دا جاندا سنتان نوُں خبر کرو
سنت نہ ہوندے جگت میں جل مردا سنسار

جن لوگوں کو علم سیاستِ مُدن (علم الاقتصاد۔ پولٹکل ایکانومی) کے نام سے برہم نِشٹھ مہاتماؤں کی موجودگی گراں گزرتی ہے۔ وہ اپنا ہی بُرا چاہتے ہیں۔

مصرع سنگے زنی بر آئینہ بر خود ہمیزنی

جو فقیر اپنے رنگ میں رنگا ہوُا نشۂ عرفان میں متوالہ مستانہ ہو رہا ہے۔ وہ تو شاہوں کا بھی شاہ ہے۔ خُدا کا بھی خُدا ہے۔ کس کو مجال ہے اُس رنگیلے سجیلے شاہِ خفقت کے آگے چوُں بھی کر جائے۔ ماہِ نو اُسی کے قدموں میں سجدہ کرتا ہوُا دُنیا میں عید لاتا ہے۔ آفتاب اُسی کی نگاہ نُور بخش سے منوّر ہو کر چمکتا پھرتا ہے۔ سمندر کا طوُفان اُسی کا ایک ادنیٰ ولولہ ہے کس کو مجال ہے اُس طوفانِ جلال کی طرف آنکھ بھر کے تک جائے۔ مہاراجہ رنجیت سنگھ کی ایک آنکھ نہیں تھی۔ پر کہتے ہیں۔ فقیر نے کہہ دیا کہ کسی میں یہ ساہس نہ پڑے گا کہ تیرے چہرے کی طرف نگاہ اُٹھا سکے۔ چہ جائیکہ عیب جوئی کرے جب راجا رنجیت سنگھ کی پیشانی کے عیب و صواب کوئی نہیں دیکھ سکتا۔ تو مہاتما سادھو سچے بادشاہ کی طرف نگاہ عیب بیں تکتے وقت کیا اندھی نہ ہو جائے گی؛

سحر خورشید لرزاں بر در کوئے تو می آید
دلِ آئینہ را نازم کہ بررُوئے تو می آید

سچے سادھو - فقیر (ذیانی مہاتما) کے برخلاف اگر کسی کی زبان بولنے لگے گی تو گُنگ ہو جائے گی - ہاتھ چلنے لگے گا - تو سُوکھ جائیگا - دماغ سوچنے لگے گا تو جنُون آ جائیگا - کوئی شک شبہ والی بات تو رام کہتا ہی نہیں - چشم دید حقیقت بیان کرتا ہے - سچے سادھو کی توہین ہو - اور رام سے؟ ہر ہر - ہر ہر - خواب میں بھی ممکن نہیں کیا کرم کانڈ کے قیدی اور کیا سچ مچ آزاد سادھو سب کو پرنام رام - رام - سلام -

سادھو فقیر کو یہ مشورہ دینا کہ وہ توحید کا آبِ حیات پینے پلانے کے بجائے ریل - تار - جہاز بندوق وغیرہ بنانے کی فکر میں ڈوب مریں - یہ صلاح و مشورہ رام کے دِل و زبان سے تو نہ نِکلا - نہ نِکلتا ہے - نہ نکلیگا -

ہاں جب سادھو لوگ اپنے سروپ کو بھول کر اپنی حقیقی سلطنت (اصلی راجگدی) سے نیچے اُتر آتے ہیں - تو اُن کو کُتّے بھی پھاڑ کھانے دوڑیں گے - اِس حالت میں اپنی توہین وہ خود کراتے ہیں - بےحُرمتی اور دُکھ کو ایک گونہ لالچ دیکر بُلاتے ہیں -

اِندر جب خواب میں سُوکر (خوک) بن گیا تو باقی دیوتا اپنے راجا کی یہ گت (دشا) دیکھ کر نادم ہُوئے اور اُس کو جگانے کی فکر میں اپڑے - لہذا اِندر کو خوابِ بد میں کھجلی - ٹھوک - مار پیٹ - وغیرہ طرح طرح کے درد و رنج کا شکار ہونا پڑا -

سورج گرہن کے موقعہ پر سورج کے شنیہ الوان (سپیکٹرم) میں کالی دھاریاں دیکھی جائیں تو سفید نظر آتی ہیں۔ جانتے ہو یہ دھاریاں کیا بتاتی ہیں۔ اُن سے یہ پتہ لگتا ہے۔ کہ سورج میں کون کون سی دھاتیں وغیرہ عناصر ہیں۔ سورج کی جائیداد کا کھوج ملتا ہے۔ گرہن کے اندر جو جائیداد روشن معلوم دیتی تھی۔ سایہ اُترا تو وہ تاریک خسوف میں کالا کلنک رسیاہ الزام نظر آنے لگی۔ یہی حال ہر ایک "میں۔ میری" ایعنی قبضہ۔ تصرف) کا ہے اگیان کا تاریک خسوف جو بذات خود بڑے سے بڑا کلنک ہے لگا رہے تو یہ چھوٹے چھوٹے کلنک یعنی ہمارے دعوے اور تصرفات (خواہ مال و دولت کے متعلق ہوں۔ خواہ علم و عقل کے اور خواہ سنیاس وغیرہ آشرم کے) روشن اور سارے سے لگتے ہیں۔ لیکن وہ بڑا عیب (اگیان۔ جہلِ ذات) جب اُترا۔ دعوے قبضے میٹھے نہیں لگ سکتے۔ ساہ دھاریوں کا درسٹانت تو خواہ غلط بھی ہو جائے۔ لیکن یہ امر بہرحال دائم و قائم ہے کہ دلی تعلقات و تصرفات۔ اندرونی دعوے و امساک۔ سخت ظلمت کے گنو ہیں۔ شاستر اور عرفان کی بات تو دُور رہی معمولی تجربہ کی روشنی میں اُن کا داغِ سیاہی (کلنک) ہونا بلکہ پاس و حرمان ہونا ثابت ہوتا ہے۔

توجہ:۔ ذیل کی تحریر کو پڑھتے ہوئے۔ دھیان رہے کہ دعوے۔ قبضہ تصرف۔ امساک وغیرہ کا حقیقی واسطہ صرف دِل (قلب) سے ہے۔ جسم سے نہیں۔ بیرونی افلاس اور چیز ہے اور دِل کی فقیری اور چیز۔ کپڑا رنگنا اور بات ہے اور حقیقی سنیاس اور بات ہے۔

دعوے اور سیاہی جہاں دعوے (رگڑ جگڑ) ہے وہیں سیاہ رُوئی ہے سیاہی ہے۔ یاس و حرماں ہے۔ ناکامی ہے۔ نامُرادی ہے۔ خرابی ہے۔ بربادی ہے۔ دِل کی اوسنفا تغیر پذیر ہے۔ اور باہر کے سامان بھی متغیرہ ہیں۔ اِتنا تو ہر کوئی جانتا ہے۔ اب رہی یہ بات کہ آیا باہر کی تبدیلیاں اور اندرونی تغیر آپس میں کچھ تعلق بھی رکھتے ہیں کہ نہیں اگر رکھتے ہیں تو کیا۔

اِتنا تو ہر کوئی مان لیگا کہ بیرُونی موسم۔ مکان۔ صحبت۔ خوراک کے بدلنے سے من (باطن) میں تبدیلی واقعہ ہوتی ہے۔ اور بُری یا بھلی خبر سے دِل شاد یا مغموم ہو جاتا ہے۔ یہ ایک بات اور بھی ہے جِس کا پُورے طور پر عملی یقین آنا ہی چشمِ باطن کا وا ہونا ہے۔ جس کی بے خبری سے "نانک دُکھیا سب سنسار ہو رہا ہے" وہ بات کیا ہے۔

اٹل قانونِ رُوحانی جب تک۔ دِل سے پکڑ جکڑ ہے۔ باہر رگڑ جھگڑا ہی دِل سے چھوٹی آس۔ مُرادیں آئیں پاس

سے گزشتم از سرِ مطلب - تمام شُد مطلب -
مطلب - مطلب -

سے مانگا کرینگے ہم بھی دُعا ہجرِ یار کی
آخر تو دُشمنی ہے دُعا کو اثر کے ساتھ

یہ قانون اٹل سائنس والے قیاس۔ استقراء۔ تجربہ۔ مشاہدہ اور طریقہ نفی اثبات سے بلا امکان استثناء ثابت ہوتا ہے۔ الزام اوروں کے سر جڑنے کی۔ جوابدہی اوروں کے سر منڈھنے کی عادت کو چھوڑ کر اگر ہم بے رُو رعایت اپنی زندگی کے رنج و راحت آبر

تجربوں کی پیچ و بچن پر غور کریں تو معلوم ہوگا کہ دِل کا دُنیا کی کسی شئے میں اُلجھنا (یعنی اُسے عملاً سبنہ یا حقیقی ماننا) ۔ ضرورت میں پڑنا ۔ کدورت میں آڑنا یا کسی طرح کی بھی اِسم و شکل سے دل بستگی کا نتیجہ بلاناغہ سرگشتگی اور دِل خستگی ہوتا ہے ۔ اور ہاں جب بھلے بُرے عوارض اور حوادث اِرد گِرد کے حالات اور اسباب نقشِ رشبنہ کی طرح نگاہ حق بیں کو نہیں روکتے ۔

دُنیا کے سب بکھیڑے | جھگڑے فساد جھیڑے
دِل میں نہیں رڑ کتے | نہ نگاہ کو بدل سکتے
گویا گُلال ہیں یہ | سُرمہ مثال ہیں یہ

جب یہ جلال ذات سحابِ حاجات کو اُڑاتا ہے ۔ جب مہر و ماہ میں اپنا ہی نور نظر آتا ہے ۔ جب اِس بات کا حق الیقین آتا ہے کہ ماضی ۔ حال اور مستقبل کے عارفان و کاملان میں میرا ہی پرنو ذات جگمگاتا ہے جب قلب اِس معاملہ کو سچ پاتا ہے ۔ کہ ۔

سہ مجھ بحرِ خوشی کی لہروں پر دُنیا کی کشتی رہتی ہے
از سیلِ سُرور دھڑکتی ہے چھاتی اور کشتی بہتی ہے

جب جسم و اِسم کی محدود حیثیت سے آزاد ہو کر سرّ راز بیان بحرِ رُوحانی میں طبیعت محو ہو جاتی ہے ۔ جب وہ شرابِ حقیقی رنگ لاتی ہے

ع کاں می شود بے دست و لب از کامِ جانہا ریختہ

جب سامان ظاہری اور اسبابِ دُنیوی کو بے اعتنائی اور لاپرواہی کی سُرنگ بحرِ استغنا میں بہا لیجاتی ہے اور نہفتاتی ہے ۔

ع اس دفترِ بے معنی غرقِ مے ناب اولے

یعنی جب یہ سمادھی آتی ہے۔ تب دُنیا کے متاع و مال۔ فتح و اقبال بھوت پریت۔ گھنون کی طرح اسماء و اشکال کی تمثال بجوگی (ذبرستان) ہیں۔ سوروپ مہاتما (صاحبدل) کے اِرد گرد جمگھٹ مچاتے ناچنا شروع کر دیتے ہیں۔ جمگھٹ کرتے ہیں۔ دھما چوکڑی مچاتے ہیں۔

کیا شک و شبہ کی گنجایش ہے؟

او ہٹ کڑی کے کنگن پہنے ہُوئے مجرم۔ اگر اس وقت بھی تُو ایک لمحہ بھر کے لئے بادِ حقیقت میں جسم و جہاں کو سچ مچ بھول جائے۔ اپنی بیخود ذات میں جاگ پڑے۔ تو سزا کا فتویٰ دینے والا جج کا دماغ رُک جائے۔ اظہار لکھنے والے مسلخوں کا قلم رُک جائے۔ پکڑنے والے کوتوال کا ہاتھ رُک جائے۔ جرح کرنے والے وکیل کی زبان رُک جائے۔ کون دماغ ہے۔ جو تیرے بغیر سوچ سکتا ہے۔ کون زبان ہے۔ جو تیری مدد بغیر بول سکتی ہے۔ کون ہاتھ ہے جو تیری قوت بغیر چل سکتا ہے؟ میری جان۔ سب قصوروں کا قصور (سب بدیوں کی جڑ) اپنی ذاتِ پاک کو عملاً یا علماً بھولنا ہی تھا۔ دراصل قصور اگر ہے تو فقط اتنا ہی ہے۔ باقی سب جُرم اور قصور اُسی کے مختلف بھیس ہیں۔

؎ کیوں ہو مجرم اہلکاروں کی خوشامد میں پڑے
یہ کچہری وُہ نہیں تجھکو رہائی دے سکے

لکھا ہے۔ بھرگو نے وشنو کے بام انگ میں (بائیں پہلو میں) یعنے لکشمی (دولتِ دُنیا) کو بڑے زور سے لات جڑ دی۔ وشنو نے اُٹھ کر

بھرگو کے چرنوں کو پریم کے آنسوؤں سے دھویا - سر کے کیشوں (بالوں) سے پونچھا - اور حسنم و سرو دِل میں جگہ دی - اور اُس چوٹ کے نشان کو سرٹیفکیٹ (سندِ فاخرہ) جان کر تاابد پہلو میں اختیار کیا - واہ - جو برہم نشٹھ (محو فی الذات) لات مارتا ہے دولتِ دُنیا کو اُسکے چرن (قدوم مجبّت بسر و چشم) خدا کے بھی سر پر کیوں نہ ہوں گے - اور جو بھی کوئی دولتِ دُنیا (لکشمی) سے لپٹ کر خوابِ غفلت میں لوٹتا ہے وہ بھکھاری (گدا) سے بھی لاتیں کھائیگا - شہنشاہِ عالم اور خدا ہی کیوں نہ ہو - یہی قانون ہے - یہی ویدانت کی عملی تعلیم کا لُبِ لباب ہے اِس میں سنّیاسی فقیروں کا ٹھیکہ نہیں - اس روشنی کی تو سب کو ضرورت ہے - کیا ہندو کیا مسلمان کیا عیسائی - کیا موسائی - سکھ - پارسی - عورت مرد چھوٹا بڑا ادنیٰ اعلیٰ - ہر کوئی اس نورِ حق سے فیضیاب ہونے کا مستحق ہے - اس آفتاب کی روشنی بغیر کسی کا جاڑا نہیں اُترے گا - اس دُھوپ بغیر کسی کا پالا نہیں دُور ہوگا - اس میں خالی ماننے کی تو بات نہیں - ٹھیک ٹھیک جاننے کا معاملہ ہے - یہاں بحث مباحثہ کی گنجائش ہی نہیں - ہاتھ کنگن کو آرسی کیا ہے ! اپنے علم کی عملی واقفیت نہ ہونے سے سب کا ناک میں دم ہوتا ہے -

Ignorance of Law is no excuse

"قانون کی لاعلمی عذرِ معقول قرار نہیں پاسکتی"

بس ساگ - ویراگ (آتم گیان) کو لے لو - باقی سب کچھ خود آئیگا اسی واسطے وید کہتا ہے -

आत्मानं वा विजानीयात अन्या वाचो विमुंचथ।

Know this Atman, give up all other vain words and hear no other

آتما کو پُورا پُورا جان لو۔ اور کسی چیز کی پروا مت کرو۔

علم را و عقل را و قال و قیل	جملہ را انداختم در آبِ نیل
اسم را و جسم را در باختم	تا کمالِ معرفت در یافتم

کالج میں ایم۔ اے پاس کر کے بعض نوجوان تو کالج میں پروفیسر بن جاتے ہیں۔ جو کچھ پڑھا اُسی کو پڑھاتے رہنا اُن کا پیشہ ہو جاتا ہے اور کالج سے ایم۔ اے پاس کر کے بعض نوجوان وکیل یا مجسٹریٹ وغیرہ بنجاتے ہیں۔ اب وہ کالج کے مضامین (ریاضی وغیرہ) دوبارہ دیکھنے کا شاید کبھی بھی موقع نہ پائیں۔

ایم۔ اے پاس کرنا سب نوجوانوں کے لئے ضروری تھا۔ لیکن پروفیسر بننا لازمی نہیں۔ اسی طرح آتما کو پُورا پُورا جان لینا اور کسی چیز کی دل سے پروا نہ کرنا" تو ہر فرد بشر کا فرض ہے۔ لیکن رات دن ادھیاتم بچار اور سمادھی میں لین رہنا۔ نجانند (خمرو بہ ذات) میں موجزن رہنا (لہریں مارنا) یہ خوش قسمتی ہر ایک کا حصہ نہیں۔ یہ پروفیسری کام ہے سچے سنیاسی فقیر لوگوں کا۔

وہ لوگ جو حسب اقتضائے فطرت ادھیاتم وِدیا رُوپی (یعنی معرفت ذات کا) ایم اے پاس کر کے اسی وِدیا کی تعلیم و تعلم اور علم کو پیشہ نہیں بنا سکتے اُن کے لئے وید کا فرمان ہے:

कुर्वन्नेवेह कर्म्माणि जिजीविषेच्छतꣳ समाः
एवं त्वयि नान्यथेतोऽस्ति न कर्म्म लिप्यते

(ایشا واسیہ اُپنشد) मन्त्र ॥ २ ॥

"اگر کام کاج (افعال) میں لگے ہوئے بھی تم زندگی کے سو سال بسر کر دو۔ تو (بدیں شرط دعلم حقیقت اور فقیر دلی ہونے پر) تم عیب سے مُبّرا اور نقص سے معرّا ہو۔ لیکن کسی اور صورت سے نہیں۔"

کسی بڑے جاگیردار کا بیٹا گو مجبور نہیں کیا جاتا لیکن پھر بھی وہ عموماً ٹینس۔ کرکٹ۔ فٹ بال۔ یا شطرنج گنجفہ وغیرہ کھیلوں میں مصروف پایا جاتا ہے۔ اور اِس کھیل کود کے کام کاج میں لگنے سے وہ اپنے پیدائشی حق (امارت) سے گر کر مزدوروں کے زمرے میں بھی نہیں گنا جاتا۔ اسی طرح جنہوں نے اپنے حقیقی سدائیشی حق (خدائی۔ شہنشاہی) کو لے لیا ہے۔ وہ اگر شغلاً ریل تار مشین وغیرہ کام کاج کی کھیل میں ہٹ (چوٹ پر چوٹ) مارتے ہیں اور آسمان تک گیند کو اُچھالتے ہیں۔ اُن کی شاہزادگی سے کون منکر ہو سکتا ہے۔ اور کھیل میں بازی جیتنا بھی صرف خداشناس ہی کا حصہ ہے۔ کیونکہ وہ بے فکر ہے۔ اور جس کا فکروں کے بوجھ سے دم نکل رہا ہے۔ وہ لٹو دُنیا کے کھیل کو کیا خاک کھیلیگا۔ کرم کا نشکام (بلا چشمِ صلہ) ہونا گیانی (عارف) سے خود بخود وقوع میں آتا ہے اور جہاں سوبھاوک (خود بخود) کرم نشکام ہے۔ کامیابی غلام ہے۔ اور یہی عارف جو نشکام کرم میں سرگرم ہیں یہی ہیں جن کو سنیاس کا وہ گاڑھا رنگ چڑھتا ہے کہ اندر سے پھوٹ کر باہر نکل آتا ہے۔ باہر رنگے کپڑوں سے اندر نہیں جاتا۔ جو لڑکے خوب کھیلتے ہیں۔ بیشتر بھی اُنہیں کی کارسِتی ہوتی ہے۔ اِس چھوٹی سی دُنیا میں بے فکری سے کھیلنے والے بے فکری سے سیانے نیک کرم ہوئیں گے

مہاتما ڈیوسن (Deussen) کی رائے تو ہے یوں کہ ادھیاتم ودیا بیشتر اسکے کہ برہمن لوگوں میں اُترے جو کرم کانڈ میں ازبس مصروف رہتے تھے - راجا لوگوں کے اندر پرگٹ ہوئی اور بعد میں برہمنوں نے اسے سنبھالا - اس بات کو خاص وید کے کئی حوالے دیکر اور مختلف دلائل سے وہ اپنی طرف سے پایۂ ثبوت کو لیجاتے ہیں - اب گو رام اُن سے اتفاق نہیں کرتا - اور اُن کے حوالہ جات کو کافی نہیں مانتا اور اُن کے دلائل کو ناقص ٹھانتا ہے - تاہم اس بات سے کسی کو انکار نہیں ہو سکتا کہ راجہ اجات شترو - پرواہن جیبلی اشوپتی - کیکیہ - پرتردن - جنک - کرشن - رام - سکھی دھوج - الرک وغیرہ سینکڑوں راجے مہاراجے اس درجہ کے بے تعلق فقیر دل ہو گزرے ہیں کہ کوئی سنیاسی اُن کی کیا برابری کرے گا - اشوک رنجیت سنگھ - بابر - اکبر - کرم ویل - الربجو - واشنگٹن - بلکہ چارلس اعظم جیسے نادان لوگ ناستک قرار دیتے ہیں - وغیرہ کی اندرونی زندگی پر جب غور کی نگاہ ڈالی جاتی ہے تو اُن کی باطنی بے تعلقی - فقیر دلی قلبی درویشی کو دیکھکر بدھ اور عیسیٰ یاد آتے ہیں -

علم تاریخ کی جو کتاب اس قانون کو واضح نہیں کرتی - جو قوموں کے عروج و زوال - خاندانوں کی تباہی اور اقبال - شاہوں کی پستی اور کمال میں سبب حقیقی ہے - وہ کتاب فقط کانٹوں کی باڑ ہے جس کے اندر کھیتی نہیں - یا سج دھج کر آئی ہوئی برات ہے جس میں دُلہا نہیں ؂

بات تھی جو اصل میں وہ نقل میں پائی نہیں
اسلئے تصویر جاناں ہم نے کھچوائی نہیں
ایک سے جب دو ہوئے تو لطف یکتائی نہیں
اسلئے تصویر جاناں ہم نے کھچوائی نہیں
ہم ہیں مشتاق سخن اور اس میں گویائی نہیں
اسلئے تصویر جاناں ہم نے کھچوائی نہیں

لوگ کہتے ہیں۔ گو باقی علوم وفنون میں بھارت ورش کبھی سب ملکوں سے آگے رہ چکا ہے۔ لیکن ہندوستان میں اہل مغرب کی طرح صحیح تاریخ نویسی کا مادہ نہیں تھا۔ ہو گا۔ مگر یہ جو سن ولادت۔ سال نوس۔ خاتمہ جنگ۔ انقلاب حکومت۔ شجرۂ نسب۔ خاندان شاہی دوران تباہی۔ واقعات ملکی۔ غدر و سرکشی وغیرہ کی تشریح و تصریح سے دفتروں کے دفتر کالے کر دئیے گئے ہیں کیا یہ صحیح علم تاریخ میں شامل ہو سکتے ہیں؟ علم تاریخ میں تو نہیں لیکن عظیم تاریخ میں البتہ داخل ہیں۔ اہل مغرب کے قلمبند کئے ہوئے اس قسم کے واردات اور حالات تاریخ کی خشک ہڈیاں کہلا سکتے ہیں۔ اور وہ بھی عموماً بے ترتیب اور بے محل۔

سر آرتھر ہیلپس ایک جگہ لکھتا ہے "تاریخ میرے سامنے مت پڑھو میں جانتا ہوں کہ سوائے غلط اور جھوٹ ہونے کے یہ اور کچھ نہیں ہوگی"۔ ہنری تھورو کا مقولہ ہے "میتھالوجی (علم دیومالا۔ قدیم فسانہ وغیرہ) میں زیادہ سچائی پائی جاتی ہے بہ نسبت تاریخ کے"

شاپن ہاور کا قول ہے "تاریخ زمانہ کے لئے اخبارات۔ منٹ بلکہ اکثر دفعہ سکنڈ کی سوئی کا کام دیتے ہیں۔ جس گھڑی کے منٹ ہی درست

نہیں ۔ گھنٹے کہاں تھک ہوں گے "

ایمرسن "ہیر کا حال وہ لکھے جو اسی درجہ کا ہیر ہو۔گھائل کی گت گھائل جانے۔ اور جگہ لکھا ہے " ملٹن کو وہ سمجھے جو خود ملٹن ہو"

ع ولی را ولی می شناسد

جو بیانات ملیں کئے جاتے ہیں۔ اگر صحیح ہوں تو عموماً ایسے بالائی سطح پر کے ہوتے ہیں جیسے کوئی گھڑی کی ڈائل۔ کس اور سوئیوں کا تو حال لکھ دے لیکن اُنکی اندر کی بناوٹ (کلا) کا کچھ پتہ نہ دے۔ اتنے بیان سے کسی کی بگڑی گھڑی نہیں سنورتی۔ فقط اتنا علم عملی طور پر کچھ فائدہ نہیں دے گا۔ بلکہ دماغ پر بوجھ کی طرح بڑھکر "نیم حکیم خطرۂ جان۔ نیم ملّا خطرۂ ایمان" والی صورت لائیگا۔ بھان موّرخ۔ اگر بتاتے ہو تو وہ بات بتاؤ جو میرے کام بھی آئے۔ اجنبی نام اور سنہ یاد کرنے سے میرا کچھ نہیں سُدھرتا۔ بے روح مُردہاں کوئی سبق نہیں دیتیں علم بے غذاء تاریخ تاریکی کو نہیں ہٹاتا۔ آدمی کا لکھا ہُوا فسانہ پڑھنے کو بیٹھیں تو چھوڑنے کو جی نہیں چاہتا۔ کیا خدا کا ناٹک (دُنیا) ایک معمولی فسانہ کے برابر بھی لُطف نہیں رکھتا؟ بیشک رکھتا ہے اور اس لُطف اور دلچسپی کو دکھانا صحیح تاریخ نولس کا کام ہے۔

اسی تاریخ کا مصنف وہ ہو سکتا ہے جو عالم کے مصنف کو سچ مچ پہچانتا ہو۔ قُدرت کے قانونِ روحانی کو پُوری طور پر جانتا ہو۔ قُدرت کے رُوحانی قانون کو کون جان سکتا ہے؟ جو اپنی ہی روزمرّہ زندگی کے ذرّہ ذرّہ پر غور کرتا کرتا اُس قانون کو جان جائے۔ جس سے رنج و راحت خوشی کامی۔ ناکامی دغیرہ وابستہ ہیں۔ عالم کے مصنّف کو کون پہچان سکتا

ہتے ہیں۔ جو اپنی ہی ذاتِ حقیقی کو سچ مچ پہچان جائے۔

مَن عرف نفسہٗ فقد عرف ربّہٗ

جسے اپنی بھی خبر نہیں وُہ غیر زمانہ والوں کا۔ غیر حیثیت والوں کا۔ غیر مُلک اور قوم والوں کی خبر کیا خاک دے گا۔

کسی کتاب میں لُطف اور دلچسپی کب ہوتی ہے۔ جب اُنہیں ہم اپنے دِل کی سُنیں اور اپنے ہی کسی تُحفہ تجربہ کا پتہ پائیں۔ اور تاریخِ عالم اگر راست راست لکھی جائے تو کیا ہے۔ تمہارے ہی کسی نہ کسی وقت کے تجربوں کی تُزک۔

اپنے کارنامے کس کو پیارے نہیں لگتے؟ تاریخِ عالم میں سرزد ہوئی غلطیاں بھی خالی از لُطف نہیں۔ آج جو ابدھی سے بلا بجا کر تم اُن سے سن لے سکتے ہو۔ یہ نہ کہنا کہ واشنگٹن۔ چارلس اعظم۔ قیصرِ روما۔ میکاڈو وغیرہ کے تجربے بھلا میرے ساتھ کیا تعلق رکھ سکتے ہیں؟ چھپ کر رونے والی ہندوستان کی عورت کی آنکھ سے ٹپکتا ہُؤا آنسو کا موتی جو کسی نے بھی گرتے نہیں دیکھا۔ اُسی قانون (کشش ثقل) کا مظہر ہے۔ جیسا آسمان میں ٹوٹتا دوڑتا ہُؤا تارا سب کو نظر آنے والا شہاب ہے۔ شاہی قلعوں میں اور اندھی بُڑھیا کے جھونپڑے میں دِل کی خواہشیں تو ایک جیسی ہیں اور اندرونی رنج و راحت بھی ایک جیسے۔ اور قانونِ کامیابی بھی ایک ہی ہے۔ اِس ایک قانون کو جان لیا تو تم گویا تاریخِ عالم کو جان گئے ہ

اِس لاء (قانون) کو عملی طور پر سب مذہبوں نے جانا۔ لیکن علمی بنیاد صرف ویدانت نے قائم کی ہ

علم کے خزانے میں کوئی تازہ خبر اسکے لئے نہیں۔ چھاندوگ اُپنشد میں قدیم بزرگوں نے اِس عرفان کو پاکر یوں کہا۔

"آج سے کوئی ہم کو ایسی بات نہیں بتا سکتا جو ہم پہلے سے نہ جانتے ہوں۔ ایسی خبر کوئی نہیں لا سکتا جو ہم کو پہلے سے معلوم نہ ہو۔ ایسی کوئی چیز نہیں دکھلا سکتا جو ہم نے پہلے نہ دیکھی ہو۔ کیونکہ اِس عرفان کے پانے سے سب ان دیکھا دیکھا گیا۔ سب بے سُنا سُنا گیا۔ سب نہ جانا ہُوا۔ جانا گیا۔"

ایسے عارف کا ثانی (غیر) ہے ہی نہیں۔ تو اُس کے آگے دم کون مارے؟ سابا تو اُن کے لئے ہے جو اُس عرفان سے بے بہرہ ہیں اور بذنیوچہ پارہ کی طرح منفرار ہیں۔ ایسے لوگ خالی عِلماً اور عقلاً ویدانت پڑھ کر دریائے معاصی اور قُلزُم غم کو عبور نہیں کر سکتے۔ شوک (غم و غصہ) کو آتم وِت (عارفِ حق) پار جاتا ہے۔ وید کی سلائی ہُوئی کسوٹی (محک) ان کو زرِ خالص نہیں ثابت کرتی۔ پس کامل صفائی کے لئے۔ اور پوری طرح میل اور ملاوٹ اُتارنے کے لئے دھندوں کی آگ میں پڑنا اور کرم (افعال) کے تیزاب میں سے گزرنا بیجا نہیں ہے۔

ع قدرِ عافیت کسے داند کہ بہ مصیبتے گرفتار آید

جس سے وید نکلے ہیں اُسی سے دنیا کا اظہار ہے۔ پس وید (شُرتی۔ ویدانت) کی تعلیم تو کچھ اور ہو اور زندگی کے کڑے تجربے کچھ اور تبعین دیں یہ کبھی ممکن نہیں۔ دونوں ایک دوسرے کے معاون ہیں۔ جو کچھ عِلماً اور عقلاً شُرتی (ویدانت) کا اپدیش ہے وُہی عملاً مکتبِ زندگی میں سبق ملتا ہے۔

کیا تمہارا وسواس (اغفان) ویدانت تتو (تلقین حقیقت) پر اتنا ہی کچا ہے کہ واقعاتِ زندگی سے اِس کو ضرر پہونچنے کا اندیشہ ہو گیا؟ ذرا سنبھل کر دیکھو۔ کوئی طاقت ویدانت کے مخالف نہیں ہے۔ کوئی مذہب ویدانت کا دشمن نہیں۔ کوئی فلسفہ یا سائنس اسکا حریف نہیں سب خادم ہیں خادم۔ البتہ بعض تو دانستہ خادم ہیں اور بعض نادانستہ اگر عام لوگوں کو پہلے کی طرح وہ بیکنٹھ اور سورگ کے لالچ آج کھینچتے ہی نہیں اور نہ سورگ لوگ کے حصول کے مناسب کرم (افعال) بلکہ جسمانی فاقہ سے بچنے کی خواہش زیادہ غالب ہے۔ یا دُنیا کے آرام زیادہ دلکش ہیں یا اور سب طرح سے بھی اُنکے ارادے اور مطلوب بدل رہے ہیں تو کہئے کیا یہ نام روپ کے احاطہ کے نمودی اشیاء ایک ہی (ہریک حال) بھی رہ سکتی تھیں۔ اِن کو قائم دائم رکھنے میں کوشش کرنا تو نمود بے بود میں دِل لگانا ہے یعنی اسماء و اشکال کو آتما کی سنان دینے کی حد ہے:

ع کوشش بیہودہ است وسمہ برابروے کور۔

ہندو شاستر کی اصلی تلقین کرم کانڈ کی صورت کو ابدی بنانے میں نہیں ہے بلکہ ابدی آتما کو ہر صورت میں اور ہر کرم میں۔ ہر موسم اور زمانہ (رنگ) میں انوبھو (حق الیقین) میں لانا ہے۔ پس آج بربول نارو جھاڑوں کلوں سے دویش (دشمنی) چھوڑدو۔ اگر رات ہے تو رات کیساتھ مت لڑو۔ بلکہ اسی رات میں دیپک جلادو۔ اماوسیا (شبِ ظلمت) کو دیوالی (دیپ مالا) کی رات کردو۔ چراغاں کا عالم کردو۔ جب دن آیا تو رات بھی آئے گی۔ اور یہ تو کہو۔ رات کس بات میں دن سے بُری ہے۔ دِن

ہیں اگر ایک قسم کی خوبی ہے تو ذات میں دوسری قسم کا شکوہ۔ بداس سے فائدہ اُٹھانے والا چاہیئے۔ کلنگ اگر بُرا ہے تو صرف اُسکے لئے جو اُسکو رہیم دیکھے (وہ مدار حق) کا ذریعہ نہیں بنانا۔

یہ آتما کو محدود بنانا یا مد اِسم و شکل بیں لانا نہیں ہے بلکہ جسم و اِسم کی محدودیت کو اُڑانا ہے۔ خواب میں بھیانک شیر وغیرہ کا مُقابلہ ہو تو جاگ آجاتی ہے۔ خواب ہی کا شیر خواب کے سارے اشیاء کو کھا جاتا ہے۔ لُوہے کو لُوہا کاٹتا ہے۔ پر دردحب ایک دفعہ بھی اپنا جسم سارا ہندوستان دیکھیگا۔ تو چھوٹے سے جسم کی قید میں جی نہ لگے گا۔ دائرہ وسیع ہو جائیگا اور رفتہ رفتہ حظِ مستقیم مدار بن جائیگا۔ بھُومکا چڑھ جاتی گی۔

اچھا جی کچھ بھی کہو رام تو ہر رنگ میں رمتا رام ہے۔ ہر جسم میں پران ہے۔ ہر پران کی جان ہے۔ سب میں سب کچھ ہے۔ بر اسوقت قلم بن کر لکھ رہا ہے۔ سورج بنکر چمک رہا ہے۔ گولی گنگی (جس کو لوگ شری گنگا جی کہتے ہیں) بن کر گا رہا ہے۔ برہت بن کر سبز دوشالے اوڑھے کمبھ کرن کی طرح پیر پسارے سششپتی (خواب غفلت) میں لیٹ رہا ہے۔ مگر اپنی ایک صورت بہت ہی زیادہ بھاری ہے۔ بس ہُوا ہُوں بے حس و حرکت بیجاں Everything is helpless besides me; I the only motive power, not a leaf can fall without my power (ستا) میری ستا (وتّ) بائے بغیر پتا نہیں ہل سکتا مجھ بن سب کچھ دیمک (سسری) کی طرح سو جاتا ہے۔ جلی ہُوئی رسّی کی طرح ڈھٹے

(گر) جاتا ہے تمام بگڑنے لگا۔ میں کس کو الزام دوں۔ میرے بغیر اور
پچھ ہو ہی کب۔ برہما۔ دستو۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

او موت۔ بیشک اُڑادے اس ایک جسم کو۔ میرے اور اجسام ہی
مجھے کم نہیں۔ صرف چاند کی کرنیں۔ چاندی کی تاریں پہن کر چین سے کاٹ
سکتا ہوں۔ پہاڑی ندی نالوں کے بھیس میں گیت گاتا پھروں گا۔ بحر
مواج کے لباس میں لہراتا پھروں گا۔ میں ہی بادِ خوش خرام نسیم
مستانہ گام ہوں میری یہ صورت سیلانی ہر وقت روانی میں رہتی ہی
اس روپ میں پہاڑوں سے اُترا۔ مرجھانے پودوں کو تازہ کیا گلوں
کو ہنسایا۔ بلبل کو رُلایا۔ دروازوں کو کھڑکھڑایا۔ سوتوں کو جگایا۔
کسی کا آنسو پونچھا۔ کسی کا گھونگھٹ اُڑایا۔ اس کو چھیڑ۔ اُسکو چھیڑ۔ تجھکو چھیڑ
وُہ گیا وُہ گیا نہ کچھ ساتھ رکھا نہ کسی کے ہاتھ آیا۔

سوامی جی کے دیگر قلمی نسخے — اَیسے ملک الموت کے نام مذکورۂ بالا لکھا ہوا حسکم
پڑھ کر ہم ہردو کے کُل وہم و گمان کافور ہو گئے
اور دل کے سب دُکھڑے ملیا میٹ ہو گئے۔ چت ٹھکانہ پر آگیا۔ ملک جسم
رام کی رحلت کر جانے کا واقعہ بھی بھول گیا۔ اب عقل کا اول بن کہاں؟
جس قدر زور سے دل پژمردہ ہوکر ویدانت سے کچھ اُداس ہو رہا تھا
اُس سے بھی دُگنے زور سے اب محظوظ ہوکر ویدانت کی سچائی کا مداح
و عاشق ہونے لگ پڑا۔ اس طرح جب دل نے واقعی شانتی پکڑی۔ تو
پھر سب صندوق سوامی جی کے یکے بعد دیگرے باغور دیکھنے کے لئے

* اس کُل مضمون کی اصل کاپی جو رام کی دستی لکھی ہوئی ہے۔ شری رام تیرتھ
پبلیکیشن لیگ لکھنؤ کے دفتر میں موجود ہی۔ رام پیارے جو چاہیں انند سے اسکا دیدار کر سکتے ہیں

کھو دئے گئے۔ علاوہ مسنون مطالع شدہ اور نئی کتب کے اُن تمام انگریزی لیکچروں کی ٹائپڈ کا بیان بھی بکلیں کہ جو سوامی جی ممدوح نے امریکہ میں اپنے عرصہ قیام میں وہاں مختلف جگہوں میں دئے تھے۔ اور تو سب کتب وغیرہ نارائن ہی کے پاس محفوظ رہے مگر یہ تمام قلمی نسخہ جات یعنی انگریزی لیکچروں کی کاساں پیارے پُورن جی برائے ترتیب و اشاعت نارائن سے لیکر اپنے ہمراہ لاہور لیگئے۔ اور محض اُردو کا آخری قلمی نسخہ (یعنی مضمون خود مستی و مسلک عروج) برائے ترتیب و صاف نقل نارائن کے پاس رہا۔ جو بعد ازاں زمانہ وغیرہ رسالہ جات کو بھیجا گیا:

قلمی نسخوں کے لئے تردّدِ اشاعت۔

اُن قلمی نسخوں کو لیکر پیارے پُورن جی جب لاہور پہنچے تو اُسکے تھوڑے ہی عرصہ بعد اُن کو ڈیرہ دون میں ایک صابن کے کارخانہ چلانے کی شراکت مل گئی۔ اور بعد ازاں وہ وہاں کے فاریسٹ کالج میں عارضی ملازم ہو گئے جس سے وہ ڈیرہ دون ہی میں رہنے لگ پڑے۔ سوامی جی کی انگریزی تقریروں کے مرتب و طبع کرنے کے لئے فنڈ کی اپیل پبلک میں کرنا ہمارے پُورن جی نے واجب نہیں سمجھا تھا۔ اور نہ وہ خود کسی پیارے کو زر کی مدد کے لئے تیار کر سکے۔ لہذا نارائن کی معرفت ڈیرہ دون میں روپیہ کا انتظام کیا گیا۔ لالہ بلدیو سنگھ صاحب رئیس و بابو جوتی سروپ صاحب پلیڈر و پریذیڈنٹ آریہ سماج ڈیرہ دون و دیگر ایک دو اور بھگتوں نے ملکر اس پبلیکیشن کے لئے سب خرچ برداشت کرنے کا ذمہ اپنے اُوپر لے لیا۔ اور پیارے پُورن جی نے اِن تقریروں کو مرتب کرکے شائع کرنے کی ذمہ داری

اپنے کندھے پر لے لی۔ مگر اس انتظام کے چند ماہ بعد ہی پورن جی کی مذکورۂ بالا اصحاب میں سے ایک دو کے ساتھ کچھ اَن بن سی ہو گئی۔ جس سے سب انتظام ڈھیلا پڑ گیا۔ اور پورن جی نے ایک برس ایسے ہی گزار دیا۔ جب بعد ایک برس ایکانت سیون کرنے کے نارائن نیچے میدانوں میں اُترا تو پورن جی نے اپنی ناکامیابی کا حال سُنا کر وہ سب کام نارائن کے ذمہ سونپ دیا اور آپ بوجہ تنگیٔ وقت وزر وغیرہ کے اِس اہم و ضروری کام سے دست بردار ہو گئے۔ اور اِس طرح ۱۹۱۰ء کے شروع میں کل نسخہ جات نارائن کے حوالہ واپس کر دیئے۔ نارائن نے بھی کل تقریروں کو پورن جی سے لے کر ان کی اشاعت وغیرہ کا کل بوجھ قدرت پر پھینک دیا۔ اور بغیر کسی طرح کے فکر و خیال کے اُن قلمی نسخوں کو نارائن اپنے دورہ میں برائے مطالعہ ساتھ ساتھ لئے پھرتا رہا۔ مئی ۱۹۱۰ء میں شملہ پہاڑ کو جانے کے خیال سے نارائن کو کالکا کے نزدیک مہاراجہ صاحب بہادر والئے ریاست پٹیالہ کے پنجور باغ میں ایکانت رہنے کا اتفاق لگا۔ باغ نہایت ہی عمدہ تھا اور اس میں ایک مکان شیش محل کے نام سے مشہور ہے جس کے اوپر نارائن کی رہائش ہوئی۔ اُن دنوں دہلی کے ماسٹر امیر چند جی ملنے اور ست سنگ کرنے کے خیال سے کچھ عرصہ تک وہاں آکر نارائن کے پاس ٹھہرے۔ درمیان ست سنگ کے انہیں سوامی رام کی کچھ قلمی تقریروں کے سننے کا اتفاق لگا۔ آپ اُن ناصاف تقریروں سے ایسے محظوظ ہوئے کہ آپ نے اُن نسخہ جات کا کچھ حصّہ یعنی محض ۵۰۰ صفحے کی جلد کو چھاپنے کے لئے نہ صرف استدعاء و تاکید کی بلکہ اُس جلد کے چھاپنے وغیرہ کل خرچ کا بوجھ بلا کسی درخواست

اسنے آپ اپنے اوپر لینے کی خواہش ظاہر کی اور قریب لاگت خرچ پر اس جلد کو لوگوں میں بانٹنے کا ذمہ لیا۔ اس طرح جب انکی مدد اور حوصلہ افزائی سے جلد اوّل مکمل چھپ گئی۔ تو جلد اوّل کے مکمل ہونے پر ماسٹر صاحب نے یہ خواہش ظاہر کی کہ "مجھے رام کے کلام کے شائع ہونے کی ازحد خوشی ہوئی ہے۔ اگر آپ جلد ہذا بہت جلد لوگوں میں محض لاگت خرچ پر فروخت کرا دینگے تو میں وصول شدہ رقم کو ہرگز اپنے استعمال میں نہیں لاؤں گا۔ بلکہ فوراً کلام رام کی دوسری جلد کے شائع کرنے میں صرف کردوں گا۔ اور اگر اسی طرح آپ (نارائن) کی مدد سے جلدوں کے فروخت ہونے پر وصول شدہ رقم سے کل کلام رام سلسلہ وار شائع ہوکر پبلک میں پہنچ جائیگا۔ تو میں اپنے آپ کو نہایت خوش قسمت سمجھوں گا"۔ ماسٹر صاحب کی اس دلی خواہش سنتے ہی نارائن کی طرف سے لوگوں کو بذریعہ پرائیویٹ خطوط اطلاع دی گئی کہ وہ جلد اوّل کی کل کاپیوں کو محض لاگت قیمت پر فوراً خرید لیں تاکہ رقم کے وصول ہونے پر دوسری جلد بھی اسی زر کی مدد سے مطبع میں دیجائے۔ اس اطلاع پر رام پیاروں نے محض دو ہفتوں کے اندر اندر قریباً ۷۰۰ جلدیں خرید کرکے ماسٹر صاحب کی بڑی حوصلہ افزائی کی۔ اور کلیات رام کی دوسری جلد اس طرح چند ہفتوں کے اندر ہی اندر برائے اشاعت مطبع میں دے دی گئی۔ اس طرح تیسری جلد دوسری جلد کے شائع ہونے کے فوراً بعد حوالۂ مطبع ہوئی۔ اور یہی کیفیت چوتھی جلد کے ساتھ گزری۔ اس طرح ماسٹر صاحب کی ہمت اور رام کی کرپا سے اس کل اشاعت کا اہم کام تکمیل پاگیا۔ اور آج تک چار جلدوں میں یہ کل تقریرات

ہے؟ میں نے عرض کی "مہاراج! پہلے تو آج دیپ مالا (دیوالی) ہے۔ دُوسرے سنکرانت اور تیسرے اماوسہ۔ اس لئے ایسے پرب کے دن میں اسنان کرکے ہی بھوجن کروں گا"۔ کچھ دن سے سوامی جی کے پاؤں پر ورزش کرتے وقت ایک پتھر سے چوٹ لگی ہوئی تھی۔ اِس لئے وُہ اوپر گنگا جل منگوا کر اشنان کرا کرتے تھے۔ مگر میرے اِس جواب کے سُننے پر اُنہوں نے بھی اُوپر کمرے میں جل منگوا کر اشنان کرنا نہ چاہا بلکہ مُسکراتے ہُوئے کہا کہ "او ہو! آج آپ کے ہماری پرب کا دن ہے۔ سنو چلو! آج رام بھی گنگا کنارے جاکر اشنان کریگا۔ آؤ ہم دونوں اکٹھے ہی چلیں"۔ اس طرح اِن کاغذات کو میز پر چھوڑ کر سوامی جی گنگا کنارے اشنان کرنے کو چل دیئے۔ اور مَیں بھی بموجب حکم ہمرکاب ہو لیا۔ جس کے چند منٹ بعد رام کے بہہ جانے کا حادثہ ہُوا۔

باعثِ غرق در آبِ گنگ رسوئیا کے بیان سے صاف ظاہر ہو رہا ہے کہ بروقت تحریرِ مضمون مذکور سوامی جی کے دل کی عجیب حالت تھی۔ لیکن اِس عجیب حالت کی صرف یہی وجوہات ہوسکتی ہیں وُہ یہ۔ کہ (۱) تو نہایت کمزور لاغر بدن کو کسی کی خدمت کے کار آمد نہ دیکھ کر دل اُس سے ایسا منحرف ہوگیا تھا، کہ اُسکے ساتھ کسی طرح کا تعلق رکھنے کو تیار نہیں ہوتا تھا۔ جس سے موت کو رام نے خود بُلایا اور شریر کو اُڑا دینے کی اجازت دی۔ اور (۲) رام کے اندر نجانند (ذاتی سُرور) کا بحر اتنا اُمڈا ہُوا تھا کہ دُنیوی آنند اُسکے سامنے ہیچ نظر آتا تھا۔ جس کے سبب رُجحانِ دِل دُنیا (مادہ مٹی) سے قطعی ہٹ گیا تھا۔ اور دُکھوں کی کان روپ جسم کے ساتھ اب تعلق رکھنا اُس کے لئے

دُودبھر سا ہو گیا۔ جس کے باعث رام نے موت کو بلوا کر جسم کو اُڑوانا چاہا اور یا جیسے شری سوامی سنکر آچاریہ جی نے واجب سمجھ کر اپنے جسم کو جان بُوجھ کر ارادتاً ہمالیہ کی برفوں میں گلا دیا تھا۔ اسی طرح سوامی رام نے بھی اپنے جسم کو لاغر و ضعف دیکھتے ہُوئے مناسب موقعہ پاکر اُسکو ارادتاً حوالۂ گنگ کر دیا۔ اگرچہ لہروں کے قابو سے نکلنے کی کوشش کرنا اِس آخری نتیجہ کو پایۂ ثبوت تک نہیں پہنچاتا۔

خیر نتیجہ خواہ اب کچھ ہی نکالا جائے۔ رام مہاراج کا یہ نہایت مُقدس جسم عَین دیوالی کے دن یعنی ۱۷ اکتوبر ۱۹۰۶ء مطابق کاتک بدی اماوس سمت ۱۹۶۳ دوپہر کو مہاراجہ صاحب ٹہری کے "سِملاسُو" باغ کے ملے بھِلنگو گنگا میں بہہ گیا۔ اور سب کو فرقتِ جاودانی دے گیا:

سوامی رام جی کی نعش بوجہ سرد جل و موسم سرما کے سوامی جی کا جسم پانی میں جلد پھُول کر باہر نہ نکل سکا۔ حالانکہ پانی بھِلنگو گنگا کا اُس بڑی گنگا بھاگیرتھی کے جَل سے قدرے گرم تھا۔ تاہم نعشِ رام ایک ہفتہ کے بعد سطح آب پر تیر آئی اور بمُشکل تمام ندی کے بیچ سے کنارے پر لائی گئی جسم بالکل حالتِ سمادھی میں تھا۔ ہر دو بازو ایک دُوسرے پر آلتی پالتی لگائے ہُوتے تھے۔ آنکھیں بند۔ گردن کھڑی اور سیدھی منہ اوم بولتے بولتے کھُلا ہُوا۔ ہُو بہُو ایسے کھُلا ہُوا جیسے دورانِ گفتگو یا لوگوں کے سامنے لیکچر میں اوم بولنے وقت کھُلا کرتا تھا۔ گویا اُس وقت بھی رام مُنہ سے اوم بولتے نظر آرہے تھے۔ اور ٹانگیں ایک دوسرے پر ٹیڑھی کی ہُوئی تھیں۔ باوجود آٹھ دن تک پانی میں غرق رہنے کے جسم آبی جانوروں سے بچا رہا۔ اِس بھولی بھالی شِو سمادھی

کی حالت میں نعش کو پاکر سب لوگوں نے اوم کا نعرہ لگایا۔ اور پھر ایک بڑے صندوق میں بند کرکے اُسے بڑی گنگا (بھاگیرتھی) کے حوالے کر دیا:

ریاست کے سب دفتر بند مہاراجہ صاحب بہادر ٹیہری جن کو کہ سوامی جی مہاراج سے ازحد محبت اور بھگتی تھی اور جنہوں نے سوامی جی کے بہہ جانے کی خبر سُنکر اپنا افسوس کیا تھا کہ اُس دیوالی کی رات کو اپنے محل میں گھنٹوں تک دیپ مالا بند رکھی تھی۔ جب نعش پانی سے باہر نکل آئی اور ایک ارتھی (لمبے صندوق) میں بند کرکے بھاگیرتھی گنگا کے کنارے لیجائی جانے لگی۔ تو اُنہوں نے اپنے سب دفتر اُس روز بند کر دیئے تاکہ سب لوگ جو رام سے سچا عشق رکھتے تھے اِس آخری موقع پر رام کے درشن کرنے سے محروم نہولے پاویں۔ اِس طرح اس چھوٹے سے قصبہ (ٹہری) میں بیسیوں آدمی مارے عشق کے نعش کو کندھے پر اُٹھائے ہُوئے اور خوشی سے اوم کا نعرہ اُچارن کرتے ہُوئے بڑے جلوس کے ساتھ اُسے بڑی گنگا۔ بھاگیرتھی کے کنارے لے آئے اور موجب طریقہ سنیاس آشرم نعش کے صندوق میں پتھر بھر کر۔ اُسے دوبارہ حوالۂ گنگ کر دیا:

نعش کا صندوق سے نکل جانا رام کی نعش کو ایک صندوقچے میں بند کرکے دوبارہ حوالۂ گنگ کرنے وقت غلطی یہ ہُوئی کہ پتھر صندوق سے باہر لٹکائے جانے کی جگہ صندوق کے اندر رکھدیئے گئے۔ جس سے صندوق گنگا جی میں ڈوبنے نہ پایا بلکہ تیز بہاؤ کے ساتھ بہنے لگ پڑا اور گنگا گھاٹ سے کوئی سو فیٹ کے فاصلہ پر جاکر ایک

بڑی چٹان سے جو جل کی تیز دھارا کے بیچ میں تھی اٹک گیا۔ بمشکل نام نارائن اپنی جان کو ہتھیلی پر رکھ کر اُس خطرناک جگہ پر پڑ کر چلا گیا۔ جب صندوق کو اُس چٹان کی روک سے ہٹا کر پانی کی دھار میں ڈالنے لگا تو صندوق اُلٹ کر پھٹ گیا۔ جس سے نعش معہ پتھروں کے باہر نکل کر وہیں جل میں پتھروں کے تلے دب گئی۔ سب نے کہا رام کی ایسی ہی خواہش مدت سے تھی۔ ہم لوگوں نے تو بفائدہ اُسے صندوق میں بند کرنے کی تکلیف اُٹھائی۔ رام تو اِسی قدرتی حالت میں گنگا کی لہروں پر سواری کرنا چاہتے تھے۔ اِسی حالت میں گنگا سے وصل کرنا اور اُس کی مچھلیوں کی خوراک ہونا انہیں بھاتا تھا۔ اِسی لئے رام نے کئی بار اپنی نظم و نثر میں یوں تحریر فرمایا تھا ۔ "تریاں لہراں رام اسوار۔ گنگا رانی"۔

Come fish, come dogs, come all who please
Come powers of nature bird and beast,
Drink deep my blood, my flesh do eat,
O come, partake of this marriage-feast.

گنگا تنھوں صد بلہارے جاؤں (ٹیک)
ہاڑ چام سب وار کے پھینکوں یہی پھول بتاشے لاؤں
من تیرے مندرن کو دیوُوں۔ بدھ دھارا میں بہاؤں
پاپ پُن سبھی سلگا کر۔ یہی تیری جوت جگاؤں
تجھ میں پڑوں تو تو بن جاؤں ایسی ڈبکی لگاؤں
رمن کروں ست دھارا ماہیں نہیں تو نام نہ رام دھراؤں

رام بادشاہ اپنے اس وصل سے پہلے کئی دفعہ یہ بھی لکھ چکے تھے۔ کہ اگر رام کے حرفوں میں گنگا نہ بہی تو رام کا جسم گنگا میں ضرور بہے گا۔ مگر اہاہا ویدانت کے شیر رام نے دونوں باتیں عملاً سچ کر دکھائیں۔ شک و شبہ کی گنجائش باقی نہ رہی۔ اپنے پاؤں سے دُنیا کے تختے پر پھر کر اُمڈتی رُوحی گنگا کو اِنسان کے دِلوں میں بہا دیا۔ اور لاکھوں آدمیوں کو علاوہ اپنی طاقتِ گویائی کے اپنی مثال دکھا دی۔ اور جسم کو۔ ہڈیوں کو۔ گوشت پوست کو گنگا میں مچھلیوں کی بھینٹ کر دیا۔

جِسم رام کی فُرقتِ دائمی پر اظہارِ افسوس کے جلسے۔ جِسم رام کے ناگہانی رحلت کر جانے کی خبر آناً فاناً ہندوستان اور دیگر ممالک میں پھیل گئی۔ اکثر پاٹھشالائیں اور اسکول اُس وقت بند ہو گئے۔ مختلف شہروں میں ماتم کے جلسے کئے گئے۔ تمام اخبارات نے بلا لحاظ مذہب و مِلّت کے سوامی جی کی اُس فُرقتِ دائمی (ناگہانی موت) پر افسوس صد افسوس ظاہر کیا۔ لاہور میں ایک عظیم الشان جلسہ مشن کالج کے وسیع حال میں ہُوا۔ مجمع اِسقدر تھا کہ ہال سے باہر دروازوں میں بھی کھڑے ہونے کو جگہ نہ تھی۔ کئی لوگ تو کھڑے ہونے کی جگہ نہ پاکر مایوس ہُوئے واپس لوٹ گئے۔ جلسہ میں ہندو مُسلمان اور عیسائی بزرگوں نے یکساں ماتمی تقریریں کیں۔ پیارے پُورن جی کی بھی چند منٹ بڑی دلسوز تقریر زار و قطار روتے ہُوئے ہُوئی تھی۔ کالج کے پرنسپل ڈاکٹر یوِنگ بھی دورانِ تقریر میں رو پڑے فرمایا کہ پروفیسر تیرتھ رام نے معمولی زندگی سے لیکر زندگی کے آخری مرحلے سنیاس تک صرف اپنی سعی و کوشش سے اپنے آپ کو پہنچایا میرا

یہی ایک شاگرد اعلیٰ ہے - جس نے دُنیا میں اپنی تعلیم کا عملی پہلو دِکھایا ؛

ہندوستان کے سینکڑوں شہروں کے علاوہ جاپان و امریکہ میں بھی (وفاتِ رام پر) ماتم کے جلسے ہوئے - حقیقت میں مہاپرش وہی ہیں جنکی ثنا میں تمام مذاہب ایک زبان ہوں - امریکہ سے سنت نہال سنگھ جی لکھتے ہیں کہ سوامی رام تیرتھ نے اپنی فصاحت و بلاغت و خوشگوار تقریروں سے امریکہ میں سوامی وِویکانند کے بعد ایک خاص حلقہ پیدا کیا - گو سوامی رام رحلت کر گیا ہے - مگر جاپان و امریکہ میں اپنے معتقدوں کے دِل میں آخر دم تک زندہ رہیگا - مسز ولیمن سوامی جی کے دیہانت کی خبر پاکر امریکہ سے لکھتی ہیں کہ پیارے پورن کا مضمون پنجاب کے مہاتما سوامی رام کے بارے میں بڑی دلچسپی سے پڑھا - اور پریم کی آگ میرے دِل و جان میں بھڑک اُٹھی - ایسا معلُوم ہوتا ہے کہ پیارا اور پوتر سند اوم رام کے مکھار بند (دہانِ مبارک) سے اُچارن ہو رہا ہے - اور یہ آواز نکل رہی ہے "میں مر نہیں سکتا - میں مرا نہیں ہوں" اندر کی زندگی (آتما) کا جاننا ہی آنند کا جیون ہے - رُوح تو صرف روح ہی کو جانتی ہے - دلش اور کال یعنی زمان و مکان موت تک جھاگ کھڑے ہوتے ہیں ؛

"رُوح بڑے شوق کے ساتھ اُس ایک بڑی حقیقت کی طرف ٹکٹکی باندھے دیکھ رہی ہے - مہاتما رام کا یہ اُپدیش ہے (جب میں اُن پیارے خطوں کو جو میرے پاس رام نے وقتاً فوقتاً بھیجے تھے دیکھتی ہوں تو میرے دِل و دماغ میں تازگی آجاتی ہے) اِن انمول چٹھیوں میں بہت کچھ

ہے۔ لکھے ہوئے لفظوں سے بہت زیادہ ہے۔ اِن میں سے وہ روح جھلکتی ہے جو میرے کُل وجود کو صفتِ مطلق سے منوّر کر رہی ہے۔ سوامی رام کے انمول نثر میرے سنساری (دُنیوی) مارگ (راستہ) میں روشنی کا کام دیتے ہیں۔ اور مجھ میں اور میرے چاروں طرف ایک پرم کی نظر سی پیدا کر دیتے ہیں۔ کیسے مبارک وہ دست و دماغ تھے جنہوں نے اُن کو لکھا دیکھا۔ روح کا کام اسی بات سے ہے کہ محسوس تو ہو مگر بیان میں نہ آسکے۔ رام کے خطوط اُس حقیقت کے خاموش پیغام ہیں۔ جو روح میں خوشی کی سنسناہٹ سے ہلچل مچا دیتے ہیں۔ وہ پردے کے پیچھے سے بول رہے ہیں۔ اُس روح کے اندر سے (جس نے دُنیوی زندگی سے قطع تعلق کر دیا ہے) باتیں کر رہے ہیں۔ اُسنے ایسی سادہ (سادھارن) زندگی بسر کی کہ وہ ہمیشہ کے لئے عالمگیر زندگی کا مظہر ہو گیا ہے۔"

اگر مجھے خواہش ہے تو یہ ہے کہ اُس مبارک حقیقت کو جسے رام نے سکھلایا اور اپنے جیون (عملی زندگی) میں دِکھلا کر دکھلایا اُسے یعنی رام کی کتھنی اور کرنی کو) زیادہ سے زیادہ جانوں۔ اے میرے اِدھر اُدھر گھومنے ہوئے سنکلپوں (خیالوں) تو تُو جب تک کہ اوم میں لَے نہ ہو جاؤ۔ جیُوں جیُوں ہم اِس قانونِ الٰہی (خدا) کو سمجھتے جاتے ہیں۔ تیُوں تیُوں راز کھلتے چلے جاتے ہیں۔ جب کبھی میں ایسی باتیں پوچھتی تھی تو مہاتما رام یُوں کہا کرتے تھے۔

"ماتا! ان باتوں کو جانے دو ہم تو البنور یعنی ست کو جاننا چاہتے ہیں جب ہم البنود کو جانیں گے تب آپ کو پہچانیں گے۔ اور جب آپ کو

جانیں گے تب ہی ایشور کو پہچانیں گے۔"

"اے پیارے ہندوستانیو! دو برس یا کچھ اوپر کا زمانہ جو ہیں نے آپ لوگوں کے ساتھ گذارا ہے اُسکی پیاری یاد میرے لئے متبرک ہے۔ کوئی دُنیوی تعلقات میری زندگی میں ایسے نہیں ہیں کہ جن کا اُسوقت کے تجربہ سے مقابلہ کیا جاوے۔ مغرب جو کچھ ہے اسکی ایک رُوح نے مادرِ ہند کے گرمجوش سینہ پر آرام کیا اے میرے ہند کے پیارو! پریم کرو۔ چاہے ہمارے جسم اِس کرۂ زمین کے مختلف اطراف میں چلے ہی کیوں نہ جائیں۔ پر ہماری رُوحیں لامحدود محبّت و معرفت کی برکتیں یعنی اننت پریم و گیان میں ملتی رہیں۔ یہ افسوس کی بات ہے کہ ہزاروں میں صرف شاید ایک سچائی کے لئے کوشش کرتا ہے۔ اور کہیں کہیں ایک آدھے ایسے دکھلائی پڑتے ہیں جو ہمارے عالی ہمّت رام کے کچھ کچھ مشابہ ہوں۔ میں ہندوستان میں کچھ ایسے آدمیوں سے ملی جو سمجھدار تھے وُہ لفظوں کی تعریف نہ کرتے تھے بلکہ معنوں کی۔ اور اپنی خودی کو دُور کرکے کرم کو مقدم سمجھتے تھے۔ اُنکی مشتعل رُوحیں مُردہ ماضی کی اُلجھی ہُوئی پابندیوں کو توڑ چکی ہیں۔ ہم رُوحانی ترقّی اور انکشاف کے لئے اکثر دھیان میں بیٹھتے ہیں اور کبھی کبھی متبرک نِروان کے بارہ میں بات چیت کرتے ہیں۔ اور میٹھے آنند دایک اوم کو اُچارن کرتے کرتے اِس مبارک نِروان تک پہنچ جاتے ہیں۔ کیا یہ تعجب کی بات ہے کہ اگر مَیں اس مُلک کو پیار کرُوں جہاں جاکر مہا پوتر اور بہت ہی گہرا پریم میرے دِل میں پرگٹ ہو گیا! پیارے ہندوستانیو! ہم دِل میں تم سے ملتے ہیں۔ ہم آنند میں ہیں

بلکہ پریم مجسم ہی ہیں۔ میں ہمیشہ تمہارے ساتھ ہوں" (سُوریانند۔ عزت ابو۔ اے۔ وِلیمن از امریکہ (ممالکِ متحدہ)؟

امریکہ میں ڈینور کے کولارڈو اخبار نے حسب ذیل سطور سوامی رام کے دیہانت کے بعد شائع کی تھیں۔ ۔ وہ قدر و عزت جو سوامی رام کی امریکہ میں ہُوئی تھی۔ تھوڑی سی اس سے ظاہر ہوتی ہے "مہاتما سوامی رام کی دیہہ کا انت ہو گیا۔ اثر پیدا کرنے والی اور سنجیدہ رسوم سے اس بڑے ہندو کا جسم جسنے وحدت اور رُوحانیت کے پرچار کے لئے کوشش کی تھی منرک گنگ کے حوالہ کر دیا گیا۔ اِس مشرقی عالِم کے وُہ پیروکار جوکہ ڈینور اور مغرب میں رہتے ہیں انکو اِس ۱۷ر اکتوبر کے حادثہ کی خبر دہشت اثر معلوم ہُوئی۔ سوامی رام نئے خیالات کے اُستاد تھے۔ جبکہ آپ کا استقبال ڈینور کے گرجا گھر میں جنوری ۱۹۰۴ء میں ہُوا تھا آپ نے کئی لیکچر دیکر بہت سے آدمیوں کو اپنے مذہب و ملّت کی طرف راغب کر لیا تھا۔

اپنے پیروکاروں کی نگاہ میں وُہ مرا نہیں ہے۔ بلکہ صرف اُس کا جسم نہیں رہا ہے۔ مسز۔ الف۔ جی کریمر ڈینور کے رہنے والوں میں سے ایک ہیں جنھوں نے رام کی تعلیم سے بڑا لابھ حاصل کیا ہے۔ سوامی رام کے گزر جانے سے ہندوستان کا ایک بڑا بھاری خیرخواہ جاتا رہا۔ کیونکہ وہ اپنی تمام طاقت خرابیوں کے دُور کرنے میں لگائے ہُوئے تھے۔ جب وُہ ڈینور میں تھے تب اُنہوں نے یہ کہا تھا کہ میں نوجوان ہندوستانیوں کو اپنے امریکہ کی بڑی بڑی یونیورسٹیوں میں تعلیم دو۔ تو وہ خرابیوں اور اُنکے جھگڑوں کو ہندوستان میں سے دُور کر سکتے ہیں۔ آپ رسالوں

اور اخبارات کیواسطے مضامین لکھا کرتے تھے - اور بہت سی کتابیں بھی لکھی ہیں - کیونکہ سوامی رام انگریزی زبان میں بڑے ماہر تھے - تعلیم یافتہ اصحاب انکی موت کی خبر کو نہایت افسوس سے سُنیں گے - مغرب میں اُنکے پیرو بہت زیادہ ہیں - اور جن کا مدعا یہ ہے کہ موجودہ زندگی کے چال چلن کو سُدھارا جائے - مثلاً انرجی (طاقت) کا کم ضائع کرنا - جسمانی اور دماغی یعنی منٹل اور فزیکل کمزوری کا دُور کرنا - آوارگی جو حسد - غرور - بدمزاجی و دیگر بُرائیوں کی وجہ سے پیدا ہو گئی ہو اُس سے رہائی پانا وغیرہ - اُن کا مذہب قُدرت کا مذہب ہے - کیا تم نے دریاؤں کی بابت یہ کبھی سُنا ہے کہ یہ دریا ہندو ہے اور عیسائی نہیں ہے - سورج میں ذات پات - رنگ رُوپ یا مذہب و ملت کا کوئی بھید (فرق) نہیں رکھتا اور سُورج کی شعاعوں - ستاروں کی کرنوں - درختوں کے پتّوں - گھاس کے تنکوں بالُو کے ذرّوں - چینٹے - ہاتھی - بھنبنے - چوٹی - مردوں - عورتوں - اور بچّوں کے دلوں کو اپنا ہم مذہب کہکر پکارتا ہُوں : رام نے ڈینور میں اپنے خیالات کو سمجھاتے ہُوئے یہ کہا تھا کہ "میرا مذہب ایسا نہیں ہے جو نام رکھاوے - یہ قُدرت کا مذہب ہے - جبکہ رام ڈینور میں تھے تو اُنہوں نے مذہب کی تعلیم کے لئے درجے کھولے اور اُنکے بہت سے پیرو ہُوئے - جن کو یہ خبر سُن کر کہ اُن کا گُرو اب نہیں رہا بڑا صدمہ پہنچا ہے۔"

مہاتما منشی رام جی گورنر گوروکل کانگڑی ہردوار نے اپنے اخبار ستّ دھرم پرچارک میں تحریر فرمایا کہ "مجھے سوامی رام تیرتھ کے دیہانت سے بڑا بھاری دُکھ اِس لئے ہُوا کہ اِس وقت سچے تیاگی سادھوؤں کا قحط ہو رہا ہے - سوامی رام کی عزت کرنے والے راجے مہاراجے رئیس

بہت لوگ ہیں اور یہ ممکن ہے۔ کہ اُنکی کوئی یادگار بنا دیں۔ لیکن آریہ سماج کے ممبروں کو بھی باوجود اختلاف رائے کے سوامی رام تیرتھ جی کی یادگار قائم کرنی چاہیئے۔ (آپ کی رائے میں مؤلف) ویدک سدّھانتوں کو پورن رُپی سے نہ سمجھتے ہوئے بھی سوامی رام نے کام کرودھ لوبھ موہ کو جیتا۔ سو سوامی رام تیرتھ ہمارا بھائی تھا۔ اِس لئے آریہ سماج کے سبھاسد اُنکی یادگار بھی قائم کرسکتے ہیں کہ دھرم کے لکشنوں کو اپنے جیون میں سِدّھ کرنے کی کوشش کریں"۔

سوامی رام کے سچے بھگت بابو جیوتی سروپ پریزیڈنٹ آریہ سماج ڈیرہ دون۔ سوامی رام کے دیہانت پر تار بھیجتے ہیں کہ Rama's death is national death "سوامی رام کی موت قوم کی موت ہے"۔

آگرہ تواسی رائے بہادر لالہ بیجناتھ بی اے سابق جج لکھتے ہیں۔ "سچ تو یہ ہے کہ ہمارے زمانے کی گلستان خانہ ٹوٹ گئی۔ ملک میں برہم ودیا کا سورج چھپ گیا۔ ہماری بدقسمتی"؟

الغرض دنیا بھر کی سوسائٹیوں اور مذہب کے ہادیوں۔ لیڈروں اور اخبارات نے اِس عشقِ مجسم سوامی رام کے دیہانت پر آٹھ آٹھ آنسو بہائے۔ ہمارا جگر پارہ پارہ ہو رہا ہے۔ تاب نہیں کہ زیادہ لکھ سکیں۔ کہاں تک لکھے جائیں؛

ع ایک عالی دماغ تھا نہ رہا : دنیا میں اِک چراغ تھا نہ رہا
سچ تو یہ ہے کہ امریکہ کے پریزیڈنٹ کا رام سوامی کی درگاہ میں گھاس پر بیٹھے رہنا۔ باشندگانِ امریکہ کا رام کو زندہ عیسیٰ پکارنا۔ امریکہ سے

لبڈیوں کا رام کی ولادت گاہ میں محض بغرض زیارت آنا۔ جانا نی مذرسٹو کا ہفتوں اور مہینوں رام کے شگفتہ لب کے دیدار اٹھے کمروں میں کرنا درندوں چرندوں پرندوں پہاڑوں اور پانی کی لہروں تک رام کو ناز سے پیار کرنا۔ اِس امر کو پائہ وضاحت اور ثبوت تک پہنچاتا ہے کہ

۵ عشق جو رست کرامات نہو کیا معنی :۔ حسب ارشاد ہی سب بات نہو کیا معنی

جسم رام کے لواحقین یعنے متعلقین	سوامی جی مہاراج کے جل سمادھی لینے کے بعد سارے پُورن جی۔ پنڈت حریچی

لال اور رام کے بڑے صاحبزادے گوسائیں مدن موہن جی مُراری والہ گاؤں (ضلع گجرانوالہ) میں سوامی جی کے پتا کو یہ افسوسناک خبر پہنچانے گئے۔ رام کی بیوی برت اِستری اپنے قابل تعظیم شوہر کے دیہانت کی خبر سنتے ہی بے ہوش ہو کر گر پڑی۔ تھوڑی دیر بعد پانی وغیرہ چھڑکنے سے ہوش آیا۔ دیگر لواحقین یعنی رام کے پتا ماتا بھائیوں اور دیگر اہل شہر کو اِس افسوسناک خبر سے سخت رنج ہُوا۔ سوامی جی کے پتاجی نے فرمایا کہ اُنکو ایک جوتشی نے بتا گیا تھا کہ اسی مہینے (اکتوبر ۱۹۰۶ء) میں سوامی جی لوپ یعنی غائب ہو جائیں گے۔ جب سے رام کی جل سمادھی کی خبر اُن کے والد وغیرہ کو ہُوئی اُسی دن سے اُنکی پارسا دھرم پتنی اپنے رام کے دھیان میں محو رہتی تھیں اور اسا اوقات عالمِ محبت میں اُن پر بیہوشی کی حالت طاری رہتی تھی۔ آخر جون ۱۹۰۷ء میں اِس نیک دِل دیوی نے بھی اپنے پیارے شوہر کی جُدائی میں اِسی فانی دُنیا سے رحلت فرمائی۔ رام کے والد گوسائیں ہیرانند جی مہاراج نے ۱۹۰۹ء میں اِس دُنیائے دُوں کو خیرباد کہا۔ رام کی

سوتیلی ماتا کا اب پتہ نہیں حیات ہیں یا نہیں۔ رام کے بڑے صاحبزادے گوسائیں مدن موہن جی جو مرحوم مہاراجہ صاحب بہادر ریاست ٹہری کی پریجم بھری امداد سے ولایت تشریف لے گئے تھے اور تقریباً تین سال کی پڑھائی کے بعد امتحان مائننگ انجینئری پاس کر کے ۱۹۰۹ء میں واپس ہندوستان آئے تھے۔ اور کئی سال ریاست ٹہری و ریاست پٹیالہ میں مائننگ انجینئری کے عہدے پر ممتاز رہے۔ لیکن آجکل اپنے ذاتی کاروبار میں مصروف ہیں۔ اور چھوٹے صاحبزادے گوسائیں برہمانند جی بعد پاس کرنے بی۔اے۔ ایل۔ ایل۔بی کے کسی ریاست میں ملازم ہیں۔ رام کی ایک لڑکی بھی تھی جو مہلک بیماری تپ دق میں مبتلا ہو کر بہت ہی رہی ہوئے رحلت کر گئی ہے۔ اِس بھولی بھالی صورت والے دوسرے صاحبزادے (برہمانند) کو دیکھکر فوراً سوامی جی یاد آجاتے ہیں۔ رام کے بڑے سگے بھائی گوسائیں گورو داس اور چھوٹے سوتیلے بھائی گوسائیں موہن لال علاقہ سوات مالاکنڈ میں اپنے ججمانوں میں گھومتے رہتے ہیں :

قابلیت معمولی آدمی کے لئے رام مہاراج کی علمیت و قابلیت کا اندازہ کرنا بہت مشکل ہے۔ خصوصاً ایسے شخص کی قابلیت جو ہر علم و فن میں طاق ہو اور ہر مذہب و ملت کا آدمی جن کو قابل تقلید (ایکسل یکن) بزرگ تصور کرتا ہو۔ اُنکی تنا میں صرف اکیلا قلم بھلا کیا لکھ سکتا ہے؟ بات یہ ہے کہ رام بادشاہ کئی زبانوں کے بادشاہ تھے۔ فارسی و انگریزی کے علاوہ فرنچ اور جرمن زبانیں بھی آپ نے چند دنوں میں اپنے ہم مسافروں سے جہاز میں ہی سیکھ لی تھیں۔ اور صرف چند ماہ میں دنیا

آشرم و واسشٹ آشرم کے دورانِ قیام میں حد وبدوں کا مطالعہ بھی ختم کرلیا تھا۔ وہ لوگ جو پہلے یہ جانتے تھے کہ سوامی رام سنسکرت سے قدرے ناواقف ہیں۔ جب اُنہوں نے واسشٹ آشرم کی سکونت کے بعد رام کے درشن کئے تو سب انگشت بدنداں تھے کہ اتنے قلیل عرصے میں رام سنسکرت کے کیسے ماہر پنڈت بن گئے۔ بے شک جن کے اندر روشنی ہوتی ہے باہر کی چیزیں اُن کے پاس خود بخود بھی چلی آتی ہیں۔ یہ قانونِ قدرت ہے :

کلامِ رام | رام کے کلام کا اثر حرارتِ برقی کی طرح پڑھنے والے کے دِل میں سرایت کرجاتا ہے۔ رام کا کلام دِل میں ایسی جگہ پکڑتا ہے۔ کہ جہاں پڑھنے والا اُسے اپنا لیتا ہے۔ رام کا کلام دِل میں چٹکیاں لیتا ہے۔ اور ایسی تاثیر پیدا کرتا ہے۔ کہ پڑھنے والا تلملا اُٹھتا ہے۔ اصل بات یوں ہے کہ رام کے خیالات اور احساسات دلی جذبات کے سانچے میں ڈھل ڈھل کر قلم یا زبان سے باہر آتے ہیں۔ اِسلئے برقی طاقت پیدا کرتے ہیں۔ یا یُوں سمجھئے کہ رام کا کلام صغیر و کبیر کے لئے ایک آئینہ ہے۔ جس میں پڑھنے والے کو اپنی بُری یا بھلی تصویر ٹھیک دکھائی دیتی ہے۔ حاصلِ کلام یہ کہ ایسے مجذوب جامع جمیع جثمات و بزرگ اور عشقِ حقیقی کے رنگ میں رنگے ہُوئے عابد کا کلام دِل میں ایک نیا جوش اور ولولہ سا پیدا کر دیتا ہے۔ اور ہر ایک مطالعہ کرنے والا اِس سے ہزارہا سبق لے کر اپنی زندگی بہتر کر سکتا ہے :

عادات | رام کی طبیعت و اطوار سے ہر وقت شانتی برستی رہتی تھی۔ عادات کے بالکل سادے مگر ان میں لیکچر کے وقت ایسا جوش

ٹھہر جاتا تھا جیسے کوئی شیر بول رہا ہے۔ دو ڈھائی گھنٹے تک زبردست جوشیلی تقریر فرماتے تھے۔ دوران تقریر میں اکثر حاضرین خاموش سکتے کے عالم میں بیٹھے رہتے تھے۔ اور بسا اوقات حاضرین رام کے لیکچر کے ختم کرنے وقت بول اٹھتے کہ رام جی مہاراج! اور بولئے۔ پھر رام جی بھی دریا کی طرح اُمڈ پڑتے تھے ::

سوامی رام وقت کے بڑے پابند تھے ایک لمحہ بیکار ضائع نہیں کرتے تھے۔ دن رات میں بہت کم سوتے تھے۔ زیادہ وقت اُپدیش میں خرچ کرتے تھے۔ باقی کا ورزش اور ابھیاس میں۔ اپنے آپ کو رام یا رام بادشاہ کہا کرتے تھے۔ باوجود امریکہ کے کروڑپتیوں کے اصرار کے سوامی رام وہاں آبادی سے دُور جنگل کے کونوں میں یا کسی پہاڑ پر الگ کُٹیا میں رہتے تھے ::

گرہست (خانہ داری) میں شری رام پہلے درجے کے مہمان نواز تھے جو شخص ملنے آتا اُسکو دُودھ خُوب پلاتے تھے اور خود بھی پانی کی جگہ اکثر دُودھ استعمال کرتے تھے۔ اس لئے اِن کی اصلی خوراک دُودھ ہی سمجھنی چاہئے۔ بات یہ ہے۔ کہ شری کرشن بھگوان نے دودھ مکھن کھا کھا کر دُنیا بھر کو گیتا جیسی نایاب پُستک عنایت فرمائی اور رام بھگوان نے دُودھ پی کر شری کرشن گیتا کی تعلیم کا خود عملی جامہ پہن کر اُس کی ساری دُنیا میں اشاعت فرمائی ::

بیماری میں رام بادشاہ دوائی وغیرہ کو کم استعمال کیا کرتے تھے ایام طالب علمی و ملازمت میں اکثر زکام کے شاکی رہتے تھے اور ایک بار لاہور میں کسی ہندو کارخانہ کی سوڈا واٹر کی بوتل نوش کیا

کیا کرتے تھے۔ مگر سنیاس میں تو ایسی شے بھی آپ کبھی استعمال نہیں کرتے تھے۔ ایک دفعہ ایک جج صاحب کے ہاں رام کی دعوت تھی جب کھانا لایا گیا تو انواع و اقسام کے کھانوں کو رام بادشاہ نے اپنی جھبنی (فقیرانہ کچکول) میں ڈال اور میٹھا نمکین وغیرہ سب اکٹھا کر کے تناول فرمایا سوامی جی نے سنیاس میں پہنچکر بھی عام نوبن ویدانتیوں کی طرح کھانے پینے کے قواعد کو توڑا نہیں۔ منشی اشیاء اور گوشت سے انہیں سخت کراہیت تھی بلکہ امریکہ اور جاپان میں بھی جبتی مدت قیام رہا اپنی اسی نفس کشی کی عادت کو قائم رکھا۔ امریکہ میں ترکاریوں۔ میووں۔ اور دودھ پر گزارہ کیا۔ موجودہ زمانہ کے نوبن ویدانتی سوامی جی کی اس زریں عادت سے خاص طور پر سبق سیکھ سکتے ہیں :۔

پوشاک رام نہایت سادہ پوشاک پہنا کرتے تھے۔ حالتِ گرہست میں سردی میں پٹی کا گرم کوٹ اور دھوتی یا معمولی پاجامہ اور گرمی میں ململ کا پتلا کرتہ سفید کوٹ اور دھوتی۔ گھر میں عموماً برہنہ سر رہتے تھے۔ باہر جاتے وقت معمولی سفید یا جوگئے رنگ کا صافہ باندھ لیا کرتے تھے۔ کبھی کبھی سفید ریشمی صافہ بھی استعمال کرتے تھے۔ سخت سردیوں میں رات کو صرف دو ایک کمبل میں گزارہ کرتے تھے۔ قیامِ مستی میں جب فقیری کی لٹک بڑے زور سے اپنا رنگ جمانے والی تھی۔ تب انکا لباس بڑھیا ریشم کا ہوتا تھا۔ قیمتی سے قیمتی پوشاک پہننے کو سلائی جاتی تھی تاکہ بعد فقیری کے کچھ بڑھیا پوشاک کا خیال ہرگز نہ آنے پائے۔ انکی اعلیٰ پوشاک کو دیکھ کر جب دوست دریافت کرتے یا کچھ اعتراض کرتے تو یوں کہدیتے کہ یہ اعلیٰ لباس سنی

کا ہے - ابھی ابھی اِس نے گیان و محبت کی آگ میں ہمیشہ کے لئے ستی ہونا- یعنی خانہ داری سے بیزار ہو جانا ہے- بہرحال انگریزی وضع کے آپ شروع ہی سے مخالف تھے- ایک روز کا ذکر ہے- جیسا کہ پہلے لکھا جا چکا ہے- کہ آپ کالج میں سخت متفکر پائے گئے- دریافت کرنے پر معلوم ہُوا کہ یونیورسٹی کا جلسہ ہونے والا ہے اور آپ کو اُس میں سارٹیفکیٹ حاصل کرنے کی غرض سے شامل ہونا ہے- اور اُسکے لئے ولائتی چوغہ اور بُوٹ پہننے پڑینگے آخر یہی فیصلہ کیا گیا کہ صرف اُس موقع کے لئے اپنے کسی ہم جماعت سے سُوٹ مستعار لیا جائے- ویراگ کی حالت میں عموماً ایک سفید یا سُرخ ریشمی دھوتی میں دیکھے جاتے تھے- اور تیاگ کی حالت میں ایک لنگوٹ یعنی جانگیہ اور چادر میں گزارہ کرتے تھے- ساتھ بدن پونچھنے کے لئے موٹے (کھدر) کپڑے کا تولیہ- پاؤں کھڑاویں- یا بالکل ننگے- اور دُودھ یا پانی پینے کے لئے لکڑی کا پیالہ یا پیچی (یا ناریل کا چپس) اپنے پاس رکھتے تھے- سردی میں بھی نہایت مختصر لباس میں رہتے تھے- روپیہ پیسہ کو چھوتے تک نہ تھے- اور یہی نصیحت وہ اپنے دوسرے ہم رکاب رہنے والے سادھو شاگردوں کو کیا کرتے تھے :

بدنی طاقت و حُلیہ | اصلی حُلیہ بقولِ رام تو سب کا ایک ہے- مگر جسمانی رنگ و رُوپ و طاقت کے متعلق اتنا لکھنا ضروری ہے- کہ رام کا بدن زمانۂ طالب علمی و پروفیسری میں لاغر و پتلا تھا- مگر بعد میں ریاضت سے اُنکے بدن میں وہ طاقت پیدا ہو گئی تھی کہ اچھے خاصے پہلوان کو دھکیل دیتے تھے اور یہ طاقت ورزشِ جسمانی سے بھی نشو و نما پاتی تھی- گرہست میں تو باقاعدہ صبح و شام ہمار یائی- مگدروں یا ڈمبل سے ورزش

کیا کرتے تھے۔ مگر سنّیاس آسرم میں جب جایا گنگا کے کنارے سے پتھر اُٹھا اُٹھا کر اُن سے ڈنڈ پیلے اور دُور فاصلے پر پھینک پھینک کر ورزش کیا کرتے تھے۔ اور اُسی طرح پسینے سے خوب تر بتر ہو کر چھوڑتے تھے۔ علاوہ اسکے پیدل چلنے کی ورزش بہت ہی زیادہ کرتے تھے۔ اور پہاڑ کی بلندی پر اتنی تیزی سے چڑھتے تھے جو کبھی کسی کو دیکھنی بھی نصیب نہ ہُوئی ہو۔ رُوحانی ریاضت سے اُن کا پُرجلال چہرہ ایسا منوّر ہو گیا تھا کہ ہر شخص اُن کے دیدار کرتے ہی اُنکی عزّت کے لئے جُھک جاتا۔ اور ہر مُردہ دل بھی ضرور بشاش ہو جاتا تھا۔ پٹیالہ کے ایک معزّز بزرگ کا بیان ہے کہ سوامی جی جب راستے میں چلتے تھے تو ناواقف لوگ بھی اُنکی طرف تکتے۔ اور اُنکی بشاشت بھری نگاہ سے خوش ہو جاتے تھے۔ گویا خوشی اُنکے چہرے سے پھُوٹ پھُوٹ کر برستی تھی رنگ سُرخی مائل سفید۔ پیشانی کُشادہ اور ذرا اُٹھی ہُوئی۔ سر درمیانہ درجے کا نہ بہت چھوٹا نہ بہت بڑا۔ بلکہ بالکل گول۔ آنکھیں روشن درمیانہ درجے کی۔ بینائی شب و روز پڑھنے کی وجہ سے کمزور ہو گئی تھی۔ اِسلئے عینک لگاتے تھے جسم نیلا۔ قد متوسط۔ چہرہ ہر وقت بشاش۔ مسکراہٹ سے بھرا ہُوا۔ اور دانت ہنسنے وقت چمکیلے موتیوں کی لڑی نظر آتے تھے؛

ایک مہاشہ چمپا رام نامی لکھتے ہیں کہ "اگرچہ سوامی رام تیرتھ کی کتابوں میں جادو بھرا اثر ہے۔ مگر اُنکی صورت سب سے بڑھ کر من موہنی ہے چہرہ گلاب کے پھُول کی طرح کھِلا ہُوا ہے۔ دانت گویا آبدار موتی جڑے ہیں۔ رُخسارے کیا ہیں پھُلجھڑیاں دمک رہی ہیں۔ تعجب یہ ہے کہ سوامی رام کوئی مقوّی غذا نہیں کھاتے۔ کبھی کبھی دُودھ۔ مونگ کی دال۔ اور ذرا سا ٹکڑا روٹی کا جب اور جہاں مل گیا کھا لیا۔ مگر ہر وقت بشاش رہتے تھے

جب انہد کا باجا زور سے بجایا۔ سُورج دیوتا کی تمام حرارت اُن میں نمودار ہُوئی۔ تمام برفانی سختی کافور ہو گئی۔ لوگوں سے جب مصافحہ فرماتے تھے۔ تو سوامی جی کی اُنگلیوں سے آگ کے شرارے نکلا کرتے تھے۔ جن کو لوگ سُوپر نیچرل (بالائی طاقت یا رُوحانی طاقتیں) کہا کرتے تھے۔ وُہ اُن کے ہر ایک کام سے مترشح ہوتی تھی۔ زمانۂ طالب علمی میں ہمیشہ نیچی نگاہ کر کے چلا کرتے تھے۔ مگر جب ریاضت سے سُرور چڑھا۔ اور گول چند کی محبت دِل میں جاگزیں ہُوئی اُس وقت جب دیکھو قہقہہ لگاتے آنند ہی آنند میں نظر آتے تھے ؛

رام بادشاہ کے متعدد بھگت و سادھو شاگرد یُوں تو جہاں رام گئے پتھر بھی ابلا کی طرح اُن کے چرنوں کے چھُونے سے جاندار ہو گئے۔ بچّے نوجوان اور بوڑھے بلا امتیاز ذات و مذہب و رنگ کے آپ کے دیدار کے لئے بے قرار رہتے تھے مگر چند مشہور اشخاص جنہوں نے سوامی رام تیرتھ کو آئیڈیل میں تصوّر کیا اور اپنے آپ کو اُن کا معتقد ماننے میں فخر جانا وُہ یہ ہیں :

امریکہ میں مسز ویلیمین۔ بعدازاں سوُدیانند۔ ڈاکٹر ولیم گبسن۔ بعدازاں سوامی نارد یا نفرانسسکو کے ڈاکٹر ایلبرٹ ہلر اور مسز بوتھیر وغیرہ وغیرہ ؛

جاپان میں پروفیسر تاکاکیو وغیرہ اور پیارے پُورن جی جو اُسوقت طالب علم تھے۔ اور ہندوستان میں آکر پہلے ڈیرہ دُون کے ریسرچ انسٹیٹیوشن کے کیمیکل ایڈوائزر بعدازاں ریاست گوالیار میں کیمیکل اڈوائزر اے وغیرہ وغیرہ۔ پھر کچھ عرصہ تک آپ کسی شوگر فیکٹری۔ ضلع

گورکھپور میں کام کرتے رہے اور آجکل زراعت کے کام میں مصروف ہیں۔ ہندوستان میں تو رام کے بیشمار معتقد یا بھگت ہیں۔ جن میں سے اوّل تو مرحوم مہاراجہ صاحب بہادر ریاست ٹیہری کہ جن کو سوامی جی کی دِل بھر کر سنگت کرنے کا فخر حاصِل ہوا۔ جنہوں نے کئی ماہ سوامی جی کو لگاتار اپنے پاس رکھا۔ رام کے جاپان جانے کا خرچ بھی جنہوں نے اپنے ذمہ لیا۔ رام کے بعد اُنکے صاحبزادے کو بھی ولایت میں دس ہزار روپیہ خرچ کر کے جنہوں نے تعلیم دلائی اور گنگشتہ رام مٹھ بھی جن کی ذاتی ہمدردی و سہائتا سے تیار ہؤا تھا۔ اسکے بعد مرحوم رائے بہادر لالہ سالگرام صاحب رئیس لدھیانہ ٹھیکہ دار اودھ روہیلکھنڈ ریلوے۔ جن کی بھگتی سے سوامی جی خاص موہت تھے اور جنہوں نے سینکڑوں طرح کی خدمات کے علاوہ رام جی کے بعد اُن کا سنگِ مرمر کا سٹیچو (بُت) بنوا رکھا ہے۔ فیض آباد کے لالہ رام رگھبیر لال صاحب رئیس و آنریری مجسٹریٹ و بابو بلدیو صاحب وکیل و بابو سرجن لال صاحب پانڈے سکریٹری سادھارن دھرم سبھا فیض آباد جن کو سوامی جی کی خوب دِل بھر صحبت نصیب ہوئی۔ رام کے خاص بھگتوں میں سے ہیں۔ الہ آباد کے مشہور آنریبل پنڈت مدن موہن مالوی جی رام کی مستی کے خوب دِلدادہ ہیں۔ لکھنؤ کے آنریبل بابو گنگا پرشاد صاحب مرحوم۔ مظفر نگر کے آنریبل لالہ نہال چند صاحب مرحوم۔ میرٹھ کے آنریبل لالہ رامانج دیال صاحب مرحوم رام کے خاص معتقدوں میں سے تھے۔ آگرہ کے رائے بہادر بیج ناتھ صاحب بی۔اے پینشنر بھی رام بھگت تھے۔ ڈیرہ ڈون کے بابو جیوتی سروپ

صاحب پلیڈر و سپرنٹنڈنٹ آریہ سماج و لالہ بلدیو سنگھ صاحب رئیس و بھگت راج رام کے پیارے بھگتوں میں سے تھے۔ سوامی شوانند جی اڈیٹر (ست اُپدیش)۔ لالہ ہرلال صاحب ناظر ضلع لاہور۔ ڈاکٹر محمد اقبال ایم۔ اے۔ وغیرہ اور بلکہ کے میاں محمد حسین آزاد بھی آپ کے بھگتوں اور مدّاحوں میں سے ہیں۔ ان کے علاوہ بے شمار اصحاب اور ہیں جن کے نام اس وقت لکھنے سے کئی صفحے بھر سکتے ہیں۔ رام کے سنّیاسی شاگرد نارائن سوامی کے علاوہ چار اور بھی ہیں۔ جن میں سے ایک تو سوامی راما نند جی جو چند عرصہ سے رحلت کر گئے ہیں۔ دوسرے سوامی گوسدانند۔ تیسرے سوامی پورنانند (جن کا پہلا نام گورو داس اور رام پرتاب تھا) اور چوتھے سوامی ہری اوم جی جو ابھی تک تجربے بھرتے ہیں۔ انکے علاوہ اور کوئی سنیاسی شاگرد (چیلہ) رام کا نہیں ہے۔ اگرچہ اب مسبیوں اپنے کو رام کے بعد (نہ معلوم کس خیال سے) رام کا شاگرد نامزد کر کے مشہور کر رہے ہیں؛

رام کا مشن اور ویدانت کولونی۔ ویداس شاستر کی آدوتت فلاسفی کا پرچار رام کا مشن تھا۔ اپنے ہموطن بھائیوں میں بلکہ کُل بنی نوع انسان میں ہمدردی کے اظہار اور رُوحانیت کی پیاس بجھانے کے لئے رام نے اپنا عملی ثبوت پیش کیا۔ سوتوں کو جگانے اور ہمدار قوموں کو آپس میں محبت کا عالمگیر اُصول برتنے کا کام رام بادشاہ نے اپنے ذمّہ لیا تھا (یا یُوں کہو کہ قدرت نے ایسے نیک کام کے لئے رام بادشاہ کو چُنا تھا) رام کا عقیدہ تھا کہ جو انسان یا قوم محض اپنے جسم و جسمانیت تک محدُود نہیں ہوتے۔ بلکہ اپنے اصلی آنند سُروپ

میں مگن ہوتے ہیں - اُس انسان یا قوم کو دنیا میں کوئی تکلیف نہیں ہوتی ۔ انسان خود آنند کا بھنڈار ہے - دائمی سُرور اُس کی وراثت ہے - ہر انسان میں لا انتہا شکتی موجود ہے - صرف کوشش کرنے اور کھوجنے کی ضرورت ہے - وُسعتِ قلب یعنی ہمدردی و محبت کا دائرہ بڑھ جانے سے کُل کائنات اُس کی چاکری کرتی ہے - اور عوام الناس کی محبت کا نشو ونما اور اُس کا وسیع دائرہ ہی انسان کو ایک جسم کی قید سے ہمیشہ کے لئے رہائی دیتا ہے - اِن خیالات کی اشاعت رام کا مشن تھا - اور جب تک جسم و جسمانیت کی بُو باقی رہی اُس دم تک وُہ اپنے قول و فعل سے یہی عملاً سکھاتے رہے - امریکہ سے واپس آنے کے بعد رام بادشاہ کا شروع میں یہ خیال تھا کہ ہمالیہ کے کسی وسیع دامن میں ایک ویدانت کولونی قائم کی جائے - جس میں طلباء کو دولتِ برہم وِدیا سے مالامال کردیا جائے - جو بعد تعلیم پانے کے ویدانت کا پرچار اپنے عمل سے کرسکیں - اور خاص کر سادھو برہمچاری اِس میں داخل کئے جاویں - جو علاوہ تعلیم مذہبی کے خود کھیت بونے و کاٹنے کا کام کرنا بھی بسروچشم منظور فرماویں - تاکہ آئندہ دولتمندوں سے زر مانگنے کا محتاج نہ رہے - مگر افسوس کہ رام بادشاہ کی عُمر نے وفا نہ کی - ہری اِچھّا! یہی رام کو منظور ہوگا ۔

یہ تھے ہمارے ویدانت کے شیرِ ببر - گلشنِ فصاحت کے باغبان اور قدرت کاملہ کے برگزیدہ رکن - جنھوں نے تمام مرحلے اور مدارج طے کرنے کے بعد برہم میں وصل اختیار کیا - طالبانِ حق اور خاص کر

رآم کے پیارے (مقلد) سوامی جی کی قابل تقلید زندگی سے نہایت مفید سبق سیکھ سکتے ہیں۔ رآم کے پریمیوں کی نگاہ میں گو رآم کا وجُود غائب ہے ۔مگر خود رآم بادشاہ ہر جگہ حاضر و ناظر ہیں۔ دیکھو دیکھو:

نغمے سُریلے اوم کے ہیں اِس سے آرہی
ندّیاں پرندے باد میں ہیں سُریلا رہے

اوم! اوم!! اوم!!!

"نارائن"

باب چہارم

تذکرۂ رام

(از قلم عاشقانِ رام)

سوامی رام تیرتھ جی مہاراج کے مشن پر ایک سرسری نظر

از

(منشی گنگا پرشاد صاحب ورما اڈیٹر ہندوستانی لکھنؤ)

سوامی رام تیرتھ۔ سوامی رام۔ یا رام بادشاہ کہ جن ناموں سے وہ سنیاسی مشہور تھے جس نے دسمبر ۱۹۰۴ء میں امریکہ سے واپسی اور تین سال قبل روانگی شمال ہند اور خصوص ہمارے صوبہ جات اور اسکے حصہ جانب کوہسار میں غلغلہ سا پیدا کر دیا تھا کون بزرگ تھے اور انکا کیا مشن تھا۔ ہر ایک سنیاسی کے گرہست آشرم کی نسبت واقفیت کی جستجو کرنے والی طبیعتیں کچھ نہ کچھ پوچھتی رہتی ہیں۔ پس کوئی حیرت نہیں ہے کہ سوامی رام تیرتھ جی مہاراج کی نسبت یہ سوال مختلف مقامات سے پوچھا جائے۔ اِس سوال کا جواب دینا کچھ مشکل نہیں ہے۔ کیونکہ سوامی جی مہاراج نے کبھی اپنی گرہست آشرم کی زندگی پر پردہ نہیں

ڈالا اور یہ اُسکے ذکر سے رہنیر کرتے تھے۔ جس طرح سے ہر نوجوان کی زندگی گذرتی ہے۔ آپ کی بھی گذری۔ کسی کی کم آپ کی زیادہ کامیاب۔ دولت علم سے یہانتک مالامال کہ مُلک کے چند اعلےٰ درجہ کے ذہین ریاضی دانوں میں آپ کا شمار تھا۔ ملازمت سرکاری میں جو شاخ آپ نے پسند کی تھی اُس میں بحیثیت پروفیسر وُہ عروج حاصل کیا جس حد تک آپ کی عمر کا کوئی نوجوان حاصل کر سکتا تھا یا پہنچ سکتا تھا۔ خوش قسمتی یہ کہ گرہست آشرم کے چھوڑنے کے وقت تک والدین کا سایہ سر پر رہا۔ اور مثل خوش نصیب والد کے لائق اولاد سے خود مالامال تھے۔ گجرانوالہ کے باشندہ۔ گوسائیں خاندان کے فخر۔ اور پھر کس خاندان کے؟ جس کے مُرید تمام پنجاب میں ہزاروں کی تعداد سے پھیلے ہُوئے ہیں۔ یہ وقت سوامی جی کی سوانح عمری لکھنے کا نہیں ہے۔ سوانح عمری لکھنے والے اِس عارف کے درجنوں مختلف زبانوں میں پیدا ہو نگے۔ وُہ اُن کے موجُودہ شریر کے ۲۶ سالہ گرہست آشرم لڑکپن۔ طالبعلمی۔ سن بلوغ۔ ملازمت وغیرہ کے زمانے کے واقعات پر بحث کرینگے اور دکھلا دیں گے کہ کیونکر اوائل عمر ہی سے آنے والے حیرت انگیز تبادلات اور تغیرات کی خبر معلوم ہوتی تھی۔ کیونکہ زندگی کا ہر معمولی واقعہ اُس رُوحانی زندگی کا پتہ دیتا تھا جو سوامی جی نے اختیار کی تھی۔ کسقدر گرہست آشرم کا ذکر کر کے ہم کو یہاں یہ دکھانا مقصود ہے۔ کہ دُنیا میں ناکامی یا کسی سخت غم نے سوامی رام تیرتھ جی مہاراج کو اُس زندگی کی طرف متوجہ نہیں کیا تھا جو اُنھوں نے عین ابتدائے شباب میں ۲۶ یا ۲۷ برس کے سن میں اختیار کی۔ شردھ رُوحانی میں

مسب اپنے بھائیوں کو جو آپ ہی کے دوسرے سُروپ ہیں - اگیان اور جہالت میں مبتلا دیکھکر اُس سُرور میں جو صرف خداوالوں ہی کو حاصل ہوتا ہے بیداری اور حقیقت سے واقف کرنے کا کام اپنے ذمّہ لیا - جس کے لئے اس دُنیا میں آپ نے خاکی جسم قبول کیا - مشن آپ کا کیا تھا ؟ انسان کو بیدار کرنا کہ وُہ جسم جسمانیت تک اپنے تئیں محدود نہ سمجھے - بلکہ اس حقیقت کی واقفیت سے کہ وُہ آنند سُروپ ہے - آنند کا بھنڈار ہے خود دائمی سرُور حاصل کرے اور دُوسروں کو دُنیاوی تردّدات و تفکرات سے اصلی آزادی کا وُہ راستہ بتائے جو راستہ کسی خاص قوم یا مذہب کے لئے مخصوص نہیں ہے - اور نہ صرف پڑھے لکھوں عالموں یا واعظوں کی میراث ہے - سمجھ کر انسان میں لاانتہا شکتی موجود ہے - وہ ان سنکلپوں کو رکھکر اپنے تئیں جسمانی یا رُوحانی طور پر کسی کا غلام نہ سمجھے - اور یہ محسوس کرکے کہ اُسکے حالات کی دُنیا ظہور ہے اُسکے گرد و نواح اسباب اُسی کے پیدا کئے ہُوئے ہیں - اگر خراب سامان ہیں تو اُسی کے خراب جذبات کا نتیجہ ہیں - اُن خرابیوں کے دفع کرنے کی کوشش کرے جس سے وُہ دُنیا کے ظاہری دُکھ اور رنج کم کرسکتا ہے - سوامی رام تیرتھ جی کوئی نئی تعلیم سکھانے نہیں آئے تھے - یہ تعلیم ویسی ہی پُرانی ہے - جیسے ہندوستان میں ہمالیہ پہاڑ اور دریائے گنگ اور جمن پُرانے ہیں - مگر طریقہ تعلیم اُن کا نرالا اور عقل کو اپنی ہی غلامی سے آزاد کرنے والا تھا - دائمی آنند و سُرور کے لئے انانیت کا مٹانا - خودی کا دُور کرنا لازمی تھا - جو سوامی جی نے اپنے جسم سے بالکل ہی نیست و نابود کردی کہ اُس کا پتہ ہی نہیں چلتا تھا - ادنیٰ خواہشوں

کی غلامی کا نام و نشان باقی نہ تھا۔ غصّہ۔ نفسانی خواہشات۔ طمع جلاکر نابود کردی گئی تھیں۔ جنہوں نے آواز میں وُہ اثر۔ چہرے پر وُہ جلال اور جسم میں وُہ قوّت پیدا کی تھی کہ ہر طبیعت جس پر پریم کے رنگ نے ذرا بھی اثر کیا ہے فوراً موثر ہوتی تھی اور ہزارہا بندگانِ خُدا سے جو باہم مذہبی اختلاف رکھتے ہیں۔ کہا گیا تھا کہ اگر پرمیشور کے درسن بغیر مُورتی پُوجن کے نہیں مِل سکتے ہیں تو ہم کیوں نہ اس جیتی جاگتی۔ بولتی چالتی مُورت کی ساکار پُوجا کریں؟ یا امریکہ میں رنج اِل عیسائیوں کی زبان پر یہ فقرہ آہی تو گیا کہ ہم بائیبل میں حضرت عیسٰی کا ذکر سُنتے ہیں کیوں نہ ہم اِس عیسٰی نما انسان سے محبت کریں؟۔ تمام خواہشاتِ دُنیاوی سے آزاد۔ اپنے جسم سے جو ان تمام آراموں اور آسائشوں سے بنا ہُوا ہے ایک سرلتٹ متوسط درجے کے گھرانے میں مِل سکتا ہے۔ مگر وُہ تمام صعوبات برداشت کئے ہُوئے کہ جو جسم برداشت کرسکتا ہے گرمی میں گرمی نہ ماننے والا اور سردی میں سردی برداشت کرنے والا۔ ہر گھڑی حالتِ وجد یا سُرور میں مست + سوامی رام تیرتھ جی وُہی کام کر رہے تھے جو بڑے بڑے پیشوایان مذہب نے کئے تھے۔ گو اس کو کسیقدر مبالغہ کہا جائے مگر اِس کے اسقدر کہنے میں ہرج نہیں ہے۔ کہ تاریخ پر مثل دیگر بڑے پیشوایانِ مذہب کے مُلک کی بہتری کے لئے زمانہ کے دامن پر آپ اپنا نشان لگا گئے ہیں +

پیشوایانِ مذہب سے یہ مطلب نہیں ہے کہ وُہ کوئی نیا مت قائم کرگئے۔ وُہ کوئی عدد گروہ پیدا کر گئے۔ نہیں۔ انانیت سے وُہ دُور رہے اُن کا مشن صرف یہ تھا کہ ہندوستانی صرف اپنی پچھلی غلطیوں سے واقف

ہوکر بیدار ہوں اور اپنی رُوحانی بہتری اور مُلک کو موجودہ مصائب سے اپنی لاانتہا قوتوں کو کام میں لاکر خود خوش ہوں۔ چونکہ مسن عشق دیرہم کی مساد قائم کرتا ہے وہ کسی خاص ذات اور مذہب پر محدود نہیں ہے ہر ایک گروہ میں محبت پیدا کرانے کا دعویدار ہے۔ چونکہ دُنیا کی راحتوں کو اصلی راحت دُنیا کی نیکنامی اور شہرت کو اصلی نیکنامی نہیں سمجھنے والا ہے۔ لہٰذا ان قومی تعصبات کو مٹانے والا ہے۔ جیسے ملُوس ہوکر لوگ سایہ کے پیچھے پیچھے دوڑتے ہیں۔ ادائے فرض کو بہترین مذہب قرار دیکر سوامی جی مہاراج لوگوں کو کرم کانڈ کے بکھیڑوں سے آزادی دلاکر چاہتے تھے کہ اگر کرم کانڈ بایگ کرنا ہے۔ تو یہ یگ کیا جائے کہ اپنے سے کم واقف اپنے ہی بھائیوں کو جو ذات واحد سے جُدا نہ ہوکر بھی ناواقفیت سے جُدا سمجھ بیٹھے ہیں حقیقت سے واقفیت کے لئے بیدار کیا جائے۔ اپنی قسمت یا پراربدھ کے خود بنانے والے ہوکر انسان سے سوامی جی مہاراج کہتے ہیں کہ سوشل۔ مذہبی اور پولٹیکل غلامی محض بیجا خواہشات کا نتیجہ ہے۔ لہٰذا ان خواہشات کی کمی کی جائے اور بلاغرض ادائے فرائض کو بہترین مذہبی خدمت سمجھکر یہی سچی عبادت مقصود سمجھی جائے۔ اپنی انانیت مٹاکر اپنا وجود علیحدہ نہ سمجھکر انسانیت کی بہتری اور ترقی کے لئے جسمانیت نثار کردینا زندہ جاوید ہے۔ یہ تعلیم سوامی رام تیرتھ جی مہاراج کی تھی۔ جو شہر بشہر پھیلاتے ہوئے وہ گھومتے تھے۔ ویدانت کے خلاف بڑا الزام یہ عاید کیا جاتا ہے کہ وہ انسان کو مُردہ بنا دیتا ہے۔ مگر سوامی جی کی تعلیم نئی زندگی پیدا کرنے والی اور نئی رُوح ڈالنے والی تھی۔ گھر میں دوا بھری بوتلیں رکھنے سے جس طرح سے

کوئی مریض صحت کی حاصل نہیں کر سکتا ہے۔ اسی طرح سے تمام خواہشات میں مبتلا انسان زبان سے اپنے تئیں برہم کہکر آزاد نہیں قرار دے سکتا ہے۔ اسی طرح سے کرم کانڈ کی پابندی۔ مذہبی کتب کے حوالجات اُن میں اعتبار لانے سے بلا صفائی قلب اور بلا اس خیال پر عمل لائے ہوئے کہ "وہ جسم و اسم سے بری ہے۔ وہ جسمانیت نہیں ہے۔" ہرگز اصلی آنند کو حاصل نہیں کر سکتا ہے۔ جسم کو کسی اعلیٰ غرض کے حصول کے نثار کر دینا یہ یقین کر کے کہ "ہم نہ کبھی مرتے ہیں اور نہ مرینگے۔ جسم کے ساتھ ختم نہوں گے۔" اس جسم کی پروا نہ کرنا اور نیشکام لگا دینا ایک ذریعہ حقیقت کی واقفیت حاصل کرنے اور آنند حاصل کرنے کا ہے۔

ضرورت ہے کہ انسان محسوس کرے کہ وہ خود وہی نور ہے جس نے تمام دُنیا کو منور کر رکھا ہے۔ ضرورت ہے کہ وہ سمجھے کہ پڑوسی ہندو یا مسلمان غیر نہیں ہے۔ بلکہ اپنا نور ہے۔ یہ سمجھکر کہ خدا کا اعلیٰ مندر یا معبدگاہ جسم و اسم انسانی ہے کہ وہ کسی جسم انسانی کی بے عزتی دیکھکر۔ اپنے سے حقیر دیکھکر بجائے خوش ہونے کے اپنے آنند میں خلل سمجھے۔ عملی زندگی۔ نہ کہ زبانی دعوے کی ضرورت ہے۔ مذہب مذہب پکارنے سے نہیں بلکہ عمل کرنے سے انسان سُرور سے فائدہ اُٹھا سکتا ہے۔ مذہب سے بے خبر رہکر بھی انسان اپنی انانیت مٹاکر اپنے نفس علیحدہ نہ سمجھکر روحانی آنند حاصل کر سکتا ہے۔ سوامی جی کی خود ذات نے اس تھوڑے سے عرصہ میں ایک ہلچل سی پیدا کر دی تھی۔ ہندوستان اور امریکہ میں آپ کے سچے شگتوں کی تعداد ہزاروں تک ہو گئی جن کی

زندگی پر آپ نے گہرا اثر پیدا کیا تھا۔ اُس گروہ میں اُن لوگوں شمول جو دُنیا کی مستعدیوں میں پُورا حصّہ لے رہے اِس الزام کو جھٹلا رہا ہے کہ ویدانت لوگوں کو مردہ بناتا ہے۔ پرمہنس رام کرشن اور سوامی وویکانند مشن کلکتہ کی پین ساجیں۔ بنارس پین سادھوؤں کا آشرم۔ کنکھل میں ہسپتال مایاوتی میں آشرم بتلاتے ہیں کہ یہ الزام غلط ہے کہ ویدانت لوگوں کو بحس و حرکت کر دیتا ہی سوائے مذہبی جوش۔ حالِ خدمت اور اس کامل یقین کے کہ خدمت ہی میں راحت ہے۔ کون سے دُنیا چھوڑے ہُوئے تعلیم یافتہ سنّیاسیوں کو راضی کرتی ہے کہ وُہ طاعون زدہ مریضوں کی خدمت کریں۔ گلیاں صاف کریں۔ غربا کی تیمارداری اور سنّیاسوں اور جاتریوں کی مدد کریں۔

یہ موقع نہیں ہے کہ تمام اعتراضات کا یہاں ذکر کیا جائے جو تعلیم ویدانت پر کئے جاتے ہیں۔ صرف اس قدر کہنا کافی ہے کہ سوامی جی کا ویدانت اُس ویدانت سے بالکل مختلف تھا جو بے حرکتی کی تعلیم دیتا ہے۔ سوامی جی تو جانتے ہی تھے کہ ترقی کا نام ہی زندگی ہے۔ جو انسان ترقی کی خواہش نہیں کرتا ہے وُہ دُنیا سے مفقود ہو جاتا ہے۔ جن اقوام نے اپنی حالت پر اطمینان کر لیا ہے۔ جنھوں نے ترقی کی کوشش نہیں کی ہے جنھوں نے آگے بڑھنے کی خواہش نہیں کی ہے وُہ مِٹ گئیں اور مٹتی جاتی ہیں۔ جب وحدانیت سے جُدا ہو کر انسان کے سامنے ترقی کے لئے میدان وسیع ہے تو جو اقوام یا لوگ اپنے تئیں کسی خاص منزل تک پہنچ کر آگے بڑھنا نہیں جانتے پَس گرتے ہیں۔ اور بہتے ہُوئے دریائے زمانہ میں گم ہو جاتے ہیں۔ ترقی کے لئے ہر گھڑی اور ہر ساعت حرکت ضروری ہے۔ اور جب کبھی اِس سے غفلت

کی گئی ہے۔ قومیں اور ملک تباہ ہو گئے ہیں۔ کیسی ہی حالت میں کوئی
قوم ہو۔ ماتحتی میں یا آزاد۔ اس کے لئے ترقی کا میدان وسیع ہے۔ اگر جسم
ماتحتی میں ہے۔ نوکروں میں مقید ہے۔ تو روح آزاد ہے اور اُس کی ترقی
کو جس پر تمام ترقی کا دار مدار ہے۔ کوئی روک نہیں سکتا ہے۔ نشکام کرم
یعنی بلا خواہش نتیجہ نیک اعمال ترقی کے لئے بہترین سیڑھی ہیں۔ جو سوامی
رام تیرتھ جی مہاراج سب کے سامنے پیش کرتے اور چاہتے تھے۔ کہ کسی
کی شہادت پر نہیں خود محسوس کر کے۔ کسی کتاب یا کلام کی پیروی میں
نہیں بلکہ اپنی عقل پر بھروسہ کر کے اُس سے لوگ کام لیں۔ اور ہندوستان
کو اُن تمام ممالک کے ساتھ ترقی کے میدان میں لائیں۔ جن ممالک میں
دیکھنے کو چاہے ہمارے یہاں کے مثل مذہب کی پکار نہو۔ مگر
روزمرّہ زندگی میں حقیقت پر عمل ہے۔ جو قومیں جسقدر فرضی پابندیوں
سے آزاد ہیں۔ جو ضرورت کے وقت قائم کی گئی تھیں۔ جو قومیں اپنی بنائی
ہوئی خودغرضی کی دیواروں سے جسقدر کم ایک انسان کو دوسرے
انسان سے علیحدہ سمجھتی ہیں۔ جو کم خودغرضی کی زندگی گزارتی ہیں۔ وُہی
رُوحانی ترقی کرتی ہیں۔ اور حسب خواہش مادی ترقی میں قدم آگے
بڑھاتی ہیں۔ خودغرضی۔ انانیت اور تعصب قوموں کو اُسی طرح تباہ کر دیتا
جس طرح کہ کسی خاندان یا شخص کو تیاگ۔ ایثار نفس ترقی کے ذرائع ہیں۔
جن لوگوں میں جتنی قوّتِ تیاگ ہے اُتنی ہی کامیابی حاصل ہوتی ہے۔
لہذا تیاگ دنیادی پدارتھوں کا بہترین ذریعۂ ترقی ہے۔

سوامی جی مہاراج کسی نئے گروہ یا فرقہ کی بنیاد ڈالنی نہیں چاہتے
تھے۔ مت متانتر کی مُلک میں کمی نہیں ہے۔ وُہ نہیں چاہتے تھے۔ کہ

کوئی نیابت قائم ہو۔ وُہ اسکے خلاف تھے کہ نئی چار دیواری کھڑی کر کے وُہ اُس تعلیم سے اَیسے لوگوں کو محروم کریں جو چار دیواری کے اندر نہیں رہ سکتے ہیں۔ مگر ساتھ ہی اسکی ضرورت تھی کہ ارگانیزیشن کی خُوبیوں سے جس کے فتوحات نے مغرب میں بہت اثر کیا ہے۔ سوامی جی فائدہ اُٹھانے اور ایک جگہ مرکز قرار دیکر اُن تین گروہوں میں بیداری پیدا کرنے کا کام اپنے ذمّہ لیتے جن میں بیداری ہر ملک کی ترقّی منحصر ہے۔ بچے۔ عورتیں۔ اور سادھو رام مہاراج کی خاص توجہ کے مستحق تھے انہیں کی اصلاح سے ملک کی اصلاح ہوتی ہے۔ جس روز سے آپ نے گرہست آشرم چھوڑا۔ زر کی طرف آپ نے نگاہ نہیں اُٹھائی۔ تمام دُنیا سفر کر آئے مگر روپیہ کو ہاتھ نہیں لگایا۔ روپیہ ہر جگہ غلامی کرنے کو خود حاضر تھا۔ وشنو کی پتنی لکشمی ہر جگہ آپ کی تابعداری کو حاضر تھی۔ لکشمی امریکن مردوں اور عورتوں۔ ہندوستان کے مہاجنوں زمین داروں اور والیانِ ملک کی صورت میں مہاراج کی زبان کے اشارے کی طرف دیکھ رہی تھی۔ کہ مَیں کوئی خدمت کر سکوں۔ ملک کے نوجوان تعلیم کے بھُوکے صدہا کی تعداد میں سجدہ کرنے کے منتظر تھے۔ سادھو آپ کی صحبت میں وقت گزارنا اپنی خوش نصیبی سمجھتے تھے۔ ہردوار۔ رکھی کیش۔ اوتر کاسی۔ میں کون لکھا پڑھا سادھو ہے جس کے دِلبر مہاراج نے کچھ نہ کچھ اثر نہیں کیا۔ کتنے سادھو ہیں جو خدمت انسان میں زندگی صرف کرنے کو تیار نہیں تھے۔ میدان چھ سات سال کی کوشش میں تیار ہو گیا۔ تخم ریزی کی ضرورت تھی۔ ہندوستان کی خوش قسمتی ہے کہ سوامی رام تیرتھ جی مہاراج نے اپنی جسمانیت اُسپر نثار کر دی تھی اس سے بڑھکر

کون جگ ہو سکتا تھا - اِس جگ کے بڑے بڑے پھل حاصل ہوں گے چاروں طرف اس جگ کی دھوم ہے - اِس جگ میں اپنی انانیت کی آہوتی ڈالکر شریک ہونے کے لئے مُلک کے نوجوان تیار ہوں - سوامی جی کا آئیڈئیل ہمیں نظر رکھکر اپنے تئیں مادری مُلک پر نثار کرنے والے نہیں وہ دن آئیگا - کہ اِس قسم کا جگ ہر شہر میں ہوگا اور ایثارِ نفس کرنے والے لوگ ہر دیہہ اور ہر قصبہ میں پائے جائیں گے - مگر جگ کرانے والوں کی ضرورت ہے - جبتک سوامی رام تیرتھ جی مہاراج اِس دُنیا میں رہے اُنہوں نے اس ضرورت کو پُورا کیا - ہزار ہا بلکہ ہم کہہ سکتے ہیں لاکھوں آنکھیں آپ کیطرف لگی ہُوئی تھیں - پریم سے پریم اور آنند سے آنند پیدا ہوتا ہی - آپ کے چہرے کو دیکھکر پسانتت اور آپ کے سچے عشق کو دیکھکر طبیعت بھر آتی تھی - اُس دن کا انتظار ہے کہ پریم اور آنند کی دھاریں ایک جگہ سے تمام مُلک میں بہیں اور مُلک کی خفیفت کی طرف بیداری میں مصروف ہوں - ہندوستان کا ہر فرد لبشر سمجھے کہ اُس میں لاانتہا ترقی کرنے کی قوت موجود ہے - کوئی قوت اُس کو ترقی سے نہیں روک سکتی ہی کوئی رُکاوٹ اُن بہادروں کو آگے بڑھنے سے نہیں روک سکتی ہے - جنہوں نے عزم کر لیا ہے کہ ہم آگے قدم بڑھائیں گے - جو سمجھتے ہیں کہ آگے قدم مارنے میں اگر یہ جسم نہ بھی رہے تو ہرج نہیں کیونکہ ہم اُن جسم کے ساتھ نہیں مریں گے - ہندوستان جس میں آج بھی ہزار ہا انسان ہر سال دائمی سُرور کے حصول میں جان دیتا ہے بہترین ذریعۂ نجات کے حصُول میں سخت سے سخت محنت برداشت کرتا ہی عقوبتیں اُٹھاتا ہے - تمام عُمر کی کمائی نثار کر دیتا ہے - سمجھے - خالی سمجھے ہی نہیں - بلکہ عمل کرکے

دیکھ لے کہ نجات ہر انسان کے ہاتھ میں ہے۔ بشرطیکہ وہ جانے کہ میں کون ہوں اور میری حقیقت کیا ہے؟

تذکرۂ رام

از

(رائے بہادر لالہ بیجناتھ صاحب۔ بی۔ اے)

یہ عام قاعدہ ہے کہ دھرم ہر زمانہ کا مختلف ہوتا ہے۔ جو دھرم ست جگ میں تھا وہ اب نہیں ہے۔ یہ قاعدہ گرہستیوں سے بھی اسقدر متعلق ہے۔ جیسا کہ سنیاسیوں سے۔ چنانچہ پہلے زمانہ میں سنیاسی جنگلوں میں رہکر اپنے شِشوں (شاگردوں) کو برہم وِدیا پڑھاتے تھے۔ پھل پھول کھاکر گذران کرتے تھے۔ لوگ اُنکے پاس برہم وِدیا سیکھنے جاتے تھے اور کبھی کبھی راجاؤں کی سبھاؤں میں جاکر اُن کو اُپدیش کرتے تھے۔ اور اُن کے نُقص ظاہر کرتے تھے یعنی وُہ کام کرتے تھے کہ جو آجکل اخبار کرتے ہیں۔ مثلاً نارد جی نے راجہ جودشٹر سے جب اُنکو اندرپرست یعنی دہلی کا راج ملا۔ جاکر تفصیل کے ساتھ پوچھا کہ تُم اپنی رعایا کی حفاظت کے لئے کیا کیا کرتے ہو۔ آیا تُم میں وُہ چودہ عیب (کہ جن سے ریاستیں تباہ ہو گئیں) ہیں یا نہیں۔ یعنی ناستک پن (کفر)[1] جھوٹ[2]۔ غصّہ[3]۔ غفلت[4]۔ تساہل[5]۔ لائق آدمیوں سے اجتناب[6]۔ سُستی۔ طبیعت کا یکسو نہ ہونا[7]۔ صرف ایک آدمی کے مشورہ پر اکتفا کرنا[8]۔ ایسے لوگوں سے مشورہ کرنا جو مشورہ دینے کے ناقابل ہوں[9]۔ ایک مقرری بات کو چھوڑنا[10]۔ افشائے راز کرنا[11]۔ نیک کام کو پورا نہ کرنا[12]۔ بلا سوچے کسی کام کو کرنا[13]۔ اِن

برائیوں سے وہ ریاستیں بھی کہ جو مضبوط تھیں تباہ ہو گئیں +

اب وہ زمانہ نہیں رہا نہ وہ سنیاسی ہیں۔ نہ گرہست ہیں۔ بلکہ آجکل کے سنیاسیوں کو بھی میل گرہستوں کے زمانہ کے ساتھ چلنا پڑیگا۔ یعنی اپنے خیالات کو نہ صرف مشرقی بلکہ مغربی سائنس اور فلسفہ سے پُر کر کے نہ صرف گوشہ نشینی میں یاد الٰہی میں۔ یا مباحثہ لفظی میں یا مٹھوں یا دعوتوں میں ہمیشہ اپنا وقت صرف کرنا۔ بلکہ دنیا میں رہکر اُنکے لوگوں کو اپنے نیک نمونہ و نصیحتوں سے بہرہ ور کرنا پڑیگا۔ ایسے سادھوؤں میں سوامی رام تیرتھ جی تھے اُنکو جو تجربہ غیر ملکوں میں حاصل ہوا وہ اِن لیکچروں میں جو مختلف مقاموں میں شائع کئے گئے ہیں۔ اس غرض سے ظاہر کیا گیا ہے۔ کہ ہندوستان کی ترقی میں اس سے کیا فائدہ ہو سکتا ہے ؛

سوامی جی مہاراج ایک معزز برہمن خاندان پنجاب کے رہنے والے تھے۔ آپ نے ۱۸۹۵ء میں پنجاب یونیورسٹی میں ڈگری پائی اور علم ریاضی کے پروفیسر ہو کر ایک عرصہ تک لاہور میں رہے۔ سنہ ۱۹۰۱ء میں آپ نے محض اس غرض سے کہ برہم ودیا کتابی بات نہیں ہے۔ بلکہ عملی چیز ہے۔ تمام تعلقات کو چھوڑ کر ہمالیہ کے جنگلوں میں اور تیرتھ گپھاؤں میں علیحدہ رہنا اختیار کیا اور ایک عرصہ کی ریاضت سے یہ جان لیا کہ جو شئے کتابوں میں لکھی ہے۔ وہ محض خیالی نہیں ہے۔ بلکہ اصلی اور عملی ہے۔ پھر پہاڑ سے اُتر کر متھرا۔ آگرہ۔ لکھنؤ۔ وغیرہ میں بہت سے ویاکھیان دیئے اور اگست سنہ ۱۹۰۲ء میں آپ جاپان ہوتے ہوئے امریکہ میں پہونچے۔ وہاں پر آپ ڈھائی برس کے قریب رہ کر پھر ہندوستان میں تشریف لائے۔ آپ کو یورپ کے سائنس اور فلسفہ سے ایسی ہی واقفیت تھی کہ جیسے ہمارے یہاں کے شاستروں سے

بس جو کچھ آپ نے فرمایا وُہ سب تجربہ کا نتیجہ تھا اور اُمید ہے کہ اُن کے اُپدیشن پر ہم سب لوگ عمل کرنے کی کوشش کریں گے۔

سوامی جی میں بھگتی یعنی عبادت اور گیان دونوں اِن خوبیوں سے بھرے کہ جو اکثر لوگوں میں کم دیکھنے میں آتے ہیں۔ اُن کو تصنیفات مولانا روم - شمس تبریز - اور حافظ وغیرہ میں اتنا ہی درک تھا کہ جتنا - کلینٹ - ہیگل - شلنگ - شوپن ہار - اسپنوزا عقلائے جرمنی میں - سقراط و افلاطون و ارسطو یونان میں - و کارلائل - کوپر - ٹینیسن وغیرہ انگلستان میں - ایمرسن و تھورو و والٹ و ٹیمیں وغیرہ امریکہ میں - اُپنشدوں اور اُس کے شرح کرنے والے شنکر و نانک - کبیر - گوتم - بلّا شاہ وغیرہ ہندوستان میں ہیں - اُنہوں نے جو نتیجے اِن سب کے کلاموں پر غور کرکے نکالے وُہ یہ ثابت کرتے ہیں کہ ایک تعلیم یافتہ آدمی اگر حقیقت کے معلوم کرنے کی طرف متوجہ ہو تو وُہ معلوم کرکے دوسروں پر کس خوبصورتی و خوش اسلوبی سے اُس کو ظاہر کر سکتا ہے۔ یہ حقیقت تمام مُلکوں میں تمام زمانوں میں ایک ہی ہے اور ایک ہی رہیگی۔ صرف اس کے ظاہر کرنے کے طریقے مختلف ہو سکتے ہیں، اور جو کچھ نقص اُس کے اظہار میں ہو سکتا ہے وُہ اسوجہ سے کہ انسان اِسم و جسم میں مقید رہکر اُس کو ظاہر کرتا ہے - پس اگر اس شخص کا جو اُس حقیقت کو ظاہر کرنا چاہے آئینہ دِل ایسا میلا ہو کہ جس میں اُس کا عکس صاف نہ پڑ سکے تو اُس کا اظہار بھی اس حقیقت کا ناقص ہوگا۔ اگر اُسکا آئینہ دل صاف ہوگا تو اُسکا اظہار ویسا ہی صاف ہوگا۔ یہی فرق اُن لوگوں میں

نے خود اپنے جہل سے اپنے تئیں اُس قید میں کہ جس میں اُسکو نہیں ڈالنا چاہئے
ڈال لیا ہے۔ اسی سے یہ تمام فتنہ جھگڑے بکھیڑے کا ہے۔ جب یہ جہل علم
حقیقی کی شمع سے مثل کافور کے کافور ہو جائیگا۔ تو پھر یہ کہنا کہ تم ہندو
ہو اور میں مسلمان ہوں وہ عیسائی ہے اور وہ یہودی ہے کہاں
رہیگا۔ یہی مطلب سوامی رام جی کے مضمون اکبر دلی کا ہے۔ یعنی اپنے دل
کو ایسا فراخ کرلو کہ کوئی جگہ ان چھوٹے و محدود خیالات کی کہ تمہارا مذہب
اور ہے و میرا مذہب اور ہے۔ میں تم نہیں تم میں نہیں باقی نہ رہے۔
یہی طریقہ برتاؤ تمام دنیا کے رشیوں و پیغمبروں و موجدان مذہب کا رہا
ہے۔ دنیا کے لوگ اُن کو ازخود رفتہ کہتے ہیں۔ بیشک وہ ازخود رفتہ تھے
یعنی خودی سے وہ گذر گئے تھے۔ لیکن دنیا اُن کو اُن کی زندگی میں نہ
سمجھی بلکہ اُنکے بعد اُنکو سمجھی اسی وجہ سے سری کرشن جی مہاراج کو ستتوپال۔
دُریودھن وغیرہ نے مکار اور فتنی کہا۔ بدھ کو ناستک بتلایا۔ شنکر کو خفیہ
ناستک کہا۔ سقراط کو زہر کا پیالہ پلایا گیا۔ مسیح کو صلیب پر اور منصور
کو دار پر کھینچا گیا۔ یہ لوگ اُسوقت تو دیوانے خیال کئے گئے مگر اُنہیں کی
دیوانگی کے چشمے کی ایک لہر ایسی ہے جو انسان کو زندہ و قائم رکھتی
ہے۔ پس ایسے لوگوں کو تو دنیا کچھ کہے۔ اُن کا کام اُن کے جسم سے علیحدہ
ہونے کے بعد پھلتا ہے۔ اسی وجہ سے کہا گیا ہے کہ سچا سنیاسی وہی ہے
کہ جو اپنے جسم کو بہبودئی انسان کے درخت کی کھاد بنادے۔

سوامی رام تیرتھ جی نے جتنے روز کہ وہ امریکہ و جاپان میں رہے۔
اپنی وہی عادت نفس کشی کی رکھی کہ جو ہندوستان میں تھی۔ یہاں تک
کہ عرصہ تک محض سبزی ترکاری کھاکر اور دودھ پیکر گذارہ کیا۔ ہندوستان

میں واپس آکر بھی انہوں نے وہی طریقہ جو رشیوں کا تھا جاری کیا۔ یعنی اِس بات کو روا نہ رکھا کہ ویدانت کا جاننے والا سرب بھکشی۔ یعنی بلا قید ہر چیز کا کھانیوالا یا سرب ورنی یعنی بلا لحاظ سوسائٹی کے اصولوں کے نیک دیگی کی تمیز چھوڑ کر جیسا چاہے ویسا عمل کرنے والا ہو۔ مگر اس سے ایک بڑا سبق ملتا ہے جو اِس زمانہ کے سادھوؤں کو سیکھنا چاہیئے۔ چنانچہ یوگ باشیشٹ میں کہا گیا ہے۔ کہ گیانی کی یہی علاماتِ ظاہری ہیں کہ اُس کے کام یعنی خواہشِ نفسانی۔ کرودہ یعنی غصہ۔ لوبھ یعنی طمع۔ موہ یعنی جہل روز بروز کم نظر آویں :

اسوقت ہمارے یہاں مذہبی فرقوں اور اصلاحات قومی کی کچھ کمی نہیں اور زمانۂ حال کی تعلیم و نئے نئے حالات کے بدولت ہر فرقے ہر مذہب کے لوگ اپنے اپنے سوشیل اور مذہبی حالت کو درست کرنے پر آمادہ ہوگئے ہیں۔ ہر جگہ سوسائٹیاں اصلاح مذہبی اور قومی کی موجود ہیں۔ سینکڑوں کتابیں ان معاملات پر روز شائع ہوتی ہیں۔ ہر سال ہر فرقہ کے لوگ جلسے کرتے ہیں۔ لیکن جہاں تک دیکھا جاتا ہے۔ سوسائٹی اور مذہب کی حالت میں چنداں بہتری نظر نہیں آتی پہلے زمانہ میں جب اتنی سوسائٹیاں اور اتنی کتابیں و اخبار و لیکچر نہیں تھے ایک آدمی مُلک کو ہلا سکتا تھا گوتم بدھ کے وقت کون سی سوسائٹیاں اور اخبار تھے مگر بودھ مذہب آج دُنیا کے سب مذہبوں سے زیادہ پھیلا ہُوا ہے۔ سنکر جی مہاراج ۹ برس کی عمر میں گھر سے باہر نکلکر اکیلے لنگوٹی بند۔ امر کنٹھ میں نربدا کے کنارے گوبند آچاریہ کے شِشّ ہوئے۔ اور پھر پندرہ برس کی عمر تک بدری ناتھ میں رہ کر وُہ سولہ شرحین اپنشدوں۔ بھگوت

کو بیشتر عیش و عشرت سے فرصت نہیں ملتی۔بس اگر اصلاح قومی یا مذہبی نہ ہو تو کون تعجب کی بات ہے۔ اور جب تک اِن سب خرابیوں کی جڑ دُور نہ ہوگی یہاں کے لوگ اپنے تئیں اُس نفد دھرم کے مقلد اور اُس آتم کرپا کے مستحق اور اُس اکبر دلی کے رکھنے والے جو سوامی جی مہاراج نے کہیں ہیں نہ بنا دیں گے۔ اصلاح ملک کی اُمید نہیں ہو سکتی۔ہمارے تمام شاستروں کا اختتام اِس بات پر ہے۔کہ وہی دیکھنا ہے جو شکل اپنے سب کو دیکھنا ہے۔تمام دھرم کا لب لباب یہی رکھا گیا ہے۔کہ مت کرو وہ کام دوسروں کے لئے کہ جس کو خود اسے لئے کرنے کو تیار نہ ہو۔عقلی دلائل و مباحثوں کی کچھ حد نہیں ہے۔ہر فرقے اور ملت کی ہدائتیں بھی علیحدہ علیحدہ ہیں۔ہر عاقل اپنی اپنی کہتا ہے بس دھرم کی اصلیت کا جاننا بہت مشکل ہے۔لیکن اُس کا معیار یہ ہے کہ وہ شئے کہ جس پر تمام دنیا کے لوگوں کو اختلاف نہ ہو اور جس کو سب بالاتفاق مانیں۔وہی سچا ہے۔وہ دھرم وہ ہے کہ جو اوپر کہا گیا ہے۔اور اُسی کو ان لیکچروں میں بھی ظاہر کیا گیا ہے۔ اُمید ہے کہ ان سے لوگوں کو فائدہ ہوگا۔ دنیادار لوگ اپنے فرائض کو بہتر طور پر ادا کرنا سیکھیں گے۔تعلیم یافتہ اپنے غیر تعلیم یافتہ بھائیوں سے مغائرت کا پردہ اُٹھا دینگے۔سادھو سنیاسی نزاع لفظی و مٹھوں شاگردوں و دعوتوں پر ہی اکتفا کرنا چھوڑ کر ملک کی بہتری میں مشغول ہوں گے۔ اور اپنے آتما کو سب کا آتما جانیں گے۔ اگر ان لکچروں سے یہ منشا کچھ بھی پورا ہوگا۔ تو گویا سوامی جی کی ایک زندہ اور دائمی یادگار قائم ہو گی ؛

بیجناتھ

سوامی رام تیرتھ

از

(بسنتی)

سوامی رام تیرتھ جی کا سانحۂ بیوقت ابھی کل کی بات ہے۔ ان کے غریق رحمت ہوتے ہی حقیقت یہ ہے۔ کہ اس ملک کی بہت سی امیدوں پر پانی پھر گیا ہے۔ اور بہت سی آرزوؤں کا خون ہو گیا ہے۔ بہت سی تمنائیں دِل کی دل ہی میں رہ گئیں۔ اور بہت سے ولولے اُبھرتے اُبھرتے بیٹھ گئے۔ اس میں شک نہیں ہے۔ کہ کئی سالوں سے ہمارے رہبروں۔ ناموروں اور مایۂ فخر بزرگواروں کا قافلہ حد درجہ کی سرعت کے ساتھ سوئے عدم رواں ہے۔ ایک ماتم نہ مشکل ختم ہونے پر آتا ہے کہ یک بیک دوسرا برپا ہو جاتا ہے۔ اظہارِ رنج و محن کے لئے نہ آنکھوں میں آنسو باقی رہے ہیں۔ اور نہ نوکِ قلم اور زبان میں طاقتِ گویائی۔ مصیبت پر مصیبت اور صدمات پر صدمات۔ پھر ایک سے ایک بڑھ کر۔ آخر انسان ہے۔ کہاں تک صبر کے ساتھ برداشت کرے۔ الفاظ بھی اِس موقع پر ایسے ضعیف و ناتواں نظر آتے ہیں کہ اِن سے کام لینا ایک طرح اپنے غم و الم کی سنجیدگی اور وزن کو کم کرنا ہے۔ بہرکیف رضائے حق کے رُوبرو سوائے سرِتسلیم خم کرنے کے اور کوئی چارہ نہیں ہے۔

سوامی رام تیرتھ جی اُن قدسی نفوس میں سے ایک تھے کہ جنکی

ذات سے بہت سے اصحاب کو رُوحانی فیض پہنچا ہے - اگر انکی
عمر کچھ دن اور وفا کرتی تو ایک جمِ غفیر کی اندرونی تاریکی بہت
کچھ دُور ہو جاتی۔ ممالک متحدہ جہاں اُن کی زندگی کا آخری دَور ختم
ہُوا ہے - غنیمت دنوں اُنکے قُرب و قیام سے بہرہ اندوز ہُوا - اُن کی
زیست کا بڑا حصّہ پنجاب میں گذرا ہے - ممکن ہے کہ وہ بڑا حصّہ
عوام کی نگاہوں میں بظاہر زیادہ دلچسپ اور معنی خیز نہو مگر ارباب
دانش و بینش ابتدائی حالات سے علّت و معلول کے مسلسل
سلسلہ سے بڑے بڑے عُقدے حل کرلیا کرتے ہیں - شروع ہی سے
انسان کا ہمہ ہمت مکمل ہونا (جیسا کہ انسان مکمل ہو سکتا ہے)
قرینِ قیاس نہیں ہے - مگر عروج اور تکمیل کے آثار دلِ دانا اور چشمِ
بینا کے مطالعہ کے لئے اکثر سرورِ جان اور راحتِ قلب کا باعث
ہُوا کرتی ہیں - بمصداق اینکہ

ع سالیکہ نکوست از بہارش پیداست

سوامی رام تیرتھ جی کی سوانح عمری لکھنے کی ممکن ہے کہ خاص تیاریاں
ہو رہی ہوں مگر اِس موقع پر اُنکی ابتدائی زندگی کے متعلق کچھ ضبط
تحریر میں لانا غالباً بے سُود ثابت نہ ہوگا ۔

راقم کا مرحوم کے ساتھ جبکہ وہ طالب علم تھے ایک عرصہ تک
یکجا رہنے کا اتفاق ہُوا ہے - جن دنوں وہ فورمین کرسچن کالج لاہور
میں پروفیسر تھے اُن دنوں بھی اکثر اُن سے نیاز حاصل ہوتا رہتا تھا -
اُس وقت تک راقم کا یہی خیال ہے کہ اُس زمانہ میں جس درجہ
بے تکلفی راقم کی ممدوح کے ساتھ تھی شاید ہی لاہور میں اُن کی کسی

سے ہو۔ راقم کے ساتھ اُن کے تعلقات دوستانہ تھے۔ کچھ عرصہ تک ایک ہی کمرہ میں رہتے۔ ساتھ کھاتے پیتے۔ اُٹھتے بیٹھنے کی وجہ سے ہر طرح کی گفتگو کا زیادہ موقع ملا کرتا تھا۔ اس ربط ضبط اور موافقت مزاج اور مذاق کے باعث باہم ایک اُنس ہی نہیں بلکہ ایک قسم کی رُوحانی وابستگی ہو گئی تھی۔ اکثر موقعوں پر بوجہ خاص اعتماد وُہ اپنے رازِ دل بھی ظاہر کر دیا کرتے تھے۔ اور راقم بھی حسبِ موقع اپنی رائے پیش کر دینے میں پس و پیش نہ کیا کرتا تھا۔ راقم کے ذاتی عقائد اور مذہبی تعلقات سے وُہ بخوبی آگاہ تھے۔ بایں ہمہ وُہ اپنے عقائد اور اپنے آئندہ طریقِ عمل ظاہر کرنے میں کبھی دریغ نہ فرمایا کرتے تھے۔ راقم کی یہ فطرت اور سرشت سے بعید ہے کہ وُہ پاک طینت اور صداقت مآب اصحاب کے عقیدوں یا طریقوں کو سُنکر ناگوار نکتہ چینی سے کام لے یا بطریق غیر موزوں اختلاف رائے ظاہر کرے۔ یہ ایک خاص وجہ تھی کہ اُن سے سلسلۂ اتحاد روز افزوں ترقی پر رہا۔

بوجہ خاندانی تخصیص اُن دنوں سب اُنہیں گوسائیں جی کہا کرتے تھے۔ یُوں تو راقم نے اُنہیں پہلے بھی کئی مرتبہ دیکھا ہو گا۔ مگر جب سے اُن کا قیام لاہور کے کایستھ بورڈنگ ہوس میں ہُوا تب سے خاص ضبط کا آغاز سمجھنا چاہیئے۔ کایستھ صاحبان کی فراخدلی کی وجہ سے یہ بورڈنگ ہوس اُن دنوں صرف کایستھ طلباء کے لئے ہی مخصوص نہ تھا بعض اوقات اس میں برہمن اور ویش وغیرہ طلباء کی تعداد زیادہ ہُوا کرتی تھی۔ شروع میں گوسائیں جی لالہ جوالا پرشاد

صاحب کے ہمراہ اس جگہ بغرض قیام تشریف لائے تھے۔ اُن ایام میں لالہ صاحب شاید امتحان بی۔ اے کی تیاری کر رہے تھے۔ بی۔اے۔ ایل۔ ایل۔ بی۔ ہونے کے بعد ایک عرصہ سے وہ فیروز پور میں وکالت کرتے ہیں۔ گوسائیں جی اُنہیں اپنا عزیز سمجھتے تھے اور ریاضی سکھایا کرتے تھے۔ اسوقت یہ ٹھیک یاد نہیں ہے۔ کہ گوسائیں جی بھی انہیں کے ساتھ امتحان بی اے کی تیاری کر رہے تھے یا کیا۔ لالہ جوالاپرشاد صاحب ایام طالب علمی میں بھی امیرانہ مزاج کے نوجوان تھے۔ علماء کی سرپرستی کے علاوہ شعراء کے بھی کچھ کم قدردان نہ تھے۔ چنانچہ ایک آدھ شاعر ہروقت حاضر خدمت رہا کرتا تھا۔ گوسائیں جی کا ذاتی صرفہ اقل درجہ کم تھا اور اسکے متحمل غالباً لالہ صاحب ہی ہوا کرتے تھے۔ لالہ صاحب مع گوسائیں جی اسی بورڈنگ ہوس کے بالاخانہ پر رہا کرتے تھے۔ یہ بالاخانہ اُن دنوں کسی قدر مخدوش حالت میں تھا۔ اس کی بعض دیواریں شق ہوگئیں تھیں مگر فوری خطرہ کا احتمال کم تھا۔ ایک دن بارش زور شور سے ہو رہی تھی اور بجلی خوب چمک رہی تھی۔ رعد کی گرج بھی ہیبتناک تھی۔ لالہ صاحب مع گوسائیں جی حفظ ماتقدم کے خیال سے زیرین حصہ میں آکر فروکش ہوئے۔ راقم بھی وہیں ایک جانب موجود تھا۔ اس موقع پر راقم کو پہلی مرتبہ یہ امر واضح ہوا کہ گوسائیں جی چارپائی کی نسبت زمین پر سونے کو زیادہ پسند فرماتے تھے۔ استراحت کے بھی بہت کم عادی تھے۔ صبح قریب چار بجے بیدار ہوکر شغلِ مطالعہ جاری فرما دیتے تھے۔ لالہ جوالاپرشاد صاحب کو وہ خود بڑے پیار سے جگایا کرتے تھے۔ لالہ صاحب کا خواب راحت

سے چونک کر بیداری کے لئے آمادگی ظاہر کرنا اور پھر سو جانا اور گوسائیں جی کا متواتر حد درجہ محبت کے لہجہ میں سنسکرت مطالعہ ہو سکنے کے لئے اصرار کرنا راقم آسانی سے نہیں بھول سکتا۔

اثنائے قیام کالشہو بورڈنگ ہوس لاہور میں گوسائیں جی کے والد بزرگوار بہت کم اور اُن کے گورو جی اکثر تشریف لایا کرتے تھے۔ گوسائیں جی ضلع گوجرانوالہ کے ایک موضع جس کا نام غالباً مُرالی والا ہے متوطن تھے۔ ان کے والد صاحب کا مزاج بہت ہی سادہ تھا اور وُہ صرف دیو ناگری اور سنسکرت جانتے تھے۔ راقم کو اُن سے گفتگو کا اکثر موقع ملا کرتا تھا۔ اُنہیں کی زبانی معلوم ہُوا تھا کہ اُن کے شِشّ (مرید) بہت دُور تک ہیں۔ فرماتے تھے کہ کبھی کبھی اُن کے پاس باغستان تک جانے کا اتفاق ہوتا ہے۔ گوسائیں جی کے خاندانی گورو جنہوں نے رسم زنار بندی کو اداء کی تھی برہمن تھے۔ مگر وُہ فرمایا کرتے تھے کہ ہمیں جو کچھ رُوحانی فیض حاصل ہُوا ہے۔ وُہ دھنّا بھگت جی سے ہُوا ہے۔ اُنہیں کو وُہ گورو جی کہا کرتے تھے۔ بلحاظ خاندان سنابد یہ اروڑے تھے اور شہر گوجرانوالہ میں رہا کرتے تھے۔ گوسائیں جی اُن کے حد درجہ معتقد تھے۔ اور کبھی کبھی راقم سے اُن کی کشف و کرامات کا ذکر فرمایا کرتے تھے۔ جن ایام کا یہ ذکر ہے اُن دنوں گوسائیں جی کے صرف ایک صاحبزادہ تھا۔ اِس وقت الغرض وُہ بالغ ہوگا۔ راقم نے اُسے دیکھا ہے گو اب شناخت مشکل سے کر سکے۔ گوسائیں جی اپنے وطن چند روز کے لئے ایّامِ تعطیل میں جایا کرتے تھے۔ گو وُہ کسی حالت میں فرائض خانہ داری سے بے خبر نہ رہتے تھے

مگر راقم نے اُنکی تقریر اور رجحانِ طبع سے یہ نتیجہ نکال لیا تھا۔ کہ اغلب ہے۔ کہ یہ ان تعلقات سے بوجہ احسن جلد سبکدوش ہو جائیں :۔

امتحان بی اے پنجاب یونیورسٹی میں گوسائیں جی اوّل رہے تھے اس لئے اُنہیں ساٹھ روپیہ ماہوار کے وظائف مل گئے تھے۔ اس رقم میں سے کچھ وُہ اپنے ذاتی صرف کے لئے رکھ لیا کرتے تھے۔ باقی گھر بھیجدیا کرتے تھے۔ یا حسب موقع اپنے گورُو جی کی مختصر ضروریات کے لئے نذر کر دیا کرتے تھے۔ گوسائیں جی کو کتابیں خریدنے میں بہت کچھ صرف کرنا پڑتا تھا

جس سال امتحان بی۔ اے میں گوسائیں جی نے نمایاں کامیابی حاصل کی تھی شاید اُسی سال پنجاب یونیورسٹی کے لئے لازمی تھا کہ انگلستان جانے کے لئے اپنے کسی ممتاز طالب علم کو نامزد کرے۔ کامیاب اُمیدوار کے لئے شاید سَو پونڈ سالانہ کا وظیفہ منجانب سرکار مخصوص تھا۔ راقم نے گوسائیں جی کو مجبور کیا تھا کہ اس کے لئے کسی قدر سعی فرمائیں۔ پہلے اُنہوں نے ایک حد تک استعجاب ظاہر فرمایا اور کئی طرح کی اندرونی بیرونی مشکلات دکھائیں۔ مگر بدلائلِ قاطع انہیں کسی نے وقیع نہیں سمجھا۔ آخر بدرجہ مجبوری اُنہوں نے اِس جانب سے اُس جانب التفات فرمائی۔ خاندانی مخالفت کو اُنہوں نے جلد اپنے آئندہ طریق عمل کے اظہار سے رفع کر دیا۔ اور باقاعدہ اُسی وظیفہ کے لئے اُمیدواروں کے زمرہ میں شریک ہوگئے۔ جہانتک خیال ہے۔ گوسائیں جی کے علاوہ صرف ایک اُمیدوار اور تھا۔ مسٹر بل جو اُن دنوں سررشتۂ تعلیم پنجاب کے ڈائریکٹر ہیں اُن ایام میں

گورنمنٹ کالج کے پرنسپل تھے۔ گوسائیں جی کی صاحب موصوف ہر وقت تعریف کیا کرتے تھے۔ اُنہوں نے اُنہیں بہت بڑی اُمید دلائی تھی۔ مگر نتیجہ خلافِ اُمید فہوالمراد برآمد نہیں ہُوا۔ گوسائیں جی کی قابلیت اور حقوق کے لحاظ سے یہ نتیجہ مقبول عام نہیں تھا۔ تاہم گوسائیں جی کو اس ناکامی کا مُطلق خیال نہیں ہُوا اور نہ وُہ کبھی شکایت کا ایک لفظ زباں پر لائے۔ انگلستان جاکر محض ریاضی کی مزید تحصیل کا اُنہیں شوق تھا۔ سول سروس بیرسٹری یا کسی اور صیغہ کو وُہ خارج از بحث سمجھتے تھے۔ نتیجہ برآمد ہونے سے پیشتر انگلستان کی سکونت کا بھی ذکر ہُوا کرتا تھا۔ وُہ مختصر جواب یہ دیدیا کرتے تھے کہ وہاں جاکر بھی موجُودہ خوراک و پوشاک میں تبدیلی واقع نہیں ہو سکتی ؎

امتحان ایم۔ اے کے لئے اُنہوں نے مضمون ریاضی انتخاب فرمایا تھا اور اُسی کی جانب شروع سے انکا میدان طبع تھا۔ گورنمنٹ کالج لاہور میں اوقات معیّنہ پر وُہ بغرض تحصیل تشریف لیجایا کرتے تھے۔ اسی اثنا میں رائے بہادر میلا رام صاحب مرحوم کے فرزند ارجمند رائے رام سرن داس صاحب رئیس اعظم لاہور نے اُنہیں اپنا اتالیق مقرر فرما لیا تھا۔ اُن کی کوٹھی میں ایک وسیع بالاخانہ پر وُہ رہا کرتے تھے۔ راقم کبھی کبھی وہاں اُن سے صبح کے وقت ملنے جایا کرتا تھا۔ اُس وقت بالعموم وُہ ایک ورزش کیا کرتے تھے جو اُن کے سوائے راقم نے اور کسی کو کرتے نہیں دیکھا۔ ایک چارپائی کو وُہ سیدھی دیوار کے سہارے کھڑی کر دیا کرتے تھے۔

زاں بعد دونوں ہاتھوں سے دونوں جانب وسط سے پکڑ جہانتک اُوپر لیجا سکتے لیجاتے اور اسی طرح نیچے لے آتے تھے۔ مُنہ بند کرکے جلد جلد اس ورزش کو دیر تک کرتے رہتے تھے۔ رائے رام سرنداس صاحب کے چھوٹے بھائی لالہ ہری کشن داس صاحب سے بھی جو پچھلے دنوں بعنفوانِ شباب ہیں قضا کرگئے ہیں۔ گوسائیں جی کو بہت محبت تھی۔ ایک دن راقم کے ساتھ وُہ کوٹھی کے باغیچہ سے آرہے تھے۔ راستہ میں لالہ ہری کشن داس جی انگورستان سے انگور توڑ کر چکھ رہے تھے۔ گوسائیں جی فرمانے لگے کہ کیا شغل ہو رہا ہے۔ لالہ صاحب نے بجائے جواب دینے کے خوشے پیش کر دیئے۔ جس سے مراد یہ تھی کہ آپ بھی اس میں شامل ہُو جئے :

گوسائیں جی کی خوراک محض دُودھ قرار دینی چاہیئے۔ کبھی کبھی دن میں وُہ کھانا بھی کھا لیا کرتے تھے۔ اکثر قریب بیٹھ کر کھانا کھانے کا اتفاق ہُوا کرتا تھا۔ یاد نہیں ہے کہ کبھی اُنہوں نے پتلی پتلی دو چپاتیوں سے زیادہ تناول فرمائی ہوں۔ متواتر کئی کئی دن دونوں وقت وہ صرف دُودھ پر اکتفا کرتے تھے۔ اگر راقم کبھی اُنہیں فواکہات کھانے میں شریک ہونے کے لئے مجبور کرتا تھا تو بپاس خاطر وہ برائے نام کچھ لے لیا کرتے تھے۔ ادویات استعمال کرتے راقم نے اُنہیں کبھی نہیں دیکھا۔ البتہ جب کبھی شاذ و نادر اُنہیں زکام کی زیادہ شکایت ہُوا کرتی تھی۔ تو انارکلی کے ایک ہندو کارخانہ کی ایک آدھ سوڈے کی بوتل

نوش فرما لیا کرتے تھے۔ گوشت خوری کو وہ علانیہ گناہِ عظیم قرار دیا کرتے تھے اور اُس کے ذکر سے بھی اُنہیں سخت کراہت آیا کرتی تھی۔ فرمایا کرتے تھے کہ اگر راستہ چلتے اس کی کہیں سے بُو بھی آجائے تو دماغ دیر تک پراگندہ رہتا ہے۔ اسی طرح مُنشیات کو وہ زہر ہلاہل سے تشبیہ دیا کرتے تھے ؛

پوشاک ان کی حددرجہ سادہ تھی۔ ایامِ گرما و برسات میں گزیکی سادہ دھوتی اور کُرتہ پہنتے تھے۔ اور سر برہنہ رکھتے تھے۔ حجامت بھی پنجابی وضع کی بنواتے تھے۔ باہر جانے کے لئے معمولی ململ کا دوپٹہ باندھ لیا کرتے تھے۔ جہانتک اس وقت حافظہ کام دیتا ہے۔ ٹوپی اُن کے فرقِ مبارک پر کبھی دیکھنے کا اتفاق نہیں ہُوا۔ موسم سرما صرف ایک موٹی کشمیری پٹّی کے کوٹ میں بسر کر دیتے تھے۔ رات کے وقت بھی بہت ہی مختصر اوڑھنے بچھانے کا سامان ہُوا کرتا تھا۔ فارغ التحصیل ہونے کے بعد وُہ سیالکوٹ کے مشن کالج میں پروفیسر ہوگئے تھے۔ فرماتے تھے کہ تمام جاڑے سوائے ایک دُھسّہ کے اور کوئی گرم کپڑا استعمال نہیں کیا۔ لحاف کا بھی دُھسّہ ہی کام دیدیتا تھا۔ شہر سیالکوٹ کے تعلیم یافتہ اصحاب اور ہر مِلّت کے اہلِ ہنود اِن کے پُورے معتقد تھے۔ وہاں طلباء کو یہ صبح و شام خود ہواخوری کرایا کرتے تھے۔ اور اُنہیں ریاضتِ رُوحانی کے بھی طریق سکھاتے تھے ؛

انگریزی وضع کے کپڑوں اور جُوتیوں سے حددرجہ احتراز فرماتے تھے ایک دِن راقم نے اُنہیں عالمِ تذبذب میں دیکھا۔ دریافت کرنے پر معلوم ہُوا کہ یونیورسٹی کا سالانہ جلسہ دو ایک دِن میں ہونے والا

ہیے۔ حصولِ سند کی غرض سے اُس میں شرکت لازمی ہے۔ فرمانے لگے۔ کہ اِس موقع پر ولایتی چوغہ اور ٹوپ پہننے پڑیں گے۔ یہ امر اپنی وضع کے خلاف ہے۔ کچھ دیر بحث کے بعد بالآخر یہ طے ہوُا کہ یہ ہر دو اشیاء کالج ہی میں ذرا دیر کے لئے کسی سے عاریتاً لے لیجائیں۔ چنانچہ بعد میں اُسی معطلہ پر کاربند ہوُئے۔ عینک ضرورتاً وُہ ہر وقت لگاتے تھے ؛

سیالکوٹ سے واپس آنے پر وُہ فورمن مشن کالج لاہور میں پروفیسر ہوگئے تھے۔ غالباً امتحان بی۔ اے میں وہ اسی کالج سے شریک ہوُئے تھے۔ اِن ایام میں جوقی آرسانی کے متصل اُنہوں نے ایک مکان لے لیا تھا اور بیوی بچّوں کو بھی بُلا لیا تھا۔ امتحان انٹرنس کے کسی ریاضی پرچہ کے وُہ ممتحن تھے۔ اِس کے صلہ میں اُنہیں ایک رقم ملی تھی۔ اس سے اُنہوں نے نفیس چوبی اسباب خرید لیا تھا۔ مگر لُطف یہ ہے کہ خود اُسے شاذو نادر استعمال کرتے تھے۔ مکان کے وسطی کمرہ میں ایک بڑا سا طاق تھا جس کی کارنس آگے کو نکلی ہوُئی تھی۔ اُس پر اُنہوں نے ایک کپڑے کا ٹکڑا بچھا لیا تھا۔ حسب ضرورت لکھنے کے لئے اُسی سے میز کا کام لیتے تھے اور متواتر دو دو چار چار گھنٹے اُسی پر کتابیں کھول کر پڑھتے رہتے تھے۔ اس مکان میں اُنہیں بیٹھ کر لکھتے پڑھتے بہت کم دیکھا ہے۔ خاص احباب کی خاطر و تواضع دوُدھ سے کیا کرتے تھے۔

اُنہیں ایام میں کبھی کبھی وُہ سناتن دھرم سبھا کے جلسے میں بھی جایا کرتے تھے اور کچھ لفریر بھی کیا کرتے تھے۔ سادھو سُنگن چندر صاحب نے بھی اُنہیں اپنے دھولنسو کا کچھ کام سپرد کر دیا تھا۔ مگر مزید غور فرمانے

ر وُہ اس سے فی الفور دست بردار ہو گئے تھے۔ بعد میں سادھو صاحب کے ساتھ کی صحیح کیفیت راقم کو معلوم نہیں ہے۔ البتہ یہ ایک اخبار میں پڑھا تھا کہ سادھو صاحب ایک طشتِ سیم بھی نذر کرکے گوسائیں جی کے ہاتھ پر بیعت لائے تھے:۔

صدمات کو بھی گوسائیں جی بڑے صبر و شکر اور استقلال کے ساتھ برداشت کیا کرتے تھے۔ ایک دن وُہ اپنے قیام گاہ میں معمول سے زیادہ دیر کے بعد تشریف لائے۔ چہرے سے آثار رنج و ملال نمودار تھے۔ راقم نے سبب دریافت کیا۔ تخلیہ میں فرمانے لگے کہ "آج بعد دوپہر کالج میں ایک خط ملا جس سے بڑی ہمشیرہ کی موت وفات کا سانحہ معلوم ہُوا یہی ایک ہمشیرہ تھی اور اسی نے ایامِ طفولیت میں مجھے بچوں کی طرح پرورش کیا تھا۔ خط پڑھکر خاموشی کے عالم میں دریائے راوی کی جانب چلا گیا۔ تنہائی میں خون کا قدرتی جوش اشک ریزی کے ذریعہ کم کرکے بارگاہ عبودیت میں دُعا کی کہ اس صدمہ کو مردانگی کے ساتھ برداشت کرنے کی طاقت عطا ہو۔ اور اس دُنیا سے مرحومہ کی صرف ایک پاک یادگار باقی رہجائے اور کسی طرح کا مزید رنج نہ ہوتا کہ فرائض کے سرانجام میں غفلت سرزد ہونیکا احتمال لاحق نہو"

گوسائیں جی کے اشغال تفریحِ طبع بہت ہی مختصر تھے۔ صبح و شام گلگشتِ چمن یا دریائے راوی کی روانی آب اور تلاطم امواج کو بغور دیکھنا۔ خاص خاص احباب سے بھی فرصت کے وقت ملنے جایا کرتے تھے۔ یاد نہیں ہے کہ راقم نے اُنہیں کبھی اخبارات یا رسالجات پڑھتے دیکھا ہو۔ البتہ کبھی کبھی وہ اُردو و فارسی کی نصوفانہ اشعار راقم کو سُنایا کرتے

تھے۔بعض شعراء کا کلام سُنکر اُن پر عالمِ وجد طاری ہو جاتا تھا۔غرض یا تو گوسائیں جی پڑھتے یا باتیں کرتے رہتے تھے یا جب ان امور سے فارغ ہوں فی الفور آنکھیں بند کرکے اسمِ اعظم "اوم" کا وِرد شروع کرکے اس کے تصوّر میں محو ہو جاتے تھے۔اُن کا قول تھا کہ دِل سیماب وش ہے۔اسے ہر لحظہ اپنے قابو میں رکھنا چاہیئے۔ ورنہ شوخیوں پر آمادہ ہو جاتا ہے۔

تسبیح خوانی کو گوسائیں جی زیادہ وقعت نہیں دیا کرتے تھے۔فرماتے تھے کہ ایک عرصہ کی مشق سے انگلیاں حرکت کرتی رہتی ہیں۔مگر دِل غائب رہتا ہے۔

مناجات کے وہ ازبس قائل تھے۔ایک دن راقم نے اُن سے تخلیہ میں ذکر کیا کہ اس مُلک کی بہتری کے لئے مختلف کوششیں ہو رہی ہیں سب سے موثر تدبیر کیا ہو سکتی ہے۔فرمانے لگے کہ ہر ایک اچھا کام جو کیا جائے وہ اچھا ہے۔مگر ہمارا کچھ اور خیال ہے۔شروع میں یہ چاہیئے۔کہ ایک دستہ نیک اطوار اور پاک طینت اصحاب کا اکٹھا کیا جائے۔کچھ عرصہ صدقِ نیّت اور صدقِ دل سے مناجات کا عادی کیا جائے۔زاں بعد ایک مقرّرہ عرصہ تک شب و روز نوبت بہ نوبت درگاہ صمدیت میں اس مُلک کی اصل بہبودی کے لئے مناجات کا سلسلہ جاری رکھا جائے۔ایک ختم کرے دوسرا اس کی جگہ بیٹھ جائے۔چوبیس گھنٹوں کے اندر ایک لمحہ بھی ایسا نہ ہو کہ ایک نہ ایک شخص جائے مناجات پر مناجات نہ کر رہا ہو۔اس طرح ہماری نیک خواہشیں ضرور وقت مناسب پر پوری ہو جائیں گی

نیز ملک میں پاک نفس اور روشنضمیر اصحاب کا ایک ایسا دستہ موجود ہو جائے گا کہ جو ہر صفحہ میں دلیری اور راستبازی کے منشا کام کر سکے گا۔ ساتھ ہی ایک صندوق میں کچھ زرِ نقد رکھدیا جائے۔ اور اس دستہ کے فرد کو مطلع کردیا جائے کہ اشد ذاتی ضروریات کے لئے بلا دریافت اس نقد کو استعمال کر لیا کریں۔ ازاں بعد قوتِ بازو سے پیدا کریں۔ جس قدر لیا گیا تھا۔ اسیقدر یا اُس سے کچھ زیادہ پھر صندوق میں ڈال دیا کریں"

ایک دن راقم نے گوسائیں جی سے دریافت کیا آپ کا دلی منشاء کیا ہے۔ آیا کالجوں میں طلباء کو پڑھانا یا کچھ اور۔ فرمانے لگے کہ "یہ سلسلہ عارضی ہے۔ بیوی بچّوں کی ضروریات کے لئے کچھ مہیا کردینے کے بعد شب و روز تمام مُلک میں ست اُپدیش (وعظِ حسنہ) میرا آخری مقصد ہے۔ جس جگہ جایا کریں گے۔ طالبعلموں کو کچھ پڑھاکر صرف دودھ کے لئے کچھ لے لیا کریں گے۔ اور ہمیں کسی شے سے سروکار نہ ہوگا۔ وعظِ حسنہ کے ذریعۂ اِس مُلک کی رُوحانی تاریکی کو دُور کرانا مقدم سمجھتا ہُوں"

مسٹر روزولٹ پریذیڈنٹ (یا شہنشاہ) ممالک متحدہ امریکہ کا خود اُن کی زیارت کو آنا ثابت کرتا ہے۔ کہ اس زمانہ میں بھی حکام ہند کے مرتاض اور فقراء میں وہ جوہر موجود ہیں کہ جن کے رُوبرو دُنیوی جاہ و حشمت۔ جبروت۔ و سطوت سرنگوں ہیں :۔

راقم کو گوسائیں جی نے دو انگریزی کتابیں بطور یادگار مرحمت فرمائی تھیں۔ ایک سٹوری آف دی انگلش لٹریچر۔ یہ غالباً انگلستان

کی کسی عالمہ خاتون کی تصنیف ہے۔ گوسائیں جی اِس عالمہ کو مادرِ مہربان کہا کرتے تھے۔ وُہ فرماتے تھے۔ کہ جس طرح ماں اپنے بچوں کو اچھی کہانیوں کے ذریعۂ علمی اور مُفید باتیں سکھاتی ہے۔ اسی طرح اُنہوں نے مجھے انگریزی ادب کی تواریخ سے ماہر کیا ہے۔ دُوسری کتاب لائیٹ آف ایشیا۔ مصنفہ سر اڈون آرنلڈ تھی۔ یہ مہاتما بُدھ کی سوانح عمری ہے۔ اسے بھی اکثر گوسائیں جی پڑھا کرتے تھے۔

قِصّہ کوتاہ۔ اب ان باتوں میں کیا رکھا ہے۔ یاد کرنے سے اور دِل کو رنج ہوتا ہے:

ایک عالی دماغ تھا نہ رہا
مُلک میں ایک چراغ تھا نہ رہا

رُباعیات

(از منشی رائے پرشاد صاحب بیتاب دہلوی۔)

دُنیا سے عجب مردِ ہوش اسلوب گیا
جو مُلک کا تھا محب و محبُوب گیا
اب ہند کے بیڑے کا خُدا حافظ ہے
افسوس کہ رام ناخُدا ڈُوب گیا
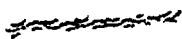
کیوں سر پہ نہ تیغ اصفہانی پھر جائے
کیوں در سے نہ دورِ شادمانی پھر جائے
جب رام سا مہر ہو غریقِ رحمت
اُمیدوں پر کس طرح نہ پانی پھر جائے
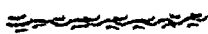
مرکر بھی وُہی مشن ہے اے رام ترا
آغاز کی مانند ہے انجام ترا
تُو کاہیکو تہِ نشین دریا ہوتا
سوتوں کو جگاتا ہے مگر کام ترا

از

(منشی درگا سہائے صاحب سرور)

کونسا موتی ہے گنگا تیرے دامن میں نہاں
قطع ہے قامت پہ کس کی چادرِ آبِ رواں
حلقۂ گرداب ہے کیوں آہ! چشمِ خونفشاں
کس کے ماتم میں لبِ ساحل ہیں سرگرمِ فغاں
تیری موجوں نے کیسکو لے لیا آغوش میں
جوشِ گریہ کا عالم ہی تیرے سرجوش میں
کس کے غم میں تیرے ساحل کا ہے داماں تارتار
سری موجیں آج کیوں ہیں رام گنگا! بے قرار
شاہدِ خوابِ اجل سے آہ! ہوکر ہمکنار
سوگیا یہ کون جانبازِ وطن زیرِ مزار
لینے آئی آسماں سے رحمتِ باری کسے
تھی گراں اے موج! ساحل کی سبکساری کسے
منزلِ خورد میں ہے ذرہ خلوت آرا کونسا
دوش بردوشِ صدف ہے دُرِ یکتا کونسا
آشنا بحرِ حقیقت کا ہے۔ ایسا کون سا
ہوگیا دریا میں دریا مل کے قطرا کون سا
صف اُلٹ کر کون یہ بزمِ جہاں سے اُٹھ گیا

شمع و پروانہ کا پردہ درمیان سے اُٹھ گیا
قیدِ ہستی سے ہی کس کو سرگرانی ہائے ہائے
کردیا شوقِ بقا نے کسکو فانی ہائے ہائے
کس پہ ٹوٹا دستِ جورِ آسمانی ہائے ہائے
نذرِ طوفاں ہو گئی کسکی جوانی ہائے ہائے
ساحلِ گنگا یہ روتی ہو قضا کس کے لئے
خاک اُڑاتی پھرتی ہو سرپہ صبا کسکے لئے
آسماں گردش میں ہے کسکو مٹانے کے لئے
پھر رہا ہے اِک نہ اِک فتنہ اُٹھانے کے لئے
چادرِ آبِ رواں میں مُنہ چھپانے کے لئے
جا رہا ہے کون یہ گنگا نہانے کے لئے
لیجلا موجِ فنا بنکر یہ کس کو جوشِ سوق
حلقۂ گرداب ہیں کھولے ہوئے آغوشِ شوق
کس کا بیڑا غرق امواجِ فنا ہونے کو ہے
کس کا سایہ تجھسے او ساحل! جُدا ہونیکو ہے
دِل میں ماتم آرزؤں کا بپا ہونے کو ہے
آہ! اے دردِ تمنا! آج کیا ہونے کو ہے
دِل یہ کہتا ہے کہ آنکھوںسے ٹپک جاؤنگا بس
صبر کہتا ہی کہ پہلو سے کھسک جاؤنگا بس
کہتے ہیں آنکھوں کے فوّارے اُچھل جائینگے ہم
اشک کہتے ہیں کہ دامن پر مچل جائیں گے ہم

دِل کے داغوں کا تقاضا ہے۔ کہ جل جائینگے ہم
نالے کہتے ہیں کہ گھبرا کر نکل جائیں گے ہم
دستِ ماتم کا اشارہ ہے کہ داماں چاک ہو
پنجۂ وحشت یہ کہتا ہے گریباں چاک ہو
بیکسی کہتی ہے صحرا میں اُڑا کر سر پہ خاک
جا رہی ہے خُلد کو یہ آہ! کس کی روحِ پاک
ہے لہو کی بُوند پہلو میں دِل اندوہ ناک
جائے صبر و سکوں ہے کس کے غم میں چاک چاک
آتشِ غم سونا پڑا کس کا لبِ ساحل ہے آج
کسکی جھوٹی سی کٹی اُجڑی ہُوئی منزل ہے آج
خُلد سے ہے کسکو لینے کو قضا آئی ہُوئی
ساحلِ گنگا پہ ہے۔ غم کی گھٹا چھائی ہُوئی
ڈوبتی ہے کس کی کشتی آج چکرائی ہُوئی
موجِ قسمت کی طرح اک اک ہے بل کھائی ہُوئی
آشنا دریا سے قطرہ کون سا ہونیکو ہے
اشتیاقِ مہر میں شبنم فنا ہونے کو ہے
آہ! اِک تشنہ لبِ ذوقِ نما ہائے! ہائے!!
ہو غریقِ رحمتِ حق رام گنگا ہائے! ہائے!!
کھا کے طُوفانِ حوادث کا تھپیڑا ہائے! ہائے!!
بحرِ موجوں میں ہو گُم اِک دُرِّ یکتا ہائے! ہائے!!
ہائے! اب کیا کہکے سمجھائیں دِلِ ناکام کو

رَم رہا ہے رامؔ میں لائیں کہاں سے رامؔ کو
خاک میں کس کو ملایا آہ! تُونے آسماں
کس پہ ٹُوٹا ہائے! تُو اے دستِ مرگِ ناگہاں
شرق میں جس کی چمک تھی زیبِ تاجِ عزو شاں
خاک میں ہے آہ! اس وہ گوہرِ یکتا نہاں
موتیوں سے یُوں ترا اے قوم خالی تاج ہو
جَنّت تری آرزوؤں کا چمن تاراج ہو
ہمنفس جُز نالہ و آہ و بکا کوئی نہ ہو
دستگیر اے دستِ بیدادِ قضا کوئی نہ ہو
جوشِ طُوفاں ہو بپا اور آشنا کوئی نہ ہو
موج دریا ہو کمین میں ناخُدا کوئی نہ ہو
ہو فنا طُوفان میں اِک زندۂ جاوید قوم
آہ! یُوں گنگا میں ڈوبے کشتیٔ اُمیدِ قوم
اپنا بیڑا ہو گیا جب غرقِ طُوفانِ فنا
ہم کو کیا! باندھا کرے بادِ مُراد اپنی ہَوا
قوم کی کشتی کا کشتی بان ہی جب اُٹھ گیا
سر کو موجیں آکے اب ساحل سے ٹکرائیں تو کیا
ہم کو کیا لاکھوں برس شور و فغاں اُٹھا کرے
ساحلِ گنگا سے آہوں کا دھُواں اُٹھا کرے
ایسا نقشِ دِلنشین اور تُو مٹائے آسماں
ایسا موتی اور مٹی میں ملائے آسماں

ایسا رخشندہ چراغ اور تو بجھائے آسماں
ایسا تابندہ ستارہ! ڈوب جائے آسماں
جس نے قومی آسماں کو ہوں لگائے چار چاند
خاک میں چھپ جائے وہ ای چرخ ناہنجار چاند
بے نشاں ہو آہ! ایسا تاجِ شہرت کا نگیں
ایسا دُرّ بے بہا ہو آہ! پیوندِ زمیں
ایسا عارف گوشۂ مرقد میں ہو خلوت گزیں
ایسا نفسِ مدعا پامال ہو جورِ چرخِ بریں
خاک کا پیوند ایسا گوہر نایاب ہو
ایسا تیرا آہ! گنگا میں غریقِ آب ہو
جاں نثارِ قوم ایسا غرقِ طوفاں آہ! ہو
ایسا جاں بارِ وطن آنکھوں سے پنہاں آہ! ہو
ایسا مجموعۂ نعوت کا پریشاں آہ! ہو
بے چراغ اے قوم! یوں تیرا شبستاں آہ! ہو
داغ ہو تیرے جگر کا سری منزل کا چراغ
بجھ کے ہو جائے ہیں ٹھنڈا تیرے محفل کا چراغ
بے صدا زیرِ زمیں اے قوم! تیرا ساز ہو
اور شوقِ شمع میں تو گوش برآواز ہو
حلقۂ گرداب بنے ہے۔ دیدۂ غماز ہو ؟
غرقِ دریا ہو وہ موتی جس پہ تجھکو ناز ہو
ڈوب جائے یک بیک جی تیرے جانِ ناز کا

دِل نہ بیٹھے آسمانِ تفرقہ پرواز کا

نذرِ طوفانِ اجل اِک گوہرِ نایاب ہو

تیری موجوں کا نہ زُہرہ رام گنگا آب ہو

جوشِ یم ہو- شورِ طُوفاں ہو- کفِ سیلاب ہو

آسماں کی آہ! گردش-گردشِ دُولاب ہو

غرق ہو اِک نوجوان افسوس! ساحل کے قریب

بیٹھ جائے اک مسافر تھک کے منزل کے قریب

قوم کی چوٹی کا ہو اِک پھُول پیوندِ زمیں

اُف! تری نیرنگیاں اے گردشِ چرخِ بریں

جس کی منزل آہ! ہو جلوہ گہ نُورِ یقین

ہو گہن میں وُہ سپہرِ قوم کا ماہ مبیں

جس کے دلمیں گرمیٔ حُبِّ وطن کا جوش ہو

وُہ چراغِ قوم اے بادِ اجل! خاموش ہو

جس کی کرنیں چارسُو مغرب میں ہوں جلوہ فشاں

ایسا سُورج ڈوب جائے شرق میں یوں ناگہاں

ہو محبتِ قوم ایسا خاک میں ہے ہے! نہاں

ایسا پروانہ ہو اَے سوزِ تمنا! آتش بجاں

آہ! ایسا بُلبلِ رنگین نوا خاموش ہو

ایسی دلکش! ایسی جاں پرور صدا خاموش ہو

نذرِ طوفان آہ! یوں اِک جاں نثارِ قوم ہو

شامِ ماتم-جلوۂ صبحِ بہارِ قوم ہو

اے زمیں! یوں تیرے ہاتھوں سے فشارِ قوم ہو
اے فلک! یوں غم سے تیرہ روزگارِ قوم ہو
ہو سپہرِ قوم پر غم کی گھٹا چھائی ہوئی
تیرہ ہو یوں جوشِ ماتم کی گھٹا چھائی ہوئی
آہ! ایسے پھول پر ہو وقت چھا جائے خزاں
ایسا نخلِ آرزو ہو آہ! ماتم کا نشاں
ایسا دُرِّ بے بہا پانی میں ہو یوں رائیگاں
خاک میں ہو دفن ایسا آہ! گنجِ شائیگاں
ہاتھ سے گم آہ! ایسی دولتِ جاوید ہو
شامِ غم۔ صبحِ بہارِ جلوۂ اُمید ہو
ایسا ظلِّ عاطفت اُٹھ جائے سر سے آہ! قوم
ایسا محسن اور پنہاں ہو نظر سے آہ! قوم
باز آئے آسمانِ دوں نہ شر سے آہ! قوم
ہو کدورت ایسے پاکیزہ گہر سے آہ! قوم
ایسا موتی تاجِ شہرت سے ٹپک کر گر پڑے
بنکے آنسو یوں زمیں پر ایسا گوہر گر پڑے
منزلِ ہستی سے ایسا رہنما جاتا رہے
چارہ سازِ قوم اے دستِ قضا جاتا رہے
غرقِ دریا ہو کے ایسا آشنا جاتا رہے
قوم کی کشتی کا ہے ہے! ناخدا جاتا رہے
ہو گنہگاروں کا بیڑا پار کیونکر دیکھئے

موج ہے اِک اِک جنگل جا بنگو اژدر دیکھئے
چھا رہی ہے سر بہ سر تا سر نحوست کی گھٹا
اور مسلّط قوم پر ہے خوابِ غفلت کی گھٹا
رنگ لائے دیکھئے کیا جوشِ نکبت کی گھٹا
اُٹھ گئی افسوس سر سے ابرِ رحمت کی گھٹا
قوم کے سوکھے ہوئے دھانونکو اب سینچیگا کون
ایسے وحشت خیز میدانوں کو اب سینچیگا کون
دیکھئے ہیسے گنہگاروں کا کیا ہونا ہے حشر
حشر کے دن ہم سیہ کاروں کا کیا ہونا ہی حشر
دشمنِ جاں ہے فلک ۔ یاروں کا کیا ہونا ہی حشر
قوم کے مایوس بیماروں کا کیا ہونا ہے حشر
کہ رہا ہے اُٹھکے دردِ جان گدازِ قوم حیف
اُٹھتے جاتے ہیں جہاںسے چارہ سازِ قوم حیف
آہ! اے ہند! آہ! اے شوریدۂ سودائے غم
آہ! اے خانہ خراب! اے بادیہ پیمائے غم
سر بہ ہاموں دادہ و آوارۂ صحرائے غم
خارِ حسرت زیرِ پاء و آبلہ فرسائے غم
تیرے خوابِ عیش کی افسوس! یہ تعبیر ہو
نقشِ ماتم تو ہو ۔ غم کی آہ! تو تصویر ہو
غم کی چھریاں یوں ترے قلب و جگر کے پار ہوں
تیرے پہلو میں شگفتہ زخم دامن دار ہوں

خارِ حسرت آہ! یوں تیرے گلے کے ہار ہوں
خاک کا پیوند تیرے محسنِ غمخوار ہوں
آشنا یوں آہ! ڈوبیں تیرے ساحل کے قریب
تیرے پروانوں کا خاکستر ہو محفل کے قریب
تیرے ہمرو آہ! ہوں شہرِ خموشاں کے مکیں
تیرے حامی گوشۂ مرقد میں ہوں عزلت گزیں
اپنے غمخواروں کے غم میں تُو ہو یوں ماتم نشیں
دل میں ہو دردِ تمنّا۔ لب پہ ہو آہِ حزیں
ہو پریشاں تیرے جاں بازوں کی ویرانے میں خاک
یوں اُڑائے شامِ غم تیرے سیہ خانے میں خاک
اُٹھنے والے آہ! اُٹھ جائیں تری محفل سے یوں
لوٹتا ہو خاک پر تو اضطرابِ دل سے یوں
اُٹھ رہا ہو شورِ آوازِ جرس۔ منزل سے یوں
قوم کے موتی جدا ہوں دامنِ ساحل سے یوں
تیری کشتی آہ یوں گنگا میں بھر کر غرق ہو
تیری آیندہ تمنّاؤں کا دفتر غرق ہو
آہ! یوں کاہش میں ہوں اے ہند! تیرے باکمال
بن کے چمکیں آسماں پر بدرِ غیروں کے ہلال
جن کا سایہ قوم و ملت کے لئے ہو نیک فال
جلوہ گاہ قوم سے اُٹھ جائیں وہ روشن خیال
انجمن خاموش ہو اور انجمن آرا نہ ہوں

تشنہ لب ہوں بادہ کش اور ساغر و مینا نہ ہو
قوم ہو گم کردہ رہ اور رہنما کوئی نہ ہو
جز صدائے نالہ آوازِ درا کوئی نہ ہو
ہو نہ فرسخ کا نشاں اور نقشِ پا کوئی نہ ہو
کاروانِ غولِ بیاباں کے سوا کوئی نہ ہو
قافلہ گم گشتہ رہ ہو۔ وادی پُر خار ہو
خضرِ منزل ہو نہ کوئی کارواں سالار ہو
آہ! اے ہند! آہ! اے آماجگاہ تیرِ غم
آہ! اے صید جراحت خوردہ و نخچیرِ غم
آہ! اے منت پذیرِ نالۂ شبگیرِ غم
آہ! نقشِ نامرادی! آہ! اے تصویرِ غم
بیکسی کا تو ہو غم آلود مبتلا خاک پر
نقشِ حسرت ہو ترا نقشِ تمنا خاک پر
تیری کشتِ آرزو سے آسماں کو لاگ ہو
برقِ خرمن سوز کو- بادِ خزاں کو لاگ ہو
شہرگِ جاں سے تری نوکِ سناں کو لاگ ہو
تیرے بیماروں سے مرگِ ناگہاں کو لاگ ہو
چارہ سازِ قوم ہوں یوں وقفِ بیدادِ اجل
تاک کر یوں تیر مارے دل پہ صیادِ اجل
آسماں ہو در پئے فکرِ گزندِ قوم جیعنبا!
ہو بسانِ بید بکھرا بند بستِ قوم جیعت

درد دل سے لوٹتے ہوں درد مند قوم جنت!
سو رہتے ہوں بجیب درماں پسند قوم جنت
بادہ کش خونِ جگر پیتے ہوں اور ساقی نہ ہو
خم میں کچھ دو چار قطروں کے سوا باقی نہ ہو

سرور جہاں آبادی

وفاتِ سوامی رام تیرتھ

(از ڈاکٹر شیخ محمد اقبال صاحب ایم۔ اے۔ پی۔ ایچ۔ ڈی بیرسٹر لاہور)

ہم بغل دریا سے ہے اے قطرۂ بے تاب تو!
پہلے گوہر تھا بنا اب گوہرِ نایاب تو
آہ! کھولا کس ادا سے تو نے رازِ رنگ و بو
میں ابھی تک ہوں اسیرِ امتیازِ رنگ و بو
مِٹ کے غوغا زندگی کا شورشِ محشر بنا
یہ شرارہ بجھ کے آتشخانۂ آذر بنا!
نفیِ ہستی اِک کرشمہ ہے دِلِ آگاہ کا
لا کے دریا میں نہاں موتی ہے الا اللہ کا
چشمِ نابینا سے مخفی معنئ انجام ہے
تھم گئی جس دم تڑپ سیماب سمِ خام ہے
توڑ دیتا ہے بتِ ہستی کو ابراہیمِ عشق
ہوش کا دارو ہے گویا مستئ تسنیمِ عشق
کیا کہوں زندوں سے میں اُس شاہدِ مستور کی
دار کو سمجھے ہوئے ہیں جو سزا منصور کی

کاندریں راہ یکقدم از خود گذشتن منزل است

یعنی محبت کے راستہ پر چلنے والے اشخاص کو میرا پیغام پہنچا دو کہ اس راستہ میں ایک قدم اپنے آپ سے گزر جانا ہی منزل ہے
رام کی زندگی ناسنکلتا کے بڑے زبردست پہاڑ کو معمولی سی جنبش سے گرانے کا زور رکھتی ہے :-

رام کی تعلیم (inactivity) بے کاری - سستی - کُجرمنتا کا سبق نہیں پڑھاتی بلکہ اعلیٰ (superactivity) عمل و حرکت کے راز کو کھولتی ہے - وہ ضرور اس محدود خودی سے علیحدگی کا اقرار کرتی ہے - لیکن اس طاقتِ لازوال سے ایک ہونے کا راستہ بھی اسی انکار یا ترکِ خودی میں ہی موجود ہے :-

سے مزا رکھتا ہے زخمِ خنجرِ عشق
کبھی اسے بوالہوس کھایا تو ہوتا

قطرہ کو دریا سے ملانا اور ذرہ کو صحرا سے ایک کرنا رام کی تعلیم کا ماخذ ہے - پھر اگر قطرہ اپنے active (جنبش - متحرک) ہونے کا دعوے کر سکتا ہے - تو کیا واصلِ دریا قطرہ بیکار کہلا سکتا ہے - وہی instrument (آلہ) ایک ذی شان اور ذی علم کے ہاتھ میں آکر ایک عجیب و غریب کام کر سکتا ہے

سے ترک خودی کی عادت کو اور قطرے سے دریا بن جا
ہو محو ذرا اصلیت میں اور ذرے سے صحرا بن جا
کیا آہو کے صحرا ہے نیچ جو ٹٹولا ہے یوں نافہ کو
کیوں جنگل میں سرگرداں ہے تو اپنا ہی شیدا بن جا

رآم نے اگرچہ اُس ہیکر خاکی سے علیحدگی کرلی ہے۔لیکن اُن کی زندگی اُن کی تعلیم کے ایک ایک لفظ سے ظاہر ہو رہی ہے۔اُنکی آواز بھی خمخانۂ رام کے سب سے پہلے صفحہ پر اس طرح ہے:

؎ بیا اے شیخ در خمخانۂ ما
شرابے خور کہ در کوثر نباشد

واقعی رآم کی تعلیم جہان رنج و الم میں سنجام راحت ہے
ع اے نصیحت گو خُدا را رُو ببیں و رو ببیں

سوامی نارائن جی مہاراج کا تہ دل سے شکریہ کرنا پڑتا ہے۔ جنہوں نے اِس نایاب خزانے کو اس قدر قربانی سے لوگوں کے سامنے رکھا جس سے کہ کئی دِلوں سے افلاس کا عالم دُور ہُوا اور ہو رہا ہے۔اور ہوتا رہیگا:

ناظم
غلامِ رُوئے زمین

اوم

(۱) کونسا گوہر لئے گنگا میں جا لٹتا ہے تُو
جس کے نازِ حسن کا شیدا ہے ابتک اِک جہاں
(۲) تیری صورت کا تصور دِل تو باندھے ہی مگر
تو اُٹھاتا ہی نہیں ہے۔جادرِ آبِ رواں
(۳) آہ! کیا اعجاز طُرفہ تیری پنہانی سے ہے
دِل اسیرِ جسم ہیں پنہانِ بحر بیکراں
(۴) تیرے اُس نازِ تبسم نے لگادی آگ سی
جلتے جاتے ہیں کئی شیدائے وصفِ جاوداں

(۲۶) از میانِ ساغرِ تن بادہ ات نوشیدۂ
ساغرت بر سنگ کردہ خویش را پوشیدۂ

(۲۷) بہرِ دیدِ مادۂ گلگونِ تو غوغا پدید
چون بعالم قطرۂ بیتاب با دریا رسید

(۲۸) اے نسیمِ شوقِ ہر دل! رسمِ خوش بردوش کن
نغمہائے اوم و سوہم درجہانِ گوش کن

(۲۹) نقش تھا جو بحر پہ وہ بحر کا جاتا رہا
کیا گیا؟ بس اِک تعیّن اور کیا جاتا رہا

(۳۰) وہ صدائے نغمۂ دلکش جو تھی اُس ساز سے
ہو گئی وابستۂ گوشِ جہاں کس ناز سے

(۳۱) ساز گر ملتا نہیں وہ تو بجا لے دوسرا
نغمۂ سازِ تنفّس میں بتلا ہے فرق کیا

(۳۲) دامنِ صدائے بلبل سے نکل بھاگا ہی گل
دل میں جا ساکن ہوا اور عندلیب آسا ہی گل

(۳۳) غائتِ نزدیکیٔ ہر دو مثالِ ہجر شد
زین سبب پیدا بعالم این سوالِ ہجر شد

(۳۴) گرمیٔ پروانۂ دل شد نمودِ شمع رُو
سوزشِ بیتاب قطرہ درمیانِ بحر و جُو

(۳۵) از فسونِ اشک چشمم شد ہویدا شکلِ رام
درمیانِ آبِ گنگا جلوہ پیرا شکلِ رام

(۳۶) تو برائے شمعِ سوزاں عاشقِ پروانۂ

بہر دید جلوہ اش از خویشتن بیگانہ
(۳۷) اندرونِ سینہ اش ہم بادہ و پیمانہ بود
بہر جانِ میکشاں او نیز ہم میخانہ بود
(۳۸) تو طرازِ خوبئی توحید را نمودۂ
وز میانِ گیسوئے او راہ را بیمودۂ
(۳۹) از ہمالہ راز ہائے رمز وحدت آمدی
بہر گوشِ دل بعالم دُرِّ حکمت آمدی
(۴۰) تو برائے مُردہ قالب آبِ حیواں آمدی
بہر رازِ شوقِ جاناں منزلِ جاناں آمدی
(۴۱) تو میانِ نورِ وحدت شمع و پروانۂ
شمع را پروانہ و پروانہ را جانانۂ
(۴۲) بہرِ شوقِ بادۂ تو مستِ مے ہشیار گشت
مبتلائے سحرِ چشمت نرگسِ بیمار گشت
(۴۳) بادہ تھا ہم بغلِ ساغر ہاتھ سے جاتا رہا
آہ اک نایاب گوہر ہاتھ سے جاتا رہا
(۴۴) تشنہ چشمانِ جہاں کا آب تھا جاتا رہا
نو بہار اِک جلوۂ بیتاب تھا جاتا رہا
(۴۵) شورشِ مینائی دِل ناطقؔ کر پنہاں ساز
ورنہ ہو جائے نہ جنبش میں کہیں طوفانِ ساز

اوم

اوم

مختصر منظوم سوانح عمری سوامی رام معہ دیباچہ*

(از قلم منشی دوارکا پرشاد صاحب اُفق لکھنوی)

دیباچہ

س ۵ مدد کرتا ہے ایشور جسکے ماں باپ
اُسی کی جو مدد اپنی کرے آپ

دل آزادگان منت کس اہل کرم نبود
نباشد احتیاج آب در یا نخل خودرو را

ارادہ نہ تھا کہ اس مجموعۂ تصنیفات گُہر کے ساتھ گنجینۂ جواہرات سخن جس میں پرمہنس سوامی رام تیرتھ مہاراج ایم۔ اے کی مختصر منظوم سوانح عمری اور اپنی سچی عقیدت و محبت کا تذکرہ بھی ہے۔ شامل کیا جاتا۔ بلکہ ایک علیحدہ پبلک بطور ٹریکٹ رام ریمیوں اور پبلک کی سیوا میں بطور تحفۂ پریم پیش کرنے کی آرزو تھی۔ چونکہ سوانح عمری سوامی رام تیرتھ مہاراج طبیعت کے یکدم منتشر ہو جانے سے مکمل نہ ہو سکی۔ اسلئے جو کچھ مختصر حالات ابتدائی تعلیم و تربیت کے ذہن نشیں ہو سکے۔ یکجا کرکے مجموعۂ تصنیفات کُل کے ساتھ شامل کرنا ہی مناسب معلوم ہُوا۔ سوامی رام تیرتھ مہاراج کا مکمل جیون چرتر معہ اُپدیش و دیگر اثر کلام ہندی

---

* اگرچہ یہ دیباچہ گُہر صاحب نے اپنی مجموعہ تصنیفات مشمولہ مختصر سوانح عمری رام پر لکھا ہے۔ لیکن ہم نے دیباچہ ہذا کا صرف اتنا ہی حصہ یہاں دیا ہے جسکا واسطہ مختصر حالاتِ زندگی سوامی رام سے ہے۔

اُردو۔ اور انگریزی پُستکوں میں کئی حصوں میں طبع ہو کر مقبولِ عام ہو چکا ہے۔ اُن کے ہونہار ششیہ شری نارائن سوامی نے جس جانفشانی۔ ہمت اور استقلال کے ساتھ اُن کی تصنیفات کو یکجا کر کے صحیح واقعات اور کارنامجات پبلک کے سامنے پیش کئے ہیں اور اُن کی یادگار قائم رکھنے میں رام پریمیوں کی دلبستگی کا اہتمام کیا ہے۔ حقیقتاً تمام محاسن اور خوبیوں کا اُنہیں کے سر سہرا ہے۔ یہ چھوٹی سی پُستک پریم کا تحفہ بھی اُنہیں کے سمرپن کرنا بہتر ہوتا مگر یہ خیال کر کے کہ ایک مختصر سی نظم سوانح عمری وہ بھی نامکمل نارائن سوامی یا رام بھگتوں کی وسیع نگاہ میں کیا آ سکیگی اور اُن پر اس کا بارِ طبع ڈالکر خود سبکدوشی کا اظہار پست ہمتی کی دلیل ہوگی۔ مجھے نارائن سوامی کی سوانح میں کتاب پیش کرنے کی جُرأت نہ ہوئی۔ مہان پُرشوں کا جیون چرتر لکھنا۔ خصوصاً نظم میں۔ مکمل واقعات بغیر مبالغہ قلمبند کرنا پھر زبان اور محاورے کا لحاظ رکھتے ہوئے۔ اگرچہ محققین اہلِ سخن کی نگاہ میں مثلاً مہاکوی گوسائیں تلسی داس جی وغیرہ کے آگے بڑی بات نہیں اللہ فی زمانہ مجھ ایسے کم علم اور معمولی دل و دماغ کے آدمی کے لئے ایک ایسے عالم باعمل سنیاسی کا جیون چرتر لکھنا جس کی عظمت اور شہرت کا ڈنکا چار دانگ عالم میں بج چکا تھا اور جس کے دلکش لکچر اور پریم کے معجزے لاکھوں نہیں بلکہ کروڑوں دلوں پر سکہ بٹھا چکے تھے۔ نہ صرف ہندوستان بلکہ مصر جاپان اور امریکہ تک جس کی عالمگیر محبت کے راگ کانوں میں گونجکر ہزاروں کو وارفتہ و شیدا بنا چکے تھے۔ کوئی آسان

کام نہ تھا پھر ایسی حالت میں کہ غلامی کے میلے کچیلے کپڑے ہمیشہ بدن پر زیب تن رکھتے ہوئے۔گدڑی میں لعل چھپا ہے۔ ریلوے ملازمت میں رہکر ہر موقعہ و محل کے مطابق مختلف خیالات پر طبع آزمائی کرنا۔دوست احباب کی فرمائشات بیغرضانہ پوری کرنا۔گرہست آشرم کے فرائض پر نظر رکھتے ہوئے کیونکر ممکن تھا کہ کُل فرائض کی انجام دہی میں ثابت قدم رہ سکتا۔اِسلئے ناظرین کتاب خصوصاً رام پریمیوں اور لائق مصنفوں سے خواستگار معافی ہوں۔ نیز اپنے پیارے رام۔ زندہ جاوید رام کے سامنے محجوب ہوں کہ میں مکمل سوانحعمری لکھنے میں اپنا فرض انجام نہ دلسکا اور دُنیوی مکروہات کا شکار ہوکر اپنے آپ کو پیارے سوامی رام تیرتھ مہاراج کا سِشش کہانے کا حقدار نہ ہوسکا۔

ع مجھ سا جلنے میں نہ ہوگا کوئی غافل ٹرھکر
گر پڑے ہیں مرے دامن کی گرہ کُھلکے گہر

اوّل اوّل مجھے شری سوامی رام تیرتھ مہاراج کے چرنوں سے مرکم ہونے کا سبب یہ ہُوا کہ میں ۱۹۰۲ء سے جبکہ محض نومشق سخن تھا۔شاعری کی دُھن میں بعض مُلک کے معزز اُردو اخبارات میں اپنا کلام بھیجتا رہتا تھا۔اُن میں کسی کسی اخبار میں مثلاً زمانہ و ہندوستانی وغیرہ میں سوامی رام تیرتھ مہاراج کے پُراثر مضامین پڑھ پڑھکر رُوحانی کشش مجھے اُن کے چرنوں میں گرنے اور اُن کا سِشش ہونے کے لئے اپنی طرف کھینچتی تھی میرے والد بزرگوار منشی روشن لال صاحب لکھنوی اور فرشتہ

سیٹھ ماما دیوان دینا ناتھ صاحب جوکہ میرے بچپن میں ہی میری خدا داد طبیعت دیکھکر کہا کرتے تھے۔کہ یہ شاعر ہوگا۔ میری کم عمری کے زمانہ میں ہی وفات پا چکے تھے اور میں زیرسایہ شفقت والدہ ماجدہ اپنے بھائیوں کی زیر نگرانی تعلیم و تربیت پاتا رہا:۔

بوجہ ناواقفیتِ زمانہ و پریشان حالی تحصیلِ علوم سے زیادہ بہرہ ور نہ ہو پایا تھا کہ شوقِ شاعری روز بروز افزوں ہوتا گیا۔اور اصلاح سخن کے لئے ایک مُربّی بزرگ شاعر عالیجناب راجہ عنایت سنگھ صاحب عنایت لکھنوی رئیس و تعلقہ دار بریلی سے جنکا نوحۂ وفات میری کتاب میں شائقین کے معائنہ سے گذرے گا مجھے تلمذ کا موقع ملا۔ ان کے فیض تلمیذ سے میرا حوصلہ بڑھتا رہا۔ البتہ تحصیلِ علم انگریزی کی طرف بہت معمولی توجہ رہی٭

اگست سنہ ۱۹۰ء میں بعد وفات راجہ عنایت سنگھ صاحب عنایت مجھے اپنے ایک عزیز ملک الشعرا حضرت آرزو لکھنوی و جناب ثاقب لکھنوی سے اصلاح کا سابقہ رہا۔اسی زمانہ سے اخباری دنیا میں قدم رکھکر مختلف اخبارات کی نامہ نگاری اور اخبار نویسی کا شوق ترقی کرتا گیا۔ سوامی رام تیرتھ مہاراج کے منوہر ویاکھیان اخبارات میں پڑھ پڑھ کر اُن کے چرنوں سے پریم بڑھتا گیا اور میرا دِل اُن کا شِشّیہ بننے کے لئے آرزومند ہُوا:۔

میری یہ دلی خواہش عملاً پوری نہ ہونے پائی تھی اور مجھے اُن کا شِشّیہ ہونے کا شرف حاصل نہ ہو پایا تھا کہ اگست سنہ ۱۹۰ء کے رسالہ آزاد لاہور میں ایک مضمون بعنوان زندہ جاوید رام

از مسٹر ہرگوبند پرشاد نگم دہلوی جن کے چند موثر فقرات درج ذیل ہیں میری نگاہ سے گذر کر میرے دل پر اثر انداز ہؤا۔ اور آنکھوں میں آنسو ڈبڈبا آئے۔

زبان پہ بارِ خدایا یہ کس کا نام آیا
کہ میرے نطق نے بوسے میری زباں کے لئے

ہمارا محسن شفیق۔ ہمارا محب رفیق ہمارا رام جس کی ایک اُلفت بھری نگاہ دلوں کو موہ لیتی ہے اور جس کا ایک نعرۂ اوم ہزارہا مردہ دلوں میں راستی اور نیکی کا بیج بو دیتا تھا۔ جس کے درشن سے انسان ہرک سے تھے اور جس کی صحبت آدمی کے چال چلن کو ٹکسالی اور مسالی بنا دیتی تھی۔ ہم سے قریب قریب ایکسال کے ہؤا ہے رُوپوش ہو گیا ہے۔ دن مہینے سے زیادہ ہو گئے کہ اس بلبل ہزار داستاں کی میٹھی میٹھی آواز مشتاق کانوں میں نہیں پڑی اور نرگس دار منتظر آنکھوں نے بھی اُس بدرِ کامل کے نورانی چہرہ کا جلوہ نہیں دیکھا۔ جس کی تجاعیتں گذشتہ ماگھ دس ماہ کے قبل ہزاروں آنکھوں کو نورانی بناتی تھیں۔ اُس گُل رعنا کی خوشبو خوشگوار نے اس عالم اسفل کو مدت ہوئی معطر کرنا چھوڑ دیا۔

اس بُلبل خوشگو نے ابھی اس چمن سے پرواز کیا ہی تھا کہ تمام بنیچر نے ماتمی لباس خزاں زیب تن کیا اور کوہ دماووں اشجار و انہار سے یہ وحشت انگیز صدائیں آنے لگیں کہ ہمارا عاشقِ زار ہمارا دلدادہ و شیفتہ۔ ہم پر مرنے والا آہ ہم سے جُدا ہو گیا۔ مدت سے جس کے وصل کے واسطے تڑپتے تھے۔ آآ اور دودو ذرہ خوشی بخشکر پھر

جلتا پھرتا نظر آیا۔ ہائے وصل کے مزے کو بھی اچھی طرح سے محسوس نہ کیا تھا کہ ہجر کا صدمۂ جانکاہ ہماری جان کے واسطے موجود ہو گیا۔ خیر معشوقوں کا ماتم بین و بکا تو عارضی ہونا ہی ہے۔ سنگین دِل نیچر نے تو چار ماہ ہی کے بعد اپنی ماتمی پوشاک کو پھاڑ کر پھر اپنا لباس بہار زیب تن کیا۔ وُہی سُرخ سُرخ پھول ہرے ہرے پتے اور لہلہاتی ہُوئی سبزی کے پردوں میں چھپ چھپ کر اپنی چھب دکھانے لگی۔ اور عاشقوں کے دِلوں میں جوشِ جنوں پیدا کرنے لگی۔ مگر رام ہمارے رام تُو ہی تو بتا کہ اُن دلوں کی خزاں کو کونسی بہار دُور کر سکتی ہے جو جانتے ہیں کہ تیرا وجود میرے مُلک کی مُلکی و دینی خزاں کے واسطے بہار تھا۔ کاش کہ موجودہ وحشت انگیز مُلکی واقعات پر تیری دُوربین اور وسیع نظر پڑتی۔ تو ہمارے محزُوں اور مُردہ دِلوں کو اپنی ذاتی خوش نفسی سے مسیحا وار تازہ رُوح بخشتا۔ اور ہم کو اپنی خندہ پیشانی سے اوم گا کر بتلاتا کہ :-

ع جہاں نماند و چنین نیز ہم نہ خواہد ماند

کچھ اُمیدیں پیدا ہوئیں۔ کچھ طبیعتیں بڑھتیں۔ اِدھر تیری زندہ مثال خود ایثارِ نفس کشی اور محبت عالم کا سبق ہر روز تازہ پڑھا کر مایوسی سے بچاتی اور کہتی :-

ے گنگبیر صفت جو سر ترا سینگے عدو
نام اپنا بھی مثل شمع روشن ہو گا

رام کی جُدائی کا صدمہ۔ اُس کی صحبت پاک اور تلقین حال سے جو دُنیا کو فیض پہنچ رہا تھا اُس کا رنج۔ اپنے مُلک کی مُلکی حالت اور

موجودہ تکالیف اور بدبختی جس نے بڑے بڑے لائق مدبروں کے دلوں کو سیاہ اور بڑے بڑے انصاف پسند دل۔ عاقلوں کو ہو فوقت اور غیر الفداف پسند بنا دیا اور غرض ایسے ہی ہمت سے آلام کے خیالات پریشان کنی میں مبہوت تھا کہ عالم خواب میں گذر ہو گیا تو کچھ نئے عقدے کھلنے شروع ہوئے اور دیکھا کہ ایک چمن وسیع میں سیر کر رہا ہوں اس پھول کو دیکھتا ہوں اس پھول کو دیکھتا ہوں مگر طبیعت سیر نہیں ہوتی کہ یکایک سامنے نظر اٹھا کر دیکھتا ہوں تو معلوم ہوتا ہے وہی مسکراتا ہوا چہرہ وہی اوم گاتے ہوئے لب۔ وہی محبت بھری ہوئی نگاہیں۔ وہی ملے ہوئے ہاتھ جو ہر کس و ناکس کو اتحاد اور یکجہتی اور وحدہٗ لاشریک کا سبق پڑھاتے ہیں۔ کثرت میں وحدت دکھاتے ہیں۔ وہی سنہری چشمہ صاف رنگ جس میں رام سب کے وجود اصلی کو دیکھتا تھا۔ تختِ نور بر جلوہ کناں سامنے موجود ہے۔ سر تسلیم خم ہو گیا۔ پاک قدموں کو بوسہ دیکر اپنی زندگی کو پاک کیا۔ اور چشم زدن میں اپنے آپ کو پیارے رام کے آغوش میں پایا۔ ایک جنّ ایک مسکراہٹ ایک لب کے اشارے سے تمام کلفتیں دور ہو گئیں۔ اور تمام آلام خیرباد کہہ گئے امید کا خوشنما چہرہ سامنے نظر آنے لگا کیونکہ رام نے اپنے دہن مبارک سے فرمایا (کیوں جی موت کی چاہت کو اتنی جلدی بھول گئے۔ رام کو کون مار سکتا ہے میں تمہارے ساتھ ہوں۔ نہیں۔ تم میں موجود ہوں۔ پورن و نارائن دہری وغیرہ سب میرے ہی تو وجود ہیں۔ مایوسی کو ہرگز جگہ نہ دو تکالیف کو مردانہ وار برداشت کرنا انسان کو بزرگ بناتا ہے۔ اور

جس قوم میں وہ پیدا ہوتا ہے۔ اُس کے لئے وہ باعث فخر ہوتا ہے۔
اتنا کہنے کے بعد سوامی رام فارسی کے مفصلہ ذیل غزل کے اشعار مست ہو ہو کر پڑھنے لگے:

تا شانہ صفت سر نہ نہی در تہ آرہ ۔۔۔ ہرگز نہ بسر زلف نگارے نرسی
تا ہمچو دُرِ سُفتہ نہ گردی با تار ۔۔۔ ہرگز بہ بنا گوش نگارے نرسی
تا خاک ترا کوزہ نہ سازند کلال ۔۔۔ ہرگز بہ لب لعل نگارے نرسی
تا ہمچو حنا سُودہ نگردی تہ سنگ ۔۔۔ ہرگز بہ کف پائے نگارے نرسی
تا ہمچو قلم سر نہ نہی در تہ کارد ۔۔۔ ہرگز بہ سر انگشت نگارے نرسی

۵ خاک در چشمے کہ او نشاخت حسن خوبیں را
مُردہ آں دل کو بلا گرداں نشد در وبیش را

ہمارا خیال ہے اور اس میں شک نہیں کہ یہ درست خیال ہے کہ آفتاب کے قریب ہو جانے سے ہم چوندھیا جاتے ہیں اور اُس میں جسقدر روشنی ہو اُس کا اندازہ نہیں کر سکتے۔

رام بیشک دُنیا کے اُن چند مہاپُرشوں میں سے ہے جن کے ذمہ دُنیا کی بہبودی اور بہتری کا اہم کام لگایا جاتا ہے۔عظمت کا اندازہ اُس کے گاؤں والے بہت کم اور اُس کے مُلک والے کسی قدر۔ اور غیر مُلک والے بہت کچھ زیادہ کر سکتے ہیں۔ مگر رام کی پُوری پُوری عظمت کئی صدیوں کے بعد معلوم ہو گی۔ جبوقت آیندگان کو معلوم ہو گا کہ اسکی مثال صدیوں سے پیدا نہیں ہوئی۔ اور اُس کی تعلیم و تلقین جو موجودہ زمانہ سے کئی صدی آگے ہے۔ سب سے افضل اور برتر ہے۔ اور حصول انسانات دُنیا

کی وُہ حالت ہے جس سے بہتر وہم و خیال میں نہ آسکے۔

آئیڈل سوسائٹی کا سچا اور اکیلا ذریعہ۔

ہرگوبند نگم

مندرجۂ بالا مضمون کا اثر بھی میرے دِل پر کچھ کم نہ پڑا تھا جبکہ اُس سے پہلے ہندوستانی اخبار لکھنؤ میں بالو گنگا پرشاد ورما کا لکھا ہُؤا آرٹیکل جس میں سوامی رام تیرتھ مہاراج کے گنگا کی لہروں میں انتردھیان ہونے کی خبر دردناک تھی۔ بڑھکر میرے دل پر چوٹ لگی۔ صدمہ پہلے ہی سے تھا۔ یکدم وَیراگ طاری ہو گیا جوشِ جنُوں کی حالت اکثر گھر بار چھوڑ کر جنگلوں کی ہوا کھانے کو مجبور کرنے لگی۔ عالمِ خیال اور تصوّر میں سِری گنگا جی سے میں اپنے بلنی بھاگیرِ رام تیرتھ کے درشنوں کے لئے مچلا ہُؤا تھا۔ گویا اپنی آنکھوں سے آنسوؤں کی گنگا بہا رہا تھا کہ عالمِ بیخودی یا لَہو میں مجھے بارہا سوامی رام تیرتھ مہاراج کے درشن ہُوئے۔ اور خیالی مُورت بن بن کر بارہا امرت بھرے اپدیشوں سے سمجھا سمجھا کر میرے خیالات کو بدلتے اور تشفّی دیتے رہتے۔ مجھکو صحرانوردی کے ارادہ سے باز رکھتے ہُوئے ہر موقع پر ڈوبنے سے بچاتے رہے۔ ویراگ کی حالت میں جو جو واقعات اور حالات پیش آئے ہیں کاغذ کے پُرزوں پر قلمبند کرتا گیا۔ بلکہ رام اپدیش جو اس مختصر ٹریکٹ میں ہے تیں سمجھتا ہُوں کہ پیارے رام ہی کا منوہر اُپدیش ہے۔ میرا نہیں۔

بعض اوقات عالمِ جنوں میں میں اپنی کتابیں اور قلم پھینکدیتا تھا۔

اور کھلی ہوا میں اکثر ٹہلنے لگتا تھا۔ بمشکل میں اپنی طبیعت کو قابو میں لاسکا۔اور جو کچھ کہ اُس حالتِ ویراگ اور سادھنی میں قلمبند ہو سکا۔وہی گنجینۂ جواہراتِ سخن یعنی نظم سوانح عمری سوامی رام تیرتھ کے نام سے مجموعہ تصنیفات گھر میں شائع کردیا۔ سوامی رام تیرتھ کا آئیڈیل پیشِ نظر رکھکر مجھے اپنا چال چلن بہتر بنانے میں ذرۂ خورشید کا مقابلہ کرنا ہُوا۔اور اگرچہ رُوحانیت کی لہر میرے کمزور جسم کو تنکے کی طرح روانی میں بہا لیجانے کو کافی تھی مگر تعلقات کے دلدل میں پھنسا ہُوا پاؤں اپنے ہاتھ پاؤں مارنے سے کب اُبھرتا ہے۔مجھے ہر ہر قدم پر مُرشدِ کامل کے سہارے کی ضرورت پڑی اور ہر نفس سوامی رام تیرتھ مہاراج کا پاکیزہ کلام اور مقدّس نُورانی چہرہ زندگی کو بیش قیمت بنانے میں رہبر ہُوا۔ بامِ حقیقت تک پہونچنا اور سیڑھی بسیڑھی قدم رکھتے ہُوئے ہر منزل دُشوار گذار کو طے کرنا بغیر کِسی ہادئی کامل و عامِل راہِ معرفت کچھ ہنسی کھیل نہیں۔ اِسلئے سچے جگیاسُو یا متلاشئ حقیقت کو غیبی امداد اور ہر قدم پر رہبر کامل ملجانا بھی بعید از قیاس کب ہے

؎ جو آیا سامنے بس رکھدیا سر اُسکے قدموں پر
محبّت میں نہ سمجھا فرق کچھ بھی دوست دشمن میں

کچھ دنوں کُلیاتِ رام و درامِ برسنا پڑھ پڑھ کر آنند اور سُرور کی لہریں لیتا رہا اور اپنا دلِ بہلاتا رہا۔ کبھی قلم دوات اُٹھا کر پیارے رام سے نامہ و پیام کی ٹھہراتا۔ کبھی نسیمِ سحر کو نامہ بر اور قاصد ٹھہراتا؛

لائی ہے اے نسیم سحر کیا پیام رام
کس رنگ میں ہے مرا دل آرام نام رام

کبھی میں اشجار و انہار سے پیارے رام کا پتہ پوچھتا۔ کبھی بن کے چرندوں پرندوں کو اپنا ہمدم و ہمنفس سمجھتا۔

باغ کی چڑیوں اُڑ کے بتا دو کہاں ہے پیارا رام
بن کے درختوں ہل کے بتا دو کہاں ہے پیارا رام

قدرت کاملہ نیچر کی دلفریب سبزیاں ہر برگ و بر میں پیارے رام کا جلوہ دکھا دکھا کر مجھے محو اور سرمست کرنے لگیں۔ یہانتک کہ ایک رات کو مطالعہ کتب میں ہمہ تن مصروف ہوتے ہوئے۔ مجھے کتاب کے حرفوں میں رام ہی رام کی دلکش موہنی مورتیں مسکراتی ہوئی لبوں سے اوم اوم کے نعرے لگاتی ہوئی نظر آئیں یہ عین حقیقت ہے سوتا۔ بند یا نیم خوابی کی حالت میں نظر آیا تھا جبکہ مطالعہ کتب کرتے کرتے آنکھ یکدم جھپک گئی تھی۔ عالم خواب میں بارہا مجھے رام تیرتھ کے درشن اُپدیش کرتے ہوئے کبھی آنکھوں سے آنسو بہاتے ہوئے ملے۔ جب کبھی میری آنکھ سوتے سوتے کھل گئی تو اپنے آپ کو بھی روتا ہوا پایا۔ جب کبھی میرا دل زیادہ گھبراتا ایک کتاب انگریزی (لائف آف سوامی رام تیرتھ اینڈ ٹیچنگ) جو مجھکو از بس عزیز تھی اُٹھا کر پڑھا اور دل بہلایا کرتا تھا۔ قدرت کاملہ کی طرف سے اکثر فرشتہ سرشت بزرگ بھگوا لباس دھارن کئے تلقین و تربیت کرتے دکھائی دیئے اور کبھی کبھی عالم بالا کی گوردوں نے اپنا شنشش ہو جانے کی تلقین کی۔ مگر مرے میں سوامی رام تیرتھ مہاراج

کا سودا سمایا ہؤا تھا۔ اسلئے سب کی سُننا اور اپنی دُھنتا رہا۔
بلکہ پریم اور اکرسن کی کیفیت یہ تھی کہ بعض اوقات خیال کی طاقت (اِچھا شکتی) اور سنکلپ بھرتی سے ہر شے خود بخود مہیا ہو جایا کرتی۔ غالباً یہی اثر تھا کہ ایک یوگیشور کامل نے اپنے ایک ادھکاری سِنس کو مجھے سِتی بنانے کیلئے ہنچاناً میرے پاس بھیجا۔ جنہوں نے منجملہ بہت سے اور سینسوں کے مجھے بھی اپنے ماتحت سِنس بنانے کی خواہش اُپدیش دوارا ظاہر کی اور فرمایا کہ بغیر گورو نجات غیر ممکن ہے۔ اس لئے تم کو سِنس ہو جانا چاہئے۔ چونکہ پیارے سوامی رام تیرتھ کو میں سب سے پہلے مُرشدِ کامل اور ہر قدم پر اپنا رہبر تصور کر چکا تھا اِس لئے اُن کی تلقین اگرچہ باثر تھی مگر میں نے کچھ توجہ نہ کی۔ حتیٰ کہ یوگیشور کامل نے خود درشن دیکر میرے دلی شکوک کو رفع کر دیا۔ اگرچہ میں اُن سے بہت بیباکانہ اور لاپرواہی سے ملا۔ تاہم اُنہوں نے نہایت شفقت اور پریم سے میری ہر بات کو سُنا اور مقدس کتاب گیتا کے سِدھانت پر عامل ہونے اور گرہست آشرم کے فرائض کی انجام دہی کو مقدم فرض بتاتے ہوئے تھوڑا تھوڑا ابھیاس روزانہ کرنے کی ہدایت فرمائی۔ قِسمت۔ بصری گرہست آشرم کے فرائض کی انجام دہی۔ نیز دُنیوی بیوپاروں کو سرسری برتنے کے لئے مجھے آڈِٹ آفس آر کے ریلوے میں ماہ ستمبر ۱۸۹۸ء سے ۱۹۱۰ء تک معمولی تنخواہ کا کمتر کلرک رہنا پڑا۔ بارہ برس بامشقت کلرکی کا کام انجام دیتا ہؤا دن بھر دفتر میں کام اور کبھی کبھی کام کی زیادتی کی وجہ سے مکان پر

مختصر منظوم سوانح عمری

از

(قلم منشی دوارکا پرشاد صاحب گہر لکھنوی)

برارتھنا

وہ بھگتی مجھکو اے پرماتما دے
دوئی کا بھید جو دل سے مٹا دے

میں سب سے پہلے تیری بھگتی کا ماؤں
قلم لکھنے کو پھر آگے اٹھاؤں

میں رم کر تجھکو اپناؤں جہاں میں
تجھی میں رمتے میں ہو جاؤں سماہیں

اگر رکھنا ہے اپنے نام کی لاج
تو بر لا میرے من کی کامنا آج

نہ میں لذتِ نفسانی میں بھٹکوں
نہ مایا موہ کے بندھن میں اٹکوں

نہ چکر میں پھروں آواگون کے
رہوں اندھیرے بن میں سنرین کے

ہوں میں غافل راہِ خنفت
کروں طے منزلِ راہِ حقیقت

رہوں قیدِ علائق سے میں آزاد
سمجھ مجھکو بھی اپنا بھگت پرہلاد

دکھائے درشن دھروکو جیسے بن میں
وہی تو رم رہا ہے میرے تن میں

ترا جلوہ ہے ہر کون و مکاں میں
وہی تو ہے زمین و آسماں میں

بسا ہے تو ہی تو میری نظر میں
ترا پرکاش ہے برہمانڈ بھر میں

ترا ہی نور ہے شمس و قمر میں
چمن میں تجلی میں ہر برگ و بر میں

فلک پر جھومتی کالی گھٹا میں
گھٹا میں برق کی دلکش ادا میں

تو ہی تو جلوہ افزا چار سو ہے
جسے سمجھا ہوں میں کیا ستاسہ ہے تو ہی

جمالِ حسن و شوخی و ادا میں تو
جمالِ ماہ و تبسم دلربائیں تو

تجھے ہر رنگ میں مستانہ پایا
تجھے ہر شے میں پر پردا نہ پایا

جہاں دیکھوں وہاں ہے جلوہ گر تو
تسلیم تو ہے نظر تو ہے گہر تو

ملے بھگتی تو سب کچھ آگیا ہاتھ
حقیقت ہو گئی معلوم اپنی
یہ دنیا کیا ہے نقشہ خواب کا ہے
یہ مقصد آخری ہے زندگی کا
ہے جس کا نام نامی رام تیرتھ
سنا ہے موت جب سنسار اپنا
نظر حسرت کی دنیا پر پڑی ہو
تمنا ہے کہ چرنوں کا رہے دھیان
وہی ہو جل سمادھی کا نظارہ
کنول آسن لگا سطح آب
گھٹائیں برہم کی چھائی ہوئی ہوں
ہمارا رام پیارا زندہ جاوید
ہو جل دھارا میں یوں آسن جمائے
فلک تک گونجتی ہو اوم کی دھن
لب گنگا گروہ عاشقاں ہو
ہر اک سجود ہو مستانہ ادا میں
تصور ہو وہی اک چشم تر میں
کفن تن کا بنے ہردوار کی دھول

مجھے اب چاہیئے کیا اور اے ناظر
ہے دھوکا ہستئ موہوم اپنی
حباب اٹھا ہوا اک آب کا ہے
لکھوں جیون چرت اک مہرشی کا
سری بھگوان سوامی رام تیرتھ
گہر یوں ہو بجسم انجام اپنا
اجل تھمی لئے سر پر کھڑی ہو
دم آخر چھوٹیں جب مرے پران
ترنگوں میں ہو گنگا جل کی دھارا
حضور جھلتی ہو ہر اک موج گرداب
ہوا میں لہریں بل کھائی ہوئی ہوں
عیاں بحر شفق میں مثل خورشید
منی بر جیب یہ جیون دھونی رمائے
ہو دھن سن سن کے لہریں جل کی بیہوش
عجب کچھ دلربا پیارا سماں ہو
سریلی اوم کی دلکش صدا میں
ہو پھرتی موہنی مورت نظر میں
گہر کے رام گنگا میں چڑھیں پھول

اوم

زندۂ جاوید رام

کا

یومِ ولادت۔خاندان اور بچپن

ہے شب کی آمد آمد رخصتِ شام
چھپا مغرب میں ہے مہرِ گل اندام

دوالی کا ہے دن گھر گھر خوشی ہے
دلوں میں روح افزا روشنی ہے

دیئے گھی کے ہیں روشن مندروں میں
ہیں گھنٹے بجتے ٹن ٹن مندروں میں

چراغوں سے ہے گھر ہر ایک گلزار
منایا جا رہا ہے عام تہوار

مراری والا اک چھوٹا سا ہے گاؤں
نچھاور جس پہ برسانے کی ہر چھاؤں

یہاں اک برہمن کے گھر بعد ریم
اسی دن لکشمی پوجن کا ہے نیم

ہے اسکا نام ہیرا نند مشہور
گوسائیں برہمن ہے چشمِ بد دور

ہیں اسکے گھر خوشی کے ساز و ساماں
دیئے روشن ہیں رشکِ ماہِ تاباں

خوشی اک اور بھی ہے ہونے والی
دوبالا ہونا ہے جشنِ دوالی

نہ تھا معلوم ابھی کچھ دیر کا حال
چمکتا چاند سے بھی بڑھ کے اک لال

کہ بالائے سرش از ہوشمندی
درخشاں آفتابِ ارجمندی

کریگا اس بھرے گھر کا اُجالا
خوشی کا مرتبہ ہوگا دوبالا

خبر تھی کس کو یہ ننھا سا پیارا
بنے گا قوم کی آنکھوں کا تارا

مہینہ عدل کا تھا شبھ گھڑی تھی
اٹھارہ سو بہتر (۱۸۷۲) عیسوی تھی

بوقتِ شب دوالی بدھ کے روز
ہوا تاباں یہ ماہِ عالم افروز

ہیں گذرے سال تقریباً بیالیس[۴۲] | تھا سمت بکرمی انیس[۱۹] سو تیس[۳۰]

ہوئی جب دوسرے دن صبح تاباں | ہوا خورشید عالم جلوہ افشاں ہو
گوسائیں خاندان کا نور چمکا ہو | یہ پیارا ناظرو منظور چمکا ہو ہو
ہی عشرت کدہ وہ پاک بھومی | بلائے باپ نے پنڈت نجومی
کی اک پنڈت نے یہ پیشین گوئی | کہ ہے فرزند یہ اوتار کوئی
اسے تھوڑے ہی سن میں گیان ہوگا | بڑا بھاری یہ ودیاوان ہوگا ہو
ہوا آئیگی جنگل کی اسے راس | کریگا یہ بھی تپ یوگ ابھیاس
ہو البشور درشنوں کی چاہ اس کو | حقیقت کی لگی ملگی چاہ اس کو
مجازی سے حقیقی کو پہنچکر | سرور ذات کا سرے سمندر
نفس کو یوگ سے کرلیگا بس میں | پھنسیگا یہ نہ دنیا کی ہوس میں
کہ دنیاوی سکھوں پر مار کر لات | بنے گا بادشاہ کشور ذات ہو
رفاہ عام ہوں ارمان اس کے | ہوں قوم اور ملک پر احسان اسکے
کرے گا خوب دنیا بھر کی یہ سیر | سمندر معرفت کا جائے گا تر
برس اکتیس[۳۲] مائینس کے اندر | ہے ڈر غرقاب ہو دریا میں گرکر

اوائل عمر ہی سے تھا اسے گیان | اٹھی وِدیا حق کی تھی حددرجہ پہچان
اگر البشور ہے نرگن اور نرا کار | تو کیوں پوجیں نہ اس مورت کو ساکار
یہ بھارت ورش کا پیارا دلارا | لگا نازوں سے پلنے ماہ پارہ ہو

* نوٹ مصنف نے جس وقت سوانح عمری لکھی تھی اُس وقت کے لحاظ سے بیالیس[۴۲] سال کا زمانہ گذرا تھا اب تقریباً ساٹھ سال کا عرصہ ہونے آیا ہے ۔

ہوئے پیدا ہوئے پورے نو ماہ ہے — کہ بچھڑا گود سے ماتا کی یہ - آہ
جو سرنھو دیوی اِک اُسکی بہن تھی — اور گھر ہی بنا اسے کی جو بہن تھی
یہ ہردو پریم مجسم بنی ہوئی تھیں — کہ ایشور پریم میں ڈوبی ہوئی تھیں
بنا نورِ نظر اُن کا یہ فرزند — پلا آغوش ہی اُن کے یہ دِلبند
اسے وے برہم-الف سے کھلاتیں — کبھی ایشور کے گا گا کر سُناتیں
اثر ایسا پڑا بھجنوں کا دِلبر پہ — کہ بچپن سے ہی بھگتی نے کیا گھر
وہ دِلکش موہنی مورت کا نقشہ — چمکتا چاند سی صورت کا نقشہ
ہر اِک کی آنکھ کی پتلی کا تھا تِل — لُبھا لیتا تھا بس ہر ایک کا دِل
برس دو کی ابھی نوبت نہ آئی — کہ ہوئی بچپن میں ہی اُسکی سگائی
گوسائیں ہیرانند اس کے پدر کی — ہوئی کچھ دِن میں شادی دُوسری بھی
حقیقی ماں کو یہ تھا جیسا پیارا — بنا سوتیلی ماں کا بھی دُلارا ہے
ہُوا جب ختم اُسکا تیسرا سال — بٹھایا باپ نے مکتب میں فی الحال
تھا بچپن ہی سے ذہن اُسکا خداداد — کہ تھا مداح ہر ایک اُسکا اُستاد
بڑھا علم و ادب کا اس قدر شوق — کہ ہمجولیوں میں سب سے لے گیا فوق
تھے کرتے پیار سب اُستاد اُسکو — سبق رہتا تھا ازبر یاد اُس کو
کتھا کا شوق تھا بچپن سے اُسکو — بھجن سنتے ہر کے بھاتے من سے اُسکو

ہوئی تعلیم جب ختم ابتدائی — تو نوبت مدرسہ جانے کی آئی
اُسی قصبہ میں تھا سرکاری اسکول — وہاں جاتا تھا پڑھنے حسبِ معمول
کیا تحصیل علم اِس شوق دل سے — کئے طے جلد چھوٹے چھوٹے درجے
نہ کھویا وقت بیکار اپنا اِک پل — رہا نمبر ہر اِک درجہ میں اوّل ہے

وظیفے بھی کئے حاصل کئی بار
غرض کرتا گیا جوں جوں ترقی
کہ تھوڑے ہی دنوں میں کر کے ابھیاس

ملے سرٹیفکیٹ بھی اسکو دو چار
کی اس نوعمر نے دن دن ترقی
کیا ورنیکلر اُردو مڈل پاس

جو پہنچا دس برس کے سِن میں یہ ماہ
ابھی بچّے کو کب اپنی سمجھ تھی
ہُوا بارہ برس میں کچھ سمجھدار
نہیں یہ ہندوؤں میں رسم اچھی
ترقی میں رکاوٹ ہے - جو کچھ بھی

بنا دے اس کے اسکا کردیا بیاہ
کہ پیروں میں بیڑی جاتی ہے بڑی
تو بولا باپ سے اکروز ناچار
کہ کر دیتے ہیں بچپن ہی میں شادی
تو بس یہ کسی ہی کی ہے شادی

یہ نو دس سال کا نوعمر بچّہ
یہ خود کہنے لگا اِکدن پِتا سے
پڑھاتے ہیں ہر کی محنت میرے ساتھ
یہ میری رائے میں ہے مولوی کو
کتابوں میں پڑھا ہے میں نے اکثر

حق و ناحق کو اتنا جانتا تھا
پتا جی! مدرسے کے مولوی نے
ہے اُستادانہ کی شفقت مرے ساتھ
بندھی ہے بھینس جو گھر پر وہ دیدو
کہ حق اُستاد کا ہے سب سے بڑھکر

سن اٹھارہ سو اٹھاسی میں اسنے
کیا پاس انٹرنس از حد خوشی سے
تھا جتنا علم اُسے اُتنا عمل تھا
سن اٹھارہ سو نوّے میں پھر اُسنے
طبیعت میں بلا کی سادگی تھی

وظیفے جو ملے محنت کا پھل تھا
کیا اوّل ہی نمبر پاس ایف اے
عجب ہمّت عجب آمادگی تھی

مدد کرتا ہے السنور بنکے ماں باپ | اُسی کی جو کرے اپنی مدد آپ
یہ پاتا تھا جو سرکاری وظیفہ | کتابوں کا بھی صرفہ تھا نہ چلتا
نہ بچتا پاس تھا پیسہ کوئی بھی | بمشکل تھی گذر اوقات ہوتی تو
تھا باپ اسکا غریب اتنا بیچارا | بمشکل روٹیوں کا تھا گذارا
اس السنور بھگت کو خود پر تھا تجواُنش | رہا کرتا تھا ہردم شاد بشاش
دماغ اسکا وُہ مخزنِ عقل کا تھا | نمونہ صافِ روشن عقل کا تھا
منٹ اِک اِک تھا اسکا بیش قیمت | وُہ تھا متلاشیٔ راہِ حقیقت تو
شب و روز اُسنے کی محنت لگا تار | یہ آخر پڑگیا اکبار بیمار
نہ محنت سہ سکی جب تندرستی | تو بی اے میں ہوئی ناکامیابی
مگر محنت سے خود ہمت نہ ہارا | ہوا درجہ میں پاس آخر دوبارا
وظیفے پائے دو پھر پاس ہوکر | رہا بی اے میں بھی اوّل ہی نمبر
کہ حل کرنا ریاضی کے سوالات | نظر میں اسکے اک ادنیٰ سی تھی بات
دلی خواہش رہا کرتی تھی اکثر | بنوں دُنیا کا ٹیچر یا پروفیسر
سو السنور لایا بر خواہش یہ اُسکی | بنا دُنیا کا وُہ ٹیچر حقیقی
ریاضی سیکھنے اُس سے خوشی سے | ایم اے تک کے تھے اسٹوڈنٹ آتے

یہ السنور بھگت پیارا رام تیرتھ | ہر اک نظروں کا تارا رام تیرتھ
تھا علم و فن کا کچھ اسدرجہ شائق | کہ پڑھ لکھکر ہوا حد درجہ لائق
ریاضی کے پروفیسر نے خوش ہو | گھڑی مہ جبیں دی انعام اُسکو
تھے نامی ڈاکٹر اک بابو رگھناتھ | اُنہوں نے رام تیرتھ کا دیا ساتھ
پڑھانے میں دی ایم اے تک کی امداد | کہ احساں رہ گئے اُن کے سدا یاد

ہُوا تھا اتفاق اک بار ایسا ۔ یہ باتا تھا جو ماہانہ وظیفہ
نہ اس میں سے بچا کچھ پاس اسکے ۔ لئے قرض اُسنے دس روپئے کسی سے
ادائی کی عجب صورت تھی اِن کے ۔ یہ ہر ماہ اُسکو دس دیتا تھا روپئے
ہے احسان کے عوض یہ فرضِ انساں ۔ کہ محسن کا کبھی بھولے نہ احساں

تھی جیسی کچھ کہ قبل از امتحاں آس ۔ ایم اے بھی کامیابی سے کیا پاس
ریاضی کے مشن کالج میں خود ہی ۔ پروفیسر رہے آپ آنریری ہی
ہیں لکھتے ڈاکٹر رگھوناتھ کو آپ ۔ یہ سب ہے آپ ہی کا عین و پرتاب
ہُوئی مجھ پر دیا پرماتما کی ۔ کہ حاصل ہوگئی ایم اے کی ڈگری
تھا گو سخت امتحاں پرچے تھے مشکل ۔ مگر امداد تھی البشور کی شامل
بزرگوں کی دُعا سے ہو گیا پاس ۔ ملا محنت کا پھل پوری ہُوئی آس
اسی اثناء میں گزرا واقعہ ایک ۔ برس جانکاہ تھا یہ حادثہ ایک
وہ بنرتھ دیوی جو اُسکی بہن تھی ۔ جسے حد درجہ اُس کی مامتا تھی
ہُوئی اکدن غشی اُسکو جو طاری ۔ تو وہ بیکنٹھ کو اک دم سدھاری
جُدائی کا بہن کی جب سُنا حال ۔ نہ پوچھو رام کا جو کچھ ہُوا حال
دِل اُسکا گو کہ متحمل بڑا تھا ۔ مگر صدمہ یہ فرقت کا کڑا تھا
اُمنڈ آئے جو اشک آنکھوں سے یکبار ۔ کلیجے کو لیا تھام ناچار
جو کھیلا گود میں بچپن سے تھا رام ۔ بہن کا لاڈلا تن من سے تھا رام
بھر آیا جوشِ الفت سے جو دِل آہ! ۔ تو رکھ لی صبر کی سِل سینہ پہ آہ!
کیا صدمہ بصد حسرت گوارا ۔ نہیں تھا صبر کے جُز کوئی چارا

کتھا سننے کا بچپن سے جو تھا نیم | بھرا ہر رُوم میں ایشور کا تھا پریم
ہے نندگوپال کا اِک مندر مشہور | کتھا سننے کو جاتے حسبِ دستور
ہے ذکر اکدن کتھا سنتے ہی سنتے | لگے آپ یک بیک بیطور رونے
ہوں تھے جس طرح روتے بلک کر | بہے رُخسار و منہ اشک آنسو ڈھلک کر
کیا رونے کو سب نے منع ہرچند | نہیں رونا ہُوا پر آپ کا بند
نہ کام آیا دلاسا اور تشفی | گئی دل پر اثر کر پریم بھگتی

نہیں چھپتا ہے جب عشقِ مجازی | تو کب چھپ سکتا ہے عشقِ حقیقی

ایم اے کی آپ ڈگری کرکے حاصل | ہُوئے بھگتی کی جانب خوب مائل
سہاوک آپ میں ایشور کے گُن تھے | کہ قدرت کی طرف سے کارکُن تھے
مگر مایا کا پردہ درمیاں تھا | مجسّم برہم کا جلوہ نہاں تھا
بھجن میں محو ایسے ہوگئے تھے | کہ اپنے تن بدن سے کھوگئے تھے
تصور کرشن کا ایسا بندھا تھا | شروپ ایسا ہی خود بھولا ہُوا تھا
تمنا تھی کہ ہوں ایشور کے درشن | یہ تن من دھن کروں سب کرشن ارپن
گھٹا کو دیکھکر آنسو بہاکر | یہ کہہ اُٹھتے تھے بیتابانہ اکثر
کہے کب ہوگے درشن کرشن ہمارے | بنوگے کب مری آنکھوں کے تارے
نہیں اب اور کوئی جستجو ہے | فقط درشن کی مجھکو آرزو ہے

ہے ذکر اِکروز کا راوی کنارے | تھے محو ایشور بھجن میں آپ پیارے
کہ کوئل کُوک اُٹھی اتنے میں ناگاہ | پڑے سنتے چونک آپ بھرکر سرد اِک آہ

کہا کوئل سے پھر نان اک سنا دے
صدا مرلی کی ہی جیسی طرب خیز
بنا دے کرشن کا دیکھا ہے مکھڑا
کبھی کہتے تھے اشک آنکھوں میں بھر کر
تو ہو نگے آپ کے کیا مجھکو دیدار
مجھے اُس بنسی والے کا پتہ دے
ہے تیری کوک بھی دلکش دلآویز
یعنی سانولا اُس کا ہے مکھڑا
دیا کب کیجئے گا کرشن مجھ پر
ہوں کیا میں ایسا ہی پاپی گنہگار

سناتن دھرم کے جلسوں میں اکثر
حبیفی ریم کے دلکش اثر سے
جو ماہانہ ملا کرتی تھی تنخواہ
یہ اپنے قول کے ایسے دھنی تھے
کھڑے ہوتے تھے جب دیتے کو لیکچر
تھے گنگا جل بہاتے جسم تر سے
قریباً صرف ہو جاتی تھی ہر ماہ
غلام اُنکے تھے سب عقلے غنی تھے

نوٹ۔ اِس منظوم سوانح عمری میں سوامی رام تیرتھ جی مہاراج کے کارنامجات مثلاً امریکہ وغیرہ میں اُنکے موثر لیکچروں کا ذکر اور تصنیفات۔ ہندوستان کی واپسی پر اُن کے جابجا واکھیان وغیرہ کل حالات نظر انداز کر دیئے گئے ہیں۔ مفصل ذکر اور حالات کلیات رام و دیگر کتب مصنفہ نارائن سوامی جی پڑھکر ناظرین فائدہ اُٹھائیں گے۔ میری قلم نے یاوری نہیں کی کہ میں اُن کی مقدس تحریرات و تقریرات کی کاپی کرکے اصل حالات اور واقعات کو با ترتیب کرنا۔ اور چونکہ امام تحریر سوانح عمری میں مفصل حالات میرے دماغ میں نہ سما سکتے اور دل منتشر ہو گیا تھا اِسلئے اسقدر اکتفا کیا گیا۔

آئندہ بشرط صحت و اشتیاق پبلک دوسرے ایڈیشن میں اضافہ کیجائے گی۔

گرد

قصیدہ جات رام

از قلم دوارکا پرشاد صاحب اُفُق لکھنوی

(۱) پریم کا تحفہ

(حصہ لا زوال بے لوث اور سچی محبت کی یادگار میں)

چمک جا حسن کی دلکش ادا میں رام کی مورت
چمک کر برق دکھلا دے گھٹا میں رام کی مورت
چمک آئینۂ دل کی جلا میں رام کی مورت
چمک جا اوم کی دلکش صدا میں رام کی مورت
دکھا دے اک جھلک اے منگلے ائی رام پیارے کی
گنائیں بھگت پرمانند کے آنکھوں کے تارے کی

نہاں نظروں سے ہے کیوں آج اے محو خود آرائی
درخشاں ہے کدھر اے آفتاب عقل و دانائی
کہاں ہے آج تو او خود نما سے خود نما سائی
ہے کس دنیا میں آج اے پریم اور الفت کے شیدائی
ہیں مشتاق آنکھیں دیکھیں تمہاری مستانہ ادائیں ہم
سنیں اکبار پھر اوم اوم کی دلکش صدائیں ہم

کہاں اوم اوم کی دھن میں ہے تو اے رام متوالا
کہاں تو جھومتا پھرتا ہے پیکر پریم کا پیالا
ہر اک دل میں پھر اپنے تیج کا جھیلا دے اُجالا

دکھا دے رام مکھڑا پیارا دل کو موہنے والا
بہا دے شانتی اور پریم کا دریا مرے دل میں
دکھا دے جلوۂ حسنِ حقیقی ہلی منزل میں تو
نسیم دشت کس کو ڈھونڈتی پھرتی ہے تو بن بن میں
صبا پھرتی ہے کس کی جستجو میں صحنِ گلشن میں
لہرا پریم کی اوڑھے مگن لہریں ہیں کیوں بن میں
چھپا ہے ہیرا موتی۔ رام گنگا تیرے دامن میں
پہاڑوں کی جٹائیں کر رہی ہیں شور وادی میں
ہے اننگ پیارا سوامی رام نیرِ خوجل سمادھی میں
مجسم پریم کی او جاگتی مورت کہاں ہے تو
حقیقی حسن کی اور منجلی مورت کہاں ہے تو
وہ ہنستی مسکراتی موہنی مورت کہاں ہے تو
ریاضی فلسفی ویدانتی مورت کہاں ہے تو
دوئی کا کاش پردہ سامنے سے جلد ہٹ جائے
تیرے درشن سے بھارت ورش کی کایا پلٹ جائے
مہک پھولوں میں پھیلائے گلبن باغ سخندانی
چہک شاخوں پہ پھیلائے بلبل مست خوش الحانی
سنا اکبار پھر کانوں کو دلکش راگ حقانی
لٹا دل کھولکر گنجینۂ اسرارِ روحانی
شہنشاہوں کا شاہنشاہ یگانۂ زماں تو ہے۔
زمیں تو ہے زماں تو ہے مکیں تو ہے مکاں تو ہی

نفس کو زیر کرکے کس نے سر کی فوج راون کی
تلاشِ حق میں کس نے خاک چھانی کوہ اور بن کی
تری تھی لالسا اے رام تجھکو رام درشن کی
رہا تُو رام ہی ایسا کہ پائی کامنا من کی

یہ ہے حق الیقیں ڈھونڈا ہے جسنے اُسکو پایا ہے
کبھی عاشق کبھی معشوق وہ بن بن کر آیا ہے

نگاہیں ڈھونڈتی ہیں رام تجھکو کوہ و صحرا میں
تری فُرقت میں ہے بیتاب ہر اِک آج دُنیا میں
بہا جاتا ہے سڑا اوم کی کشتی کا دریا میں
ترنگیں کر رہا لہروں سے ہے تُو رام گنگا میں

صدا آتی ہے ڈھونڈو دل میں پیارا رام تم میں ہے
کہاں ہے رام - میں ہوں رام میں جتنی رام تجھ میں ہے

وہ دیکھو رام ہمارا جھومتا مستانہ آتا ہے۔
لگاتا اوم کے نعرے وہ مستانہ آتا ہے۔
ہے گھلتی شمع غم میں جس کے وہ پروانہ آتا ہے
جو دیوانہ ہے اُس کے پاس ہی دیوانہ آتا ہے

اُٹھو آوازِ حق سوتے ہندؤں کو پھر جگاتی ہے
صدائے رام دِلکش گونجتی کانوں میں آتی ہے
لگا دیتا ہے سب کو پار جس کا نام اے پیارے
وہی بس دردِ لب رکھ نام صبح و شام ای پیارے
وہ گھٹ گھٹ میں ہر اِک کے رم رہا ہی رام اے پیارے

کہیں ہے رام سا پیارا اور کہیں ہے شام اکر پیارا
ہٹا پردہ دوئی کا آنکھ کھول اور دیکھ تو کیا ہے
ترا جس رام میں وہ رام تیرے دل میں بیٹھا ہے
قدم نقشِ قدم پر رام کے دھرنے جو آئیں گے
سُرورِ دان کا گہرا سمندر پیر جائیں گے
جو اپنے آپ کو لذاتِ دُنیا میں پھنسائیں گے
وُہی بس ٹھوکریں اِک اِک قدم پر خوب کھائیں گے
کڑی ہے پریم کی منزل مگر جس نے قدم مارا
محبت میں کٹا کر شمع ساں سر پھر نہ دم مارا
جو قوم اور ملک کی اُلفت میں اپنے کو مٹاتے ہیں
اُنہیں کی خاک کو اہلِ نظر سُرمہ بناتے ہیں
جو سوامی رام تیرتھ ایسے اِس دُنیا میں آتے ہیں
وُہ سروں پر بھی سِکّہ پریم کا اپنے بٹھاتے ہیں
نہیں دم مارتے ہیں شمع ساں جو سر کٹا کر بھی
وُہ پا لیتے ہیں منزل ٹھوکریں دُنیا کی کھا کر بھی
جمایا کس نے بھارت ورش میں سِکّہ محبت کا
ہے امریکہ سے جاپان تک چرچا کس کی اُلفت کا
پھریرا کس نے پھرایا فلک تک قومی عظمت کا
ہُوا ہے کون ایسا آشنا بحرِ حقیقت کا
ویویکانند رام اور کرشن و سوامی رام زندہ ہیں
نشاں گو مٹ گئے ہوں لیکن اُن کے نام زندہ ہیں

مہاپرش ایسے دُنیا میں بڑے کاموں کو آتے ہیں
مٹاتے آپ کو ہیں اور لاکھوں کو بناتے ہیں
صدا مجذوب کی بڑ کی طرح اکثر لگاتے ہیں
حقیقت کا وُہ سچا راستہ سب کو دکھاتے ہیں
جو اہل علم ہیں اُن کی نصیحت پر عمل کرتے
معمے عقل سے دُنیا کے ہیں پل بھر میں حل کرتے
سماجا رام تو نظروں میں سنگر آنکھ کا مارا
کریں ہم مُسکراتے چاند سے مکھڑے کا نظارہ
ہمارا رام ہمارا رام بھارت ورش کا سہارا
بہا دے جلد دل میں شانتی اور پریم کی دھارا
دکھا دے اپنی متوالی ادا اے رام پیارے پھر
مٹا دے نام خوشیاں صبح کی راوی کنارے پھر
تمنا ہے کہ پھر بھارت میں تجھکو جلوہ گر دیکھیں
ترا مکھڑا چمکتا چاند سا ہردم گھر گھر دیکھیں
ترا جیون چرتر اے رام تیرا عمر بھر دیکھیں
تری تینتیس سالہ زندگی کو اک نظر دیکھیں
ذرا سی زندگی میں کر گیا سب کام دُنیا میں
رہے گا رام ابد تک تیرا روشن نام دُنیا میں

(۲) رام اُپدیش

قولِ دُنیا سے محبت کا مگر ہارا ہے۔
مجھکو معلوم ہُوا رام کا تُو پیارا ہے
تجھ کو مرغوب اگر رام کا نظارہ ہے
دیکھ ماں ریم کی بہی ہُوئی اِک دھارا ہے
ڈوب کر گیان کی گنگا میں اُبھر اور کر دھیان
رام کے حرفوں کا آئینۂ دِل میں دھر دھیان
دیکھ دیوانہ نہ بن - ہوش میں آ - اور سنبھل کے
قُلزمِ عشق میں ہو جائے نہ بیڑا جل تھل
جائے دلدل میں نہ دھوکے سے کہیں پاؤں پھسل
بزمِ عالم میں نہ مچ جائے یکایک ہلچل
کہیں تُو بحرِ تصوّف میں نہ غوطہ کھا جائے
رام بدنام ہو تجھ سے بھی نہ خود اُبھرا جائے
ڈھونڈھتا پھرنا ہے تُو دشتِ بیاباں میں کیسے
دیکھنا رہتا ہے اُلٹے خواب پریشاں میں کیسے
ہے سبق روز نیا حفظ دبستاں میں کیسے
نعمۂ فضل ملا بزمِ سخنداں میں کیسے
نام و شہرت کی ہوس چھوڑ دے دیوانہ نہ بن
دیکھ جل جائے گا اس شمع پہ پروانہ نہ بن
آتشِ شوق کو اس درجہ نہ بھڑکا دِل میں

بوں و باراں کے شراروں کو نہ کر کا دل میں
ہو نہ عالم کہیں مجذوب کی بڑ کا دل میں
ڈر ہے ہو جائے نہ پیدا کبھی دھڑکا دل میں
بھٹکے صحرا میں نہ تو قیس کہیں بن بن کر
سر نہ ہو کوہ کے فرہاد سا دشمن بن کر
کونسی جھلک ادا رام کی خوش آئی ہے
سچ بتا کس لئے تو رام کا شیدائی ہے
رام بھگتی کا نہ دل سے تمنائی ہے
درشنوں کی تجھے یا چاہ یہاں لائی ہے
پاک الفت ہے تو سو جان کا شیدا میں ہوں
تیرے ہی زلف پریشاں کا سودا میں ہوں
دل وہ دل ہی نہیں جس دل میں نہیں میرا قیام
آنکھ وہ آنکھ نہیں جس میں نہیں میرا مقام
لب وہ لب ہی نہیں جس لب پہ نہیں رام کا نام
رم رہا رام جو ان من میں ہے وہ کون ہے رام
دور کر دل سے دوئی تو کو مٹا تو نہ رہے
رام ہی رام رہے ترف سب تو نہ رہے
عقل و دانش میں مجھے دیکھ کہ یکتا میں ہوں
ادب اخلاق کا بہتا ہوا دریا میں ہوں
حسن اور عشق کے جذبات کا نقشہ میں ہوں
دیکھ آئینۂ دل میں ترے بیٹھا میں ہوں

چشمِ حق بیں سے مجھے دیکھ کہ مَیں دُور نہیں
بلکہ خود آنکھ ملانا تجھے منظور نہیں
ہے ابھی عشقِ حقیقت کا پیا جام کہاں
رٹ بپیہے کی طرح پی کے عوضِ رامؔ کہاں
جس کا آغاز نہیں اُس کا ہے انجام کہاں
ہستی و علم ہُوں مستی ہُوں مرا نام کہاں
منزلِ عشق مجازی ابھی طے کرنا ہے
ڈوب مر چاہ میں ناکام اگر مرنا ہے
دیکھ تُو رامؔ نے کیا کام کیا بھارت میں ہو
زندہ جاوید رہا نام کیا بھارت میں
مہر کو تابعِ احکام کیا بھارت میں ہو
سکۂ علم و عمل عام کیا بھارت میں
وید اور شاستر کی عظمت کا بجایا ڈنکا
ساری قوموں میں محبت کا بجایا ڈنکا
مائی ہے بحرِ حقیقت کی کس نے کہیں تھاہ
ڈوب ہی جائے کہیں دل سے نہ ہو دلکو جو راہ
عشقِ صادق ہو تو ممکن ہے کہ ہو جائے نباہ
رونا آتا ہے تجھے دیکھ کے حالتِ مری آہ
یاد رکھ دھار پہ تلواروں کی چلنا ہوگا
سُورماں بن کے رمن سے نہیں ٹلنا ہوگا
رامؔ سچائی کی اِک شمع پہ تھا پروانہ

قیس و فرہاد کی مانند نہ تھا دیوانہ
اپنی ہی زلفِ پریشاں کا نہیں تھا شانہ
بزم اغیار میں بھی تھا وہ نہیں بیگانہ
قوم اور ملک کو غفلت سے بچایا کس نے
راستہ رام حقیقت کا دکھایا کس نے
رام نے دھرم کی عظمت کا اٹھایا بیڑا
رام نے ملک کی خدمت کا اٹھایا بیڑا
رام نے قوم کی الفت کا اٹھایا بیڑا
ہموطن بیاروں کی ثروت کا اٹھایا بیڑا
کتب ہو جس میں کہیں رام کا اپدیش نہیں
رام میں نام کو بھی راگ نہیں دویش نہیں
کون سر چدھی ہے کر غور تو کیا اپنا ہے
کیا یہ جسم اپنا ہے؟ ہرگز نہیں پھر کس کا ہے
جسم قائم نہیں خود ذات پہ گر پھر کیا ہے
اور قائم ہے تو بس ذات ہی کا جلوا ہے
اپنے آپ آتما ہے جس کی یہ سب شکتی ہے
جسم سایہ کے سوا اور نہیں کچھ بھی ہو
صاف ہے آئینہ دل اگر تو کر نظارہ
آتما آپ ہے اور آپ ہی اپنا پیارا
نام اور روپ سے منسوب ہے نیارا نیارا
آتما ایک ہے۔ ہر کا پرکاش ہے جس کا سارا

نام اور روپ بھی حجِ ذات ہے کر غور نہیں
دیکھ تو اور نہیں اور میں ہوں اور نہیں
قطرۂ اشک سمندر میں گہر کس کا ہے۔
جلوۂ کون و مکاں میں نظر کس کا ہے
رام ہر روم میں بھاسک ہے تو ڈر کس کا ہے
دیکھ ویرانۂ دل میں ترے گھر کس کا ہے۔
دن ہوں میں رات ہوں میں صبح ہوں میں شام ہوں میں
منہ سے کہہ رام ہوں میں رام ہوں میں رام ہوں میں
رام وہی ہے کہاں رام ہے کس پر مائل
دیکھ کر حال ترا زار بھر آتا ہے دل
تیری ہی تیغ تجھے دیگئی حرکا قاتل
ہو گیا اپنی ہی تو آپ ادا پر بسمل
آپ ہی رام ہے تو مفت میں بدنام ہوں میں
منہ سے کہہ رام ہوں میں۔ رام ہوں میں رام ہوں میں
ناک کان آنکھ زباں تیری نہیں رام کی ہے۔
تیرے قالب میں بھی جان تیری نہیں رام کی ہی
عقل ہے دیکھ کہاں تیری نہیں رام کی ہے۔
جسم میں روحِ رواں تیری نہیں رام کی ہے
تیرا کچھ بھی نہیں جب سرا دلا رام ہوں میں
رام کے منہ سے تو کہہ رام ہوں میں رام ہوں میں
چمنِ دہر میں پھولوں کی مہک کس کی ہے۔

ذرّہ ذرّہ میں ذرا دیکھ چمک کس کی ہے
برق اور رعد میں جُھنسنہ میرے کڑک کس کی ہے
دلِ کے آئینہ میں دیکھ اپنے جھلک کس کی ہے

مہر ہوں ماہ ہوں بالائے سر از بام ہوں میں
منہ سے کہہ رام ہوں میں رام ہوں میں رام ہوں میں

رام کے مُحکم سے بنجوت یہ کہہ میں ہوں رام
جی سے یہ میں بندہ ہوں میں بندہ ہوں کہہ کہہ کہ غلام
ساری دُنیا میں جلا رام کا یہ سکۂ عام
مُہر اُس لب پہ کہ جس لب پہ نہو رام کا نام

خلوتِ خاص ہوں میں جلوہ گہ عام ہوں میں
مُنہ سے کہہ رام ہوں میں رام ہوں میں رام ہوں میں

جب نرا کچھ نہیں اس جسم پہ سب رام کا ہے
رام خود بندہ ہے پھر بندہ تو کب رام کا ہے
رام کے پیاروں سے کہہ مُحکم یہ اب رام کا ہے
رم رہا رام میں جو اُس کو لقب رام کا ہے

نہ تو آغاز ہی اپنا ہوں نہ انجام ہوں میں
مُنہ سے کہہ رام ہوں میں رام ہوں میں رام ہوں میں

رام کو دُوسرا کوئی نہیں آتا ہے نظر تو تو
دُوسرا کون ہے جُز رام بچار آٹھ پہر
رام ہے خانہ بدوش اُسکا ہر اِک دل میں ہے گھر
ہے گذر پریم بھرے دِل میں ذرا دیکھ گُھر

روشنی بخش جہاں مہر لب بام ہوں میں
منہ سے کہہ رام ہوں میں رام ہوں میں رام ہوں میں

اک سچائی ہی ہے دیکھ وہ بڑی قوت ہے
جس سے بڑھکر نہیں دنیا میں کوئی بھی طاقت
نفسِ سرکش کو کرے زیر جو کرکے جرأت
رہنمائی کو ہو حاضر ترے خود ہی ہمت
دِل اگر صاف نہ ہوگا تو مصیبت ہو گی
اپنے الجھنوں میں بھی صاف ندامت ہو گی

مجھکو صحرا میں نہ گلشن میں نہ گلزار میں ڈھونڈ
مجھکو متھرا نہ برکھی کبتس نہ ہردوار میں ڈھونڈ
مجھکو پربت کی چٹانوں نہ نہ کہسار میں ڈھونڈ
مجھکو جھاڑی میں نہ بن میں نہ خس وخار میں ڈھونڈ
ڈھونڈ لے رام کو ہاں مفلس و ناداروں میں
پائیگا رام کو پھرتا ہوا ناچاروں میں

بھولیا آپ کو درشن کی اگر دِل میں ہو چاہ
میرے ہی آئینۂ دل میں ہوں میں غیرت ماہ
قلب اگر وہم و جہالت سے بھرا ہوگا سیاہ
اپنا ہی روپ نظر آئیگا تجھکو نہیں آہ
غور سے دیکھ کوئی بن ترے سوا ایسا ہے
خود تماشائی ہے تو اور یہ سب تپتا ہے
اوم میں رام مرا دیس مراری والا

اوم میں ماہ ہوں تو جس کا ہالہ ہے ہالا
اوم میں نور ہوں تو جس کا بنا متوالا
اوم میں روح ہوں سانچے میں تجھے ہی ڈھالا
ہستی و علم ہوں مستی ہوں نہیں نام مرا
خود پرستی و خدائی ہے یہ بس کام مرا
میں شہنشاہ ہوں ہے جسم مرا ہندوستان
سندھیاچل ہے لنگوٹ اور برہم پترا استھان
سر ہمالہ ہے حرن راس کماری ہے جاں
دو بازو ہیں مرے مشرق و مغرب پہچان
روح ہوں آنکھیں ہیں مری مہ و مہر تابان
میں جدھر چلتا ہوں چلتا ہے ادھر ہندوستان
شیو ہوں میں بسن ہوں میں برہما ہوں سکر ہوں میں
رام اور کرشن کی مورت ہوں میں مندر ہوں میں
دھات ہوں سونا ہوں پارس ہوں میں پتھر ہوں میں
پریم وشواس میں سچائی میں گھر گھر ہوں میں
میں ہی نرگن ہوں سگن میں ہوں نراکار ہوں میں
پریم کی جاگتی مورت میں ہوں ساکار ہوں میں
میں نے بندروں کو کہا پریم سے بس میں بن میں
میں نے ارجن کو فن رزم سکھایا رن میں
روح ہوں میں کشش دورۂ خوں ہوں تن میں
گماں میں دھیان میں گھٹ گھٹ میں بھجن تن میں من میں

نُور ہی نُور ہُوں پرکاش ہو دُنیا میں مرا
پریم کے اشکوں کا جل بہتا ہے گنگا میں مرا
میَں ہی صورت گرئے مانی و بہزاد بنا ہُوں
میَں ہی شاگرد بنا اور میَں ہی اُستاد بنا
نٹ بنا بازیگرِ عالمِ ایجاد بنا ہُوں
لیلےٰ مجنوں بنا۔ شیریں بنا۔ فرہاد بنا
مصر میں مَیں ہی بنا یوسفِ کنعاں سا عزیز
مَیں نے ہی دولتِ دُنیا کو بنایا ہے کنیز ہُوں
مَیں ہی گوکل میں بسا کرشن کنہیّا بنکر
مَیں ہی کنجوں میں پھرا برج کی رادھا بنکر
مَیں ہی نظروں میں کھپا حُسن کا جلوہ بنکر
مَیں ہی بھارت میں بہا پریم کی گنگا بنکر
دیش بھگتی کا سبق سب کو پڑھایا مَیں نے
جو کہا مُنہ سے وُہی کر کے دکھایا مَیں نے
مَیں ہی مَیں ایک ہُوں سب مجھ سے یہ ہیں بکھیڑے
وید اور شاستر میں اُپدیش بھرے ہیں میرے
رام کا تخت ہے آئینۂ دِل میں تیرے ہُوں
رام کے پریم کے ہیں دیکھ گھٹا میں ڈیرے
ہوتی آکاش سے ہے پریم کی برکھا کیسی
بہتی بھارت میں ہے اُپدیش کی گنگا کیسی
رعد میں میری گرج۔ برق میں ہے میری کڑک

چاند میں میری چمک تاروں میں ہی میری جھلک
میرے ہی تابعِ احکام ہیں سب جن و ملک
دیکھ تو مجھکو ہر اک روپ میں۔ گر دل میں ہو شک
برہم ہوں جو ہے مایا سے بھی بالا تر ہوں
علم ہوں عقل ہوں وشواس ہوں زر ہوں زر ہوں
میں ہی ناظم ہوں۔ میں ہی نظم میں ہی ہوں منظوم
میں ہی عالم ہوں میں ہی علم میں ہی ہوں معلوم
میں ہی حاکم ہوں میں ہی حکم ہوں میں ہوں محکوم
میں ہی خادم میں ہی خدمت ہوں میں ہی ہوں مخدوم
میں ہی خالق میں ہی مخلوق ہوں میں ہی ہمہ اوست
میں ہی عاشق میں ہی معشوق ہوں میں ہی ہمہ اوست
آپ ہی برق ہوں میں آپ شرارا میں ہوں
آپ ہی حسن ہوں میں آپ نظارا میں ہوں
آپ ہی چاند ہوں میں آپ ہی تارا ہوں میں
آپ ہی رام ہوں میں آپ ہی پیارا میں ہوں
نور ہی نور ہوں پرکاش ہوں دنیا بھر میں
میں ہی ہوں دیر میں بتخانہ میں گھر میں در میں
میں وہاں ہوں جہاں بے لوث دلوں میں ہے پیار
ہوں وہاں پریم سے ہوتی ہیں جہاں آنکھیں چار
میں وہاں ہوں۔ ہے جہاں رحمدلی کا اظہار
میں وہاں ہوں کہ جہاں ہے حق و ناحق میں وچار

سچدانند مَیں ہی - برہم مَیں ہی ابناسی
مَیں اجر - مَیں ہی امر اور مَیں ہی گھٹ گھٹ باسی

کردیا مجھ پہ گُہر تو نے جو تن من اربن ؁
ہوگئیں دیکھ تری گیان کی آنکھیں روشن
پریم کے آنسوؤں سے دھو مرے ہر لحظہ چرن
دیکھ جلوہ مرا - دیتا ہُوں تجھے مَیں درشن
دار پر چڑھ کے انا الحق کہا - منصُور ہُوا
نام بھگتوں میں ترا آج سے مشہور ہُوا

رام کا بھگت ہے مشہورِ زماں تلسی داس
رام کا بھگت ہے ملک الشعرا کالی داس
بھگت بھارت میں ہُوا رام کا اِک ویدبیاس
بھگت جن کو ہے سدا رام پر اپنے وشواس
بھگت یورپ میں ہُوئے شیکسپیر اور ملٹن
بھگت ولیم ہُوا اِک قیصرِ تختِ جرمن

رام کا ہے یہی اُپدیش رہِ راست پہ چل
علم جتنا ہے تجھے چاہیئے اُتنا ہی عمل
اپنے ہی آپ پہ رکھ دِل میں تُو وشواس اٹل
رکھ نظر حال پہ - ماضی کے لئے ہاتھ نہ مل
سب کو تُو برہم کا متوالا بنا سکتا ہے
کوہ ہمت سے کن اُنگلی پہ اُٹھا سکتا ہے
پھیر دے جا کے سبا رام ڈھنڈورا گھر گھر

آج سے بھگت ہُوا رام کا بھارت میں گھر
بجلیو! کوندھ کے دِکھلا دو گھٹا میں منظر
بادلو! کڑک کے دہلا دو پہاڑوں کے جگر

رام کے ہاتھ میں شیوجی کا دھنش بان ہے آج
کھنڈ کھنڈ اس کو کرے کس میں بھلا جان ہے آج

رام کے پیاروں کو تُو رام کا پہنچا پیغام
رام کا اپنے ہی بھگتوں کے ہے ہردے میں مقام
رہنا دُنیا میں نہیں رام کا طالب ناکام
رم رہا رام ہیں جو بس وُہی سچا لبِ بام

چاہتے ہیں جو مجھے طالبِ دُنیا ہو کر
گِرتے بستی پہ ہیں ناکام وہ بسپا ہو کر

میں ہی ہوں رُوحِ رواں رام کہو رام کہو
پیارا وہ ہے دھیان کساں رام کہو رام کہو
ہے اگر منہ میں زباں رام کہو رام کہو تو
لیکے تم تیر و کماں رام کہو رام کہو

ہوش نہ چاہو تو رم جاؤ ابھی رام میں تم
بازی لیجاؤ گے دُنیا کے ہر ایک کام میں تم

پریم کے آنسوؤں سے سینچ کے بھارت کی زمیں
کہتا بھارت مری ماتا ہے کیوں غم میں حزیں
رام زندہ ہے نہیں مجھ سے جُدا اِک بہ یقیں
میرے ہر رُوم میں اُلفت ہے تیری نقش و نگیں

قول ہے ساتھ تیرے مجھکو ہے ہر لحظہ خیال
دیکھ توں آنکھ سے جنک نہ ہیں بھارت کو بحال
ہاں ہاں میری حفاظت سے رکھے گی گنگا
ناز اُٹھائے گی میرے بوجھ سہیگی گنگا
رام کے چرنوں سے اب جلد بھیگی گنگا
گود میں لال لئے رام کھیلے گی گنگا
دھرم کا سورج اودے ہوگا پھر اِکدن اب رام
کرنیں پرکاش کی پھیلائے گا بھارت میں رام
مُرغِ دِل کے لئے ہے تیر نظر رام کا بریم
چشمِ عُشاق میں ہے رام کا گھر - رام کا پریم
رکھتا ہے سحر کا ہر دِل پہ اثر رام کا پریم
پُوچھ گنگا کی لہروں سے گہر رام کا پریم
جل سمادھی میں مگن دِل کی لگن اب بھی ہے
دھوتی گنگا مرے ہر صبح چرن اب بھی ہے۔

اوم شانتی

نوٹ

اب سوامی جی مہاراج کی وہ مستانہ نظمیں آخر میں دکھائی ہیں کہ جو نظم معرا کے عنوان سے رسالہ الف کے آخری نمبر میں شائع ہوئی تھیں اور جسکے بعد اور نمبر رسالہ الف کا شائع ہونے نہ پایا تھا۔ ان نظموں سے سوامی جی کے اپنے قلب کی حالت خوب منترشح ہو رہی ہے اور یہ سب کی سب مجذوب کی بڑ کی طرح (امریکہ کے مست والٹ وہٹمین کی طرزِ غزل پر) رام کی قلم سے ہی تھیں
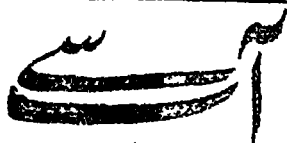
آپ کوئی بھی ہو ایک بات!

یہ ڈر ہے کہ آپ خواب کی چالیں چل رہے ہو!

ذرا دیکھنا! یہ سب فرضی حقیقت اور جوڑ جکڑ تمہارے ہاتھوں کے اندر سے تمہارے پیروں تلے سے وُہ اُڑ رے! وُہ اُڑ رے!

ایلو ابھی جناب کے خال و خط - رنگت - ہنسی - فکر - بول چال - عادت بھول غلطی - باپ ماں - گھربار - پیشہ لباس جناب سے بھاگ نکلے اور حضور کا حقیقی دیدار ہُوا -

کارخانے - دوکانداری - پوشاک - کام کاج - لین دین - نفع نقصان رنج و راحت جسم و اسم - اہل و عیال - کھانا پینا - رونا دھونا - مرنا جینا - چارہ جوئی - سُرسروئی یہ سب تو اِدھر پڑے ہیں اور سرکار الگ کھڑے ہیں! ننگ منگ!

آپ کوئی بھی ہو - اب تو مَیں آپ کو نہیں چھوڑ سکتا - لو ڈالتا ہوں گلے جپھیم وے لپیم! رونقِ دلِ من! میرے بزم و رزم! میرے نثر و نظم! تمہارے کانوں کے ساتھ مُنہ لگا کر جو مَیں نے دِل کا ارمان نکالا کچھ آپ نے سُنا بھی؟

جانِ من! بیشمار عورتوں اور مردوں پر یہ دِل آیا - لیکن آپ کے تو ایک ہی جلوہ بےنقاب سے گیا! سُورج نے جھانکا شبنم تھی ہی نہیں ؛

ہائے! اتنی مدت کیوں نہ ملے!
وائے! میرا ہی ٹال مٹول اور کھٹکا سدِّ راہ بنا رہا۔
کاش! میں سیدھا آپ تک پہنچتا۔

کاش! میں لیتا بلائیں آپ کی!
ہر گھڑی گاتا ثنائیں آپ کی!

خیر! اس شغل دھندا چھوڑ اب تو میں ہوں اور آپ - تمہاری ہی مالا - تمہارا ہی جاپ:
"دل کا محرم" آپ کو بھی کوئی نہیں ملا تھا:
میں ہوں آپ کا محرم (رازداں)۔
آپ کے دل کی کہوں گا:
کسی نے آپ کی قدردانی نہیں کی:
حق تو یوں ہے کہ آپ نے خود اپنی قدر نہیں کی۔
ہائے غضب! جو ملا اُس نے کچھ نہ کچھ کمی (کسر) آپ میں ضرور دیکھی
مجھے تو آپ ہر طرح کامل نظر آتے ہیں:
جو ملا آپ کو ماتحت رکھنا چاہتا تھا:
پھر میں تو ماتحت بنانے کا خیال تک بھی نہیں لا سکتا:
ایک میں ہوں کہ آپ پر کوئی بیرونی دباؤ - حاکم - خاوند - مالک - مالانر دیوتا - خدا گوارا نہیں کر سکتا:

سب شاہوں کا شاہ تُو	تیرا ساہ تُو آپ
تُو رب مالک خود خدا	رب اپنا تُو آپ
حاکم سب پر ہے تیرا	کیا سلطان امیر

(آمدنی) نہ ہو رہی ہو اور جو آپ سے نمودار نہ ہوئی ہو:
میری پوچھو - تو کوئی چیز ایسی نہیں ہے جو میں کسی اور کو دوں اور نذر کے طور پر آپ کے نذر نہ کروں:
کسی کی شان میں (خدا ہو خواہ پیغمبر) حمد و ثنا نہیں گاؤں گا - جو ویسے ہی جوش و عقیدت کے ساتھ آپ کی شان میں نہ گاؤں - آپ کوئی بھی ہو - آپ اپنا حق لیلو - مخول بازی کے کھیل گرہن نہ ہونے دیں - آپ اپنا حق لیلو:
لابروا بادشاہا - آپ اپنے تخت ذات پر جلوہ فرمائیے - سلطنت حقیقی کو زیب دیجئے۔
بادشاہ اور کوئی نہیں ہے نہ ہوا - نہ ہوگا سوائے تیرے:
یہ مغرب و مشرق کی البنیں گرد ہیں تمہارے سامنے:
یہ لق و دق مرغزار - یہ رواں دواں دریاؤں کی بہار -
یہ سلسلہ ہائے کوہستان - یہ دراز و فراخ آسمان - اِن سب کی وسعت میں تم بسر کر سکتے ہو اور اس سے بھی پرے ہو۔
یہ تند و تاریک طوفان - عناصر کے بگولے - قدرت کے گولے - مستی کا زور - قیامت کا شور - تم وہ جوان ہو کہ سب پر چابک سواری کر رہے ہو:

جو خدا کو دیکھنا ہو تو میں دیکھتا ہوں تم کو
میں تو دیکھتا ہوں تم کو جو خدا کو دیکھنا ہو

یہ حجاب ساز و ساماں | یہ نقاب پاس و حرماں
یہ غلافِ ننگ و ناموس | وہ دماغ و دل کا فانوس

وہ من و تُشما کا پردہ	وہ لباسِ حسنت کردہ
وہ حیا کی سبز کائی	وہ فنا! سیاہ رعنائی!

یہ لفافہ جامہ بُرقع یہ اُتار ستر تم کو
جو برہنہ کرکے جھانکا تو تمہیں صفا خدا ہو
جو خُدا کو دیکھنا ہو تو میں دیکھتا ہوں تم کو
میں تو دیکھتا ہوں تم کو جو خُدا کو دیکھنا ہو

اے نسیمِ شوق! جا کے	وہ اُڑا دے زلفِ رُخ سے
اے صبائے علم! جا کر	دے ہٹا وہ خواب چادر
ارے بادِ تُند مستی!	دے مٹا ابر کی ہستی
اے نظر کے گیا گولے!	یہ فصیل جھٹ گرا دے

کہ ہو حل بجسم اکدم - جلے شراہم - نہ یہ عالم
جو ہو چار سُو نر تم کہ ہیں ہم خدا - خدا ہم
جو خُدا کو دیکھنا ہو تو میں دیکھتا ہوں تم کو
میں تو دیکھتا ہوں تم کو جو خُدا کو دیکھنا ہو

نہ یہ تیغ میں ہے طاقت	نہ یہ توپ میں لیاقت
نہ ہے برق میں یہ یارا	نہ ہے زہر ہی کا چارہ
نہ یہ کارِ تند طوفان	نہ ہے زورِ شیرِ غرّاں
کوئی جذبہ ہے نہ شہوت	کوئی طعنہ نے شرارت

جو تجھے ہلا سکے آ سکے
جو تجھے ہلانے آئیں تو ہو راکھو بھسم جائیں
وہ خدائی دیدے کھولو کہ ہوں دُور سب بلائیں

جو خُدا کو دیکھنا ہو تو مَیں دیکھتا ہوں تُم کو
مَیں یہ دیکھتا ہُوں تُم کو۔ کہ تُم ہی تو خود خُدا ہو

وُہ پہاڑی نالے جھم جھم | وُہ بہاری ابر چھم چھم
وُہ چمکتے چاند تارے | ہیں تیرے ہی رُوپ پیارے!
دِلِ عندلیب میں خُون | رُخِ گُل کا رنگِ گلگوں
وُہ شفق کے سُرخ غنچے | ہیں تیرے ہی لال چھپے!

ہے تمہارا دھام تو یہ رام ذرا گھر کو مُنہ تو موڑو
کہ یہ جسم رام ہو تُم۔ تُم ہی تو خود خُدا ہو
جو خُدا کو دیکھنا ہو تو مَیں دیکھتا ہُوں تُم کو
مَیں تو دیکھتا ہُوں تُم کو جو خُدا کو دیکھنا ہو

پِیر سالی

مَیں چھپ کر بیٹھتا ہُوں۔ یہ پُرانا کھنڈر مجھے خُوب بھاتا ہے
کیونکہ اِس کی آڑ میں میری صُورت کوئی نہیں بُوجھ سکیگا؛
یہ (بڑھاپا) میری کُلاہ نظر بند ...... ہے جیسے۔
بن کر میں انسانی محبت کے کئی گلی کُوچوں میں بے کھٹکے گھوم
سکتا ہُوں؛
ہائے بڑھاپا! بڑھاپا؟ نہیں۔ نہیں۔ وہیں پرے۔ پرے!
یہاں پر جہاں مَیں کھڑا ہُوں چڑھتے جوبن کی سدا بہار ہے؛
لیے دیدہ کی دید
ٹپ ٹپ آنکھیں! کہاں بصارت! آن بڑی ہے! دُنیا کے اور میرے بیچ

میں تردد حائل ہو گیا۔ جو دن بدن زیادہ تر دلوار ہوتا جارہا ہے:
ہائے تنہائی! نہیں۔ تنہائی کیوں؟ وہ ٹھنڈک۔ چین جو مجھ پر وارد ہوا کون بیان کر سکتا ہے؟ وہ صدمہ جس سے میں ہلاک ہو گیا ہوتا اُس سے تو میری زنجیر ٹوٹ گئی۔ کبڑے کو لات کاری آئی۔
میں جو اسیر تھا۔ آزاد ہو گیا۔ دنیا رہی نہیں۔ اب تو سب سُرور و امن ہے:
سادھو لوگ الگ بیٹھ کر خدا کو سمجھنے کے لئے بڑی محنت سے آنکھ کان بند کرتے ہیں:

لب بہ بند و گوش بند و چشم بند
گر نہ بانی سرِّ حق برمن بخند

یاروں کو تو گھر بیٹھے لڈو ملے:
جاڑے کے دنوں گرم گرم دھوپ میرے ہاتھوں پر تو سے دیتی کیا بھلی لگتی ہے۔ جلتے ہوئے میری مسنانی کو ہوا چومتی ہے۔ اور کیا ہی پیاری لگتی ہے: وہ قدرت (سحر) جس سے میری آنکھیں رچی ہوئی تھیں اب تو میرا دل بہلاتی ہے۔ ہر چیز میں سہانی سہانی بن گئی۔ اب تو ہر کوئی کیسے میرے پاس پاس آنے لگا۔ اب مجھے کسی کے کھوج میں جانے کی ضرورت نہ رہی۔
میں مزے سے ایک جگہ بیٹھتا ہوں۔ اور آئیں میرے پاس جن کا جی چاہے۔ واہ وا!

طوفانِ نورم سربسر	مصروفِ بازی ہوں بسر
جملہ زماں میدانِ من	ناب سماع چوگانِ من

گوئی من است ایں مہر و مہ | و ایں کوکبِ گردانِ من

فقیر

منظور ہو گر سیرِ دلا بحرِ جہاں کی
جُز کشتیٔ درویش سفینہ نہیں اچھا

یہ فقیر دھوپ میں پڑا ہے کہ خود دھوپ تن رہا ہے!۔
چٹان پر لیٹا ہے کہ چٹان کا ایک ٹکڑا ہو رہا ہے ؛
نہیں خود زمین ہے۔ چٹان کو چھونے سے ساری زمین چھوئی
جاتی ہے ؛

فرق تو صرف شرعی اور ذہنی ہے ؛ اس ذہنی
شرف کو مٹا کر فقیر زمین سے ملا ہوا ہے۔ زمین کا
"خود" یعنی آتما فقیر کا "خود" (آتما) ہو رہا ہے۔ اور
وہی تو "خود آ" یا "خدا" ہے ؛

کیا تمہارے آنگن کی ہوا اور ہے اور دُنیا بھر کی ہوا اور ؟
اگر آنگن کی ہوا علیحدہ ہوتی تو اُس میں زندہ بھی کوئی نہ رہ
سکتا ؛ اسی طرح تمہارے نتھنوں اور پھیپھڑوں میں بھرنے
والی بھی ساری دُنیا کی ہوا ہی تو ہے۔ میرا ہی دم (نفس) کُل
عالم کا دم (نفس) ہے۔ میری ہی آنکھوں کی روشنی کُل جہاں
کی روشنی بھی ہے ؛

اور تمہاری ہی رُوح کُل جہان کی رُوح تو ہے ؛
فرقِ جزو و کُل (وشِشٹھی سمشٹھی بھید) تو صرف سہولیتِ گفتگو
کے لئے قیاس کیا گیا تھا ؛

رام تو سب کا ہے اور سب رام کے ہیں ؛
کرشن کی ماں کے گھر میں تو مکھن بہت تھا مگر مارو ماہے کو سو وہ تو سب گھروں سے اپنا حصّہ لیگا - ایک بنٹو دھا کے گھر میں بند ہو کر وہ باقی جاگیر بھلا کیں نام پر چھوڑ دے ؟ اُوم آنند کا نعرہ مارتا ہُوا یہ جوگی بھکشا کو نکلتا ہے - ہیں ! بادشاہ رعیت پروری کو بھیس بدل کر آیا ہے ! جو دیکھا ہے - دُوسرے دروازے تک جانے نہیں دیتا ؛
کیسا ٹھیکہ داری کا زمانہ آگیا - ریل کا - لکڑی کا - پانی کا تو ہُوا - جوگی کا بھی ٹھیکہ لیا چاہتے ہو ؟
وُہ مانگ کرلے آیا - اب دریا کنارے کھانے لگا ؛
آجاؤ - مچھلی - بندر اور مور ! ہم سب ملکر کھائیں گے ؛ وہ کیسا بھوکا تھا ؛
وہ دیکھو کال کو کھا گیا (لازمان) دیش کو ہڑپ کر گیا (لامکاں) مِلت و مذہب کو نِگل گیا (بے نشاں) -
بس گھر نہیں - گھاٹ نہیں - ننگ دھڑنگ - ایک اکیلا - غریبوں کا غریب ہو گیا ؛
غریب ؟ عجیب و غریب ؛ اکیلا ؟ سب سے بھلا ؛ ننگا ؟ خُدا سے جنگا ؛
سُورج بھی اکیلا چڑھتا ہے - باز بھی اکیلا اُڑتا ہے - شیر بھی اکیلا پھرتا ہے ؛
وحدہٗ لاشریک رام تو اکیلا ہی ہے - ایک ہی ہے - بس ؛

سر پر آکاش کا منڈل ہے	دھرتی ہے سہانی مخمل ہے
دن کو سورج کی محفل ہے	شب کو تاروں کی سبھا بابا
جب جھوم کے یہاں گھن آتے ہیں	مستی کا رنگ جماتے ہیں
چشمے طنبور بجاتے ہیں	گاتی ہے ملار ہوا بابا
ہاں پنچھی بل کر گاتے ہیں	بلبل کے سندس سناتے ہیں
ہاں روپ انوپ دکھاتے ہیں	بھائی بھول اور برگ گیا بابا
دھن دولت آنی جانی ہے	یہ دنیا رام کہانی ہے۔
یہ عالم عالم فانی ہے	باقی ہے ذات خدا بابا

گر بہ فرق ما نہد صد کوہ محنت روزگار
چین پیشانی نہ بندد گوشۂ ابروئے ما

اگرچہ قطب جگہ سے ٹل جائے
اگرچہ بحر بھی جگنو کی دم سے جل جائے
ہمالہ باد کی ٹھوکر سے گو بکھیل جائے
اور آفتاب بھی قبل عروج ڈھل جائے
مگر نہ صاحب ہمت کا حوصلہ ٹوٹے
کبھی نہ جھوٹے سے اپنی جبیں پہ بل آئے

گیانی

(۱) نسیم بہاری چمن سب کھلا	ابھی جھلے دے دے کے بادل چلا
گلوں! بوسہ لو چاندنی کا ملا	جواں نازنیں اک سراپا ملا

ہوئی خوش - ملا تخلیہ کیا بھلا!
نہ جادو سے لیکن ذرا وُہ ہلا
قریب آئی - گھوڑی ہنسی کھلکھلا
نگہ سے دیا کام کو جھٹ جلا

کہ سب حُسن کی جاں میں ہی تو ہوں
مہ و مہر کے پراں میں ہی تو ہوں

(۲) ہزاروں جمع پوجا سیوا کو تھے
تھے دیوان دھونے قدم شوق سے
رشی تم ہو اوتار سب سے بڑے
کھڑے راجے جوڑ موڑ جھل کر رہے
کھڑے خدمت میں حاضر لئے خواں کھڑے
یہ سب دیکھ بولا - لگا قہقہے -

بڑا ہی نہیں بلکہ چھوٹا بھی ہوں
نہ محدود کیجے گا سب میں ہی ہوں

(۳) بُرے طور تھے لوگ سب جھڑتے
نرلا نرلا نرلا تڑ وُہ پتھر جڑے
پیاپے تھے زخم اور صدمے کڑے
ٹھٹھولی سے تھے پھبتیاں گھڑ رہے
لہو کے نشاں سر پہ رُخ پہ پڑے
تھے دیدے عجب مسکراہٹ بھرے

کہ اِس کھیل کی جاں میں ہی تو ہوں
یہ لیلا کے بھی پران میں ہی تو ہوں

(۴) تھا نیم شب - ماہ تھا جنوری
برف کی لگی اُس گھڑی اِک جھڑی
بدن کی تو گت بید مجنوں سی تھی
ہمالہ کی برفیں - سیاہ رات تھی
تھمی برف باری تو آندھی چلی
نہ دِل میں تھی طاقت - لبوں پر ہنسی

کہ سردی کی بھی جان میں ہی تو ہوں
عناصر کے بھی پران میں ہی تو ہوں

(۵) سما دوپہر - ماہ تھا جون کا
تمازت نے لُو کی دِیا سب جلا
جگہ کی جو پوچھو - خطِ استوا
حرارت سے تھا ریگ بھی بھونتا

بدن موم ساں تھا پگھلنا بڑا | پہ لب سے تھا خندہ بروپا ہوا

کہ گرمی کی بھی جان میں ہی تو ہوں
عناصر کے بھی پران میں ہی تو ہوں

(۶) بیاباں تنہا لق ودق غضب | اِدھر معدہ خالی اُدھر خشک لب
اُٹھائی نگاہ سامنے۔ اے عجب! | لڑی آنکھ اِک شیرِ غرّاں سے تب
یہ تیزی سے گھورا! گیا بے ادب | جلالِ جمالی تھا جوبن میں اب

کہ شیروں کی بھی جان میں ہی تو ہوں
سبھی خلق کے پران میں ہی تو ہوں

(۷) ملا منجدھارا میں کشتی گھری | یہ کہتا تھا طوفاں کہ ہوں آخری
تھپیڑوں سے جھٹ ہٹ گٹھان وہ چری | اُدھر بجلی بھی وہ گری وہ گری
تھا تھامے ہوئے بانس جوں بانسری | تبسم میں جرأت بھری تھی تری

کہ طوفاں کی بھی جان میں ہی تو ہوں
عناصر کے بھی پران میں ہی تو ہوں

(۸) بدن درد و پیچش سے بیتاب تھا | تپِ سخت و رزش سے بیتاب تھا
نشہ گیان کا جوں مئے ناب تھا | وہ گاتا تھا۔ گویا مرض خواب تھا
مٹا جسم جو نقش بر آب تھا | نہ بگڑا میرا کچھ کہ خود آب تھا

جہاں بھر کے ابدانِ خوباں میں ہوں
میں ہوں رام ہر ایک کی جاں میں ہوں

چاند کی کرتوت

عجب گھومنے گھومنے رام کو | ملا ایک نالا سرِ شام کو

جولاہے کی تھی پاس ہی جھونپڑی
ہوا چھجے سے سر سرانے لگی
میں کیا دیکھتا ہوں کہ لڑکی وہیں
کھلا منہ ہے بھولے سے مسکا رہی
اُتر آنکھ سے دل میں داخل ہوا
کہو تو ارے چاند! کیا بات ہے؟
پڑا عکس ہے تیرا تالاب پر
دیا عالموں کو نہ جس راز کو
ریاضی کا ماہر نہ جو پا سکا
جولاہے کے گھر میں دما سب سما
وہ ننھے سے دل میں بہ آرام کیا

ہی لڑکی وہاں کھلی اِک گھڑی
اِدھر چاندنی دمدمانے لگی
ہے سُن بن رہی اور ہلتی نہیں
ہے آنکھوں سے کیا چاند کو کھا رہی
دلِ صاف ہیں چاند سب گھل گیا
یہ کیا کر رہے ہو یہ کیا گھات ہے؟
یہ لڑکی کے دل میں کیا تو نے گھر
دکھایا نہ جو دُور بیں باز کو
نہ ہیئت سے جو بھید کچھ آسکا
ارے چاند! کیوں بے! ہوا تجھ کو کیا؟
غریبوں کے گھر میں تیرا کام کیا؟

مارے خوشی کے قافیہ و ردیف و اوزان وغیرہ کو رندانِ آزاد دلا رہے سے سابقہ پڑ جائے تو پابندیٔ قانونِ کہن اور قیودِ سخن کا لحاظ پانا (کس ہونا) لازم آتا ہے۔ نظم کی زمیں پر آنکھیں جمائے عمریں بیت گئیں۔ نظم کے آسمان پر نظر اٹھاؤ۔

(رام)

روشنی کی گھاتیں

(جوشِ نور)

نہ بر اُشتر بر سوارم | نہ چو اُشتر زیرِ بارم
نہ خداوندِ رعیت | نہ غلامِ شہریارم
نفسے می زنم آزادہ و نیوش عمر میگذارم

میں پڑا تھا پہلو میں رام کے | دونوں ایک بستر میں لیٹے تھے
میرا سینہ پہ اُسکے تھا | میرا سانس اُسکا تو سانس تھا
آئی چُپکے چُپکے سے روشنی | دیئے بوسے دیدوں پہ ناز سے

(شعاعیں)
لمبی پتلی لال سی اُنگلیوں سے خوشی میں گُدگُدا دیا
"کچھ تم کو آج دکھاؤں گی۔ میں دکھاؤں گی"۔ ایسا کہہ کے ہائے جگا دیا!
یہ جگا دیا کہ سُلا دیا - جانے کس بلا میں پھنسا دیا
ایلو! کیا ہی نقشہ جما دیا! کیسا رنگ جادو رچا دیا!
پھلی نکھر کر ہمیں ساتھ لے - کری سیر ہاتھوں میں ہاتھ دے
مجھے کھیل آنکھوں میں آنکھ دے - غُل ولولہ سا مچا گیا
اِک شور غوغا اُٹھا دیا - رنج دھام کو تو بُھلا دیا
مُنہ رام سے تو مُڑا دیا - آرام جاں کو مِٹا دیا -
پھٹکار کر جھٹک مار کر ہر مُو سے بولا پکار کر
اری نابکارہ روشنی! اری! کیا تُو نے بُھلا دیا!
خندی کرنیں مال تیرے سفید ہیں بالوں میں رنگ بھر ہی تو
گلگونہ منہ پہ ملے ہے تو - تتلی نے رُوپ بنا لیا
رُخ دیکھئے تو فنا ترا - دِل گردشوں سے شفق تیرا
تو اُڑتی پھیرے سے دُھول ہے ترا رام نے جو جَتا دیا
کہو! کس جوانی کے زور پر تو نے ہم کو آ کے اُٹھا دیا
یوں کہہ کے قصہ سمیٹ کر دِل جاں میں بار لپیٹ کر
پھر لمبی تانوں میں پڑ گیا - گویا غیر رام جتلا دیا
ابھی رات بھر بھی نہ بیتی تھی کہ لو روشنی کو ہوا لگی

نئے نخرے نخرے سے باہر سے میرے چشم جانہ کو واکیا
کچھ آج تم کو دکھاؤنگی۔ میں دکھاؤنگی ایسا کہہ کے ہائے نچا دیا
کہوں کیا؟ جی! بھرے ہیں آگئے۔ کیسا سبز باغ دکھا دیا
لڑ بھڑ کے آخر شام کو۔ کہہ الوداع سب کام کو
آغوش میں لے رام کو تن اُس کے من میں چھپا دیا
لیکن پھر آئی روشنی۔ تو دم دلاسا چل گیا
اور پھر وہی شیطانیاں! ویسی ہی کارستانیاں!
ہنسنے میں اور پھنسنے میں بھر دن بھر کو. یوُنہی ستا دیا
بیہودہ ٹال مٹول! جی ماروں کا بھر اُکتا گیا
ہم سو گئے۔ جاگ اُٹھے۔ پھر یوُں ہی علیٰ ہذا القیاس
وعدہ نہ اپنا روشنی نے ایک دن ایفاء کیا
جھکنے نہ پائی روشنی۔ معمول پر حاضر تھی یہ
عمروں پہ عمریں ہوگئیں اس کا تو آخر دور تھا
کس دُھن میں سب اقرار تھے کیوں دن بدن یہ مدار تھے؟
کس بات کے در پے تھی یہ؟ مست و خراب ہے تھی یہ؟
یہ تو معمّا نہ کھلا۔ صدیوں کا عرصہ ہو گیا تو
ہر بات جو سمجھی عجب ہاں جا دیکھا تو تب
خالی سُہانا ڈھول تھا دھوکا فتنۂ غول تھا
سب گنگ و کر اشجار تھے۔ جب راست سب اغیار تھے
سب یار دل پر بار تھے۔ اور بے ٹھکانا کار تھا:
اپنا تو ہر شب رُوٹھ جانا۔ روشنی کا پھر منانا

آج اور کل اور روز و شب کی قید ہی میں تلملانا
سب تجسس تو عبث فضول اور کار ناہموار تھا
وہ روشنی کا ساتھ چلنا۔ اپنا نہ ہرگز اُس کو تکنا
وہ روشنی کے جی کی حسرت۔ ہم کو بے پرواہ بلکہ نفرت
سُود و زیاں بیم و رجا کی رگڑا! کارِ زار تھا
یُونہی رفتہ رفتہ بڑھے کبھی۔ کبھی اُٹھ کھڑے ہنسے مرے کبھی
کبھی شکمِ مادر گھر ہُوا۔ کبھی زن سے بوس و کنار تھا
بڑھنا کبھی۔ گھٹنا کبھی۔ قدو عذر دُشوار تھا
غرض انتظار و کشاکشی۔ دِن رات سینہ فگار تھا
کیا زندگی یہ ہے بگولے کی طرح پیچاں رہیں؟
اور کور سگ بن کر شکار یاد میں حیران رہیں؟
لو! آخرش آیا وہ دِن اقرار پُورا ہو گیا
صدیوں کی منزل کٹ گئی سب کار پُورا ہو گیا
ہاں! روشنی ہے سُرخرو۔ تیرا وعدہ آج وفا ہُوا
تیرے صدقے صدقے میں نازنیں! بکل بھید آج میرا ہُوا
غمروں کا عقدہ حل ہُوا، قفل و گرہ سب کھل گئے
سب بغض و تنگی اُڑ گئی یاس اور شبہے سب دُھل گئے
سب خوابِ دُوئی مٹ گیا۔ در پردے عجب یہ کھل گئے!
اے روشنی! اے روشنی! خوش ہو میں تیرا یار ہوں
خاوند گھر والا ہوں میں۔ کیشب بیاہ سرکار ہوں
وہ رام جو معبود تھا سایہ تھا میرے نور کا

کیا روشنی کیا رام اک شعلہ ہے مسرے طُور کا
اِن آنسوؤں کے تار کے سہرے سے چہرہ کِھل اُٹھا
کیا لُطف شادیِ مرگ ہے ہر شئے سے شادی! واہ واہ
ہاں! مُژدہ باد اے سانپ سگ - اے زاغ ماہی جبل گد
اِس جسم سے کرلو ضیافت بیٹھ مجھ بھر واہ واہ
آنند کے جب بہ کے ساکے بہ جسم اک بند تھا
وُہ بہ گیا بند ہوگی دریا بہا ہے واہ واہ
سب فرض قرض اور غرض کے امراض یکدم اُڑ گئے
ہل پھر گیا زیر و زبر اور سُہاگا واہ واہ
دُنیا کے دل بادل اُٹھے تھے نظر غلط انداز سے
لو اِک نگہ سے حک گیا سارا سراپا واہ واہ
تن نُور سے بھرپُور ہو - معمُور ہو مسرُور ہو
وُہ اُڑ گیا - جاتا رہا - پُر نُور ہو - کافُور ہو کر
اب شب کہاں؟ اور دِن کہاں؟ فردا ہی نے امروز ہی
ہے اِک سُرورِ لاتغیّر عیش ہے نے سوز ہے
اُٹھنا کہاں؟ سونا کہاں؟ آنا کہاں؟ جانا کہاں؟
مجھ بحرِ نُور و سرور میں کھونا کہاں؟ پانا کہاں؟
میں نُور ہُوں - میں نور ہُوں میں نُور کا بھی نُور ہوں
تاروں میں ہُوں - سُورج میں ہُوں نزدیک سے نزدیک ہُوں
اور دُور سے بھی دُور ہُوں
میں معدن و مخزن ہُوں میں منبع ہُوا چشمۂ نور کا

آرام گہِ آرام دِہ ہُوں روشنی کا نُور کا
میری تجلّی ہے یہ نُورِ عقل و نورِ عنصری
مجھ سے درخشاں ہیں یہ کُل اجرامِ چرخِ چنبری
ہاں! اے مبارک روشنی! اے نُورِ جاں! اے پیاری مَیں!
تُو۔ رام اور میں ایک ہیں۔ ہاں ایک ہیں۔ ہاں ایک ہیں
ہر جیتم ہر شئے ہر بسر ہر فہم ہر مفہوم ہیں۔
ناظر نظر منظور ہیں۔ عالِم ہُوں ہیں معلُوم مَیں
ہر آنکھ میری آنکھ ہے ہر ایک دِل ہے دِل مرا!
ہاں سُنبُل و گُل مہر و مہ کی آنکھ میں ہے تِل میرا
وحشت بھرے آہُو کا دِل۔ شبیرِ نر کا قہر کا
دِلِ عاشقِ بیدل کا پیارے یار کا اور دہر کا
امرت بھرے سوامی کا دِل اور مارِ پُر از زہر کا
یہ سب تجلّی ہے مری باہر میرے پیکر کا
اِک بلبلہ ہے مجھ میں سب ایجادِ نو ابدادِ نو
ہے اِک ہنور مجھ میں یہ مرگِ ناگہاں اور زادِ نو
سوئے پڑے بچّے کو وُہ جا جا کے اُٹھا کر کھیلنا سرہانا
آہستہ سے مکھی اُڑانا۔ طفل کا وُہ پسُودنا
وُہ دو بجے شب کو شفاخانہ میں لیٹنہ مریض کو
اُٹھ کر پلانا سوڈا واٹر کاٹ اپنی نیند کو
وُہ مست ہو ننگے نہانا کُود پڑنا گنگ میں
چھینٹے اُڑانا۔ غُل مچانا۔ غوطے کھانا رنگ میں۔

وہ ما سے لڑنا۔ ضد میں اڑنا۔ مچلنا۔ ایڑی رگڑنا
والد سے پٹنا اور چلاتے ہوئے آنکھوں کو ملنا
کالج کے سائنس روم میں گاسوں سے پٹنے پھوڑنا
بارود اور گولوں سے صف در صف سپاہیں توڑنا
اِن سب حالوں میں ہم ہی ہیں
یہ میں ہی ہوں۔ یہ ہم ہی ہیں
گرمی کا موسم۔ صُبحدم۔ ساعت ہے دو بانس کا
کھڑکی میں دیوا دیکھنے ہو ٹمٹماتا ٹین کا؟
دیوے پہ پروانے ہیں گرتے بیخودی میں بار بار
بیچارہ لڑکا کر رہا ہے علم پر جاں کو نثار
بیچارے طالب علم کے چہرے کی زردی ہے میری
بے نیند لمبے سانس اور آہوں کی سردی ہے میری
اِن سب حالوں میں میں ہی ہوں
یہ ہم ہی ہیں یہ میں ہی ہوں۔
ہے لہلہاتا کھیت ہرا چل رہی ہے ٹھُم ٹھمک
گاڑھے کی دھوتی۔ لال جیرا۔ چودھری کی لٹ لٹک!
جوشِ جوانی! مست الغوزا بجانا اُچھلنا!
مگدر گھمانا کشتی لڑنا بچھڑنا اور کھلنا!
جھگڑا لدا ہے بوجھ سے ہچکولے کھانا بار بار
وُہ ٹانگ پر دھر ٹانگ پڑنا بوجھ اُوپر ہو سوار
شدّت کی گرمی۔ چیل انڈے کے سجے۔ سر دوپہر

جا بھکت بن ہل کا چلانا عرق میں ہو تر بتر
اور سبر پہ لوٹا ٹھا جو کا کچھ روٹیاں کچھ ساگ دھر
بھنا اُٹھا۔ کسے کوئے۔ عورت کا آ، اینٹھ کر کہ
اِن سب جاموں میں ہم ہی ہیں
یہ ہمیں ہی ہوں۔ یہ جسم ہی ہیں
دُلہن کا دِل سے پاس آنا۔ اور سینے رکنا تھک جانا
شرم و حیا کا جنس کے جنگل میں رہ رہ کے آنا
وہ ماہ گلرو کے گلے میں ڈال باہیں جا رہے
ٹھنڈے جسموں کے کنارے بوسہ بازی بار ہے!
ہاں! اور وہ جھکے سے جھٹ کر آڑ میں استار کے
بے دام خنسہ ، پولیس سپاہی راجا کی سرکار کے
اِن سب جاموں میں ہم ہی ہیں۔ یہ ہمیں ہی ہوں یہ ہم ہی ہیں
یہ سب تماشے ہیں میرے۔ یہ سب میری کرتوت ہے!
وہ اس طرح کھا کھا کے مرنا اس طرح ناخنوں سے گم!
وہ بلبلانا جل میں۔ جنگل میں بھرنا عقیم بکم
اور وہ گدھے۔ گرسیاں۔ سنگئے۔ بچھونے۔ بگیاں
سب مادر ِ ستی ہوا ابیر شہ کا ، اور بجلیاں
یہ سب تماشے ہیں میرے۔ یہ سب میری کرتوت ہے!
وہ دل میں نار بگھریں محل نوارن بیٹوں میں
روس۔ امریکا۔ ایران میں جاپان میں یا چین میں۔
سسکنا۔ دکھڑے سنانا۔ یوں بہانا زار زار

وہ کھلکھلانا قہقہوں اور چہچہوں میں بار بار
وہ وقت بے بارش نہ لانا ہند میں یا سندھ میں
پھر رام کو گالی سُنانا ننگ ہو کر ہند میں
وہ دھوپ سے سب کو ستانا مُرغ بریاں بھوننا
بادل کی ساری کو کناری جا رہی کی گوُ ندنا
جب ہو کے کھانی گالیاں سالے سے اس سنسار سے
نوس ہو صلیب (کرشن بنکر) و دار پر چڑھنا مبارک حال سے
(عیسیٰ کی طرح) (منصور)
یہ کل تماشے ہیں میرے۔ یہ سب میری کرتوت ہے!
ان سب جالوں میں ہم ہی ہیں
نہ میں ہی ہوں نہ تم ہی ہیں
محتاج کے بیمار کے مالی کے اور نادار کے ٭
ہیں ہم لب و ہم لعل ہُوں ہمراز ہوں اے یار کا
سنسان منسد دریا کنارے ہیں کھڑے ڈٹ کر تو ہم
اور قید تخت و تاج میں گر ہیں پڑے جکڑے تو ہم
سستے سے سستے ہیں تو ہم مہنگے سے مہنگے ہیں تو ہم
تازہ سے تازہ ہیں تو ہم سب سے پرانے ہیں تو ہم
واحد ہوں مجھ کو میرا ہی سجدہ سلام ہے ٭
میری "نمستے" مجھ کو ہے اور رام رام ہے
جانتے ہو؟ عاشق و معشوق جب ہوتے ہیں ایک
بے شبہ میری ہی چھاتی پر بھی سوتے ہیں نیک
پُن میں اور پاپ میں ہر بال سانس اور ماس میں

دُور کر آنکھوں سے پردہ دیکھ جلوہ گھاس میں
کچھ سُنا تم نے؟ عجب جالیں میری چالاکیاں!
بیجا ناز کرشمے۔ لا دھڑک بے باکیاں!
ہاں کروڑوں عیب۔ حُسن و۔ افعالِ نیک۔ اعمال زشت
مجھ میں متصوّر ہیں دوزخ۔ بُتکدہ۔ مسجد۔ بہشت
مار دینا۔ جھوٹ بکنا۔ چور یاری اور ستم
کُل جہاں کے عیب بے اندیشہ کرتے ہیں ہم
اے زمیں کے بادشاہو! بندو! پرہیزگارو!
اے پولس! اے مدّعی! حاکم! وکیل! اے میرے یارو!
لو بتا دیتے ہیں تم کو رازِ خفیہ آج ہم
اپنے مُنہ سے آپ ہی اقرار خود کرتے ہیں ہم
خواہ چوری سے کہ یاری سے کھپا لیتا ہُوں میں
سب کی ملکیت کو مقبوضات کو اور ستان کو
بے ستم یارو! کہ ہرگز بھی تو سہہ سکتا نہیں
غیر خود کے ذکر کو یا نام کو کہ نشان کو!
خود کُشی کرتے ہیں سب قانون۔ تنقیح و جرح
دُور ہی سے دیکھ بھاگتے ہیں جو مجھ طوفان کو
کُل جہاں لُٹ ایک خرّاٹا ہے مستی میں میرا
اے غضب! سچ کر دکھاتا ہُوں میں اس بہتان کو
کیا مزا ہو۔ لو بھلا دوڑو۔ مجھے پکڑو۔ مجھے پکڑو مجھے پکڑو کوئی
رِند مستوں کا شہنشاہ ہُوں مجھے پکڑو۔ مجھے پکڑو۔ مجھے پکڑو کوئی

تیر

سینہ زوری اور جوری - چھیڑ چھاڑ اٹکھیلیاں!
چٹکیاں سینہ میں بھرتا ہوں مجھے پکڑو کوئی

کھا کے ماکھن - دِل چرا کر وُہ گیا بَن ٹھن گیا!
مار کر بَن ہاتھ ہاتھوں پر بہا جاتا ہوں! مجھے پکڑو کوئی

رات دِن چُھپ کر تمہارے باغ میں بیٹھا ہوں مَیں
بانسری میں گا بُلاتا ہوں - مجھے پکڑو کوئی

آئیے گا - لو اُڑا دیجئے گا میرے جِسم کو
نام مِٹ جانے سے مِلتا ہوں مجھے پکڑو کوئی

دست و پا - گوش و دیدہ مِثل دستانہ اُتار
حُلیہ صورت کو مِٹاتا ہوں مجھے پکڑو کوئی

سانپ جیسے کینچلی کو پھینک نام و ننگ کو
بے سِلح کے بس میں آتا ہوں مجھے پکڑو کوئی

نٹ گیا! وہ نٹ گیا! نٹ کر بھلا جائے کہاں
مُنہ تو پھیرو! یہ کھڑا ہوں! لو مجھے پکڑو کوئی

آتے آتے مُجھ تلک بس ہی تو تم ہو جاؤ گے
آپ کو پکڑو اگر چاہو مجھے پکڑو کوئی تو

آتش سوزاں ہوں مجھ میں پُن کیا اور پاپ کیا؟
کون پکڑے گا مجھے؟ اور ہاں! میرا پکڑے گا کیا؟

دُنیا کی چھت پر سے للکار

خوش کھڑا دُنیا کی چھت پر ہوں تماشا دیکھتا
گاہ بگاہ دیتا لگا ہوں وحشیوں کی سی صدا

بادشاہ دنیا کے ہیں مُہرے میری شطرنج کے
دِل لگی کی چال ہیں سب رنگ صُلح اور جنگ کے
رقص شادی سے مرے جب کانپ اُٹھتی ہے زمین
دیکھ کر میں کھلکھلانا قہقہاتا ہوں وہیں ؎
اے کمال ریل گاڑی! اُڑ گئی اے سرجلی!
اے خرِ دجال! نخرہ بازیوں میں جوں پری
بھولے بھالے آدمی بھر بھر کے لئے ہٹ میں
لے ڈکاریں لوٹتی ہے رستے میں با کھبت میں۔
جھوٹ دھوکا! زباں اور صاف کہہ سچ سچ بتا
منزلِ مقصود تک کوئی ہُوا تجھ سے رسا؟
پیٹ میں تیرے پڑا جو۔ وُہ گیا۔ لو۔ وہ گیا!
ہائے ہائے منزلِ مقصود پیچھے رہ گیا!
اے جواں بابو! یہ گرمی کیوں؟ ذرا تھم کر چلو
میگ لیکر ہاتھ میں سرپٹ نہ یُوں جلدی کرو
دَوڑتے کیا ہو براہِ نُور کے مِلنے کو تم
وہ نہ باہر ہے ذرا پیچھے ہٹو باطن کو تم ؎
کیوں ہو مجرم! اہلکاروں کی خوشامد میں پڑے؟
یہ کبھی وُہ نہیں تم کو رہائی دے سکے ؎
پہن کر پوشاک گہنے پُرشکن اوڑھے ناز سے ؎
چوری چوری گلبدن ملنے چلی پہنے یار سے
اے محبت سے بھری! اے پیاری بی بی! خوبرو!

جونک مت گھبرا نہیں سُن کر مری للکار کو
نکل بھاگا دل ترا پیروں سے بڑھ کر دوڑ میں
دل حرم ہے یار کا ساکن ہو گِرنے دوڑ میں
ہو کھڑی جا! برقع جامہ اور بدن تک دے اُتار
بے حیا ہو۔ ایک دم میں لے ابھی ملتا ہے یار
دوڑ قاصد! پر لگا کر۔ اُڑ مری جاں! پیچ کھا کر
ہر دل و ہر جاں میں جا کر بیٹھ جم کر گھر بنا کر
میں خدا ہوں۔ میں خدا ہوں" راز جاں میں پھونک دے!
ہر رگ و ریشہ میں گھس کر مستی و مُل جھونک دے!
غیر بینی - غیر دانی اور غلامی سدگی (دکو)
مار گولے۔ دے دھڑا دھڑ۔ ایک ہی ایک کوک دے
...شتی پر کر سواری۔ آنکھ سے کر نُور باری
ہر دل و دیدہ میں جا جھنڈا الف کا ٹھونک دے

کہاں جاؤں؟ کسے چھوڑوں؟ کسے لے لوں؟ کروں کیا میں
میں اِک طوفان ویاس کا ہوں۔ پُر حسرت تماشا میں
میں باطن۔ میں عیاں۔ زیر و زبر۔ چپ راست۔ پیش و پس
جہاں میں۔ ہر مکاں میں۔ ہر زماں ہو لگا۔ سدا تھا میں
نہیں کچھ جو نہیں میں ہوں۔ اِدھر میں ہوں اُدھر میں ہوں
میں جا ہوں کیا؟ کسے ڈھونڈوں؟ سبھوں میں نانا مانا میں

مایا

شام

گنگا کی ٹھنڈی چھاتی سے آتی ہے خوش ہوا
ہے بھینے بھینے باغ کا سانس اس میں مل رہا
گنگا کے روم روم میں رچنے لگا وہ بحر
آیا جوار زور کا لہروں پہ لے کے لہر
دیکھو تو کیسے شوق سے آتے جہاز ہیں
مارے خوشی کے سیٹی بجاتے جہاز ہیں
شادی زمیں کی ایلو! فلک سے ہوئی ہوئی
وہ سائباں قنات ہے جب ہی تنی ہوئی
دولہا کے سر پہ تاروں کا سہرا کھلا کھلا
دولہن کے برقِ دل نے چراغاں کھلا دیا

مقام (ایڈن گارڈن۔ کلکتہ)

ہے کیا سہانا باغ میں میدانِ دلکشا
اور حاشیہ ہے بنچوں کا سبزہ پہ واہ وا
مجمع ہجوم لوگوں کا بھر کر لگا ہے یہ
میدان آدمی سے لبالب بھرا ہے یہ
بنچوں پہ بعض بیٹھے ہیں۔ اکثر ہیں خوش کھڑے
مانگے جوان باغ میں ہیں ٹہلتے پڑے
میدان کے پار سڑک پہ ہے بگھیوں کی بھیڑ
گھوڑوں کی سرکشی ہے لگاموں کی دے پھیڑ

مدکر

شوقین کلکتہ کے ہیں موجود سب یہاں ہ
ہر رنگ ڈھنگ وضع کے ملتے ہیں اب یہاں
کام
ہم سب کو دیکھتے ہیں پر دیکھتے کہاں
آنکھیں نئی ہوئی ہیں یہ کیا پیر کیا جواں؟
مرکز بنے سب نگاہوں کا اُجلا جبو نزا ہ
خوش بینڈ باجے گوروں کا جس میں ہے بج رہا
گانے بھلا بھلا کے ہیں وہ گائیں گوریاں ہ
کیا روشنی ہیں سرخ دمکتی ہیں کرتیاں!
اے لوگوں تم کو کیا ہے جو ہلتے ذرا نہیں!
کیا تم نے لال کرتی کو دیکھا کبھی نہیں!

پردہ

اسرار اس میں کیا ہے کرو غور تو سہی
اس ٹکٹکی میں کیا ہے کرو غور تو سہی!
روں کی گردنوں کو ہیں گو تک رہے ضرور
لیکن نظر سے گزرتاں گورے تو سب ہیں دور
لہرا رہا ہے پردہ سا سب کی نگاہ پر ہ
اس پردے سے بروئی ہے ہر ایک کی نظر
پردہ تن رہا ہے عجب ٹھاٹھ باٹھ کا
جس میں زمین زمان و مکاں ہے سما رہا
پردہ بلا ہے چھید کہ سبوں کہیں نہیں ہ

لیکن موٹائی پوچھو تو اصلا نہیں نہیں
پردہ سنم ہے۔ سحر کے نقش و نگار ہیں
ہر آنکھ کے لئے یہاں علیحدہ ہی کار ہیں
پردوں سے راگ کے ہے یہ پردہ عجب پڑا
گنبد عرب سنہر کا ہے کہ معراج کا مزا
جادو ہے۔ ہپنوٹزم ہے۔ پردہ شراب ہے
کیا سچ ہے۔ رنگ ڈھنگ یہ سب نقشِ آب ہے
رہیئے تو بار پردہ ہیں۔ دیکھیں تو کیفیت؟
آنکھیں سلی ہیں پردہ سے کیوں؟ کیا ہے ماہیت؟
پردوں میں اور رنگوں میں کیا ہے مناسبت؟

بیاہ

وہ! نوجواں کے روبرو نوری لباس میں
دلہن کھلی ہے پھول سی پھولوں کی باس میں
شادی کے راگ رنگ میں باجہ بدل گیا
اہلو! برات بیٹھی ہے جلسہ بدل گیا
دلہن کا رنگ ہو بہو گویا گلاب ہے تو لو
اور چشم نیم مست سے ٹپکتا شراب ہے
کیوں دائیں سے اور بائیں سے مڑ جائیں نہ آنکھیں
جب رنگ ہی ایسا ہو تو جڑ جائیں نہ آنکھیں

یونیورسٹی کانووکیشن

عینک لگائے لڑکے کو وہ اس ہی پردہ پر

ہرکارہ دَوڑتا ہُوا لاتا ہے کیا خبر
لیتے ہی تار ہاتھ میں لڑکا اُچھل پڑا
"مَیں پاس ہو گیا ہُوں۔ لو مَیں پاس ہو گیا!"
"بی۔ اے کے امتحان میں بڑھ کر رہا ہُوں مَیں
انگلش میں اور حساب میں اوّل رہا ہُوں میں!"
ہے چانسلر سے جلسہ میں انعام پا رہا
اور فیلو صاحبان سے ہے اکرام پا رہا
کیوں دائیں سے اور بائیں سے مُڑ جائیں نہ آنکھیں
جب رنگ ہی ایسا ہو تو جُڑ جائیں نہ آنکھیں

بچہ پیدا ہُوا

وُہ دیکھنا! کسی کے لئے اِس ہی پردہ پر
پُوری ہُوئی ہے آرزُو۔ پیدا ہُوا پسر
منگل ہے شادیانہ ہے خوشیاں منا رہا
دروازے پر ہے بھاٹ کھڑا گیت گا رہا
ننّھا ہے گول مول کہ اِک کنول پھُول ہے
نازک ہے لال لال اچنبھا اَمول ہے!
اب تو بہُو کی چاندی ہے۔ گھر بھر میں بَن گئی!
ساس بھی جو رُوٹھی تھی لو آج من گئی
کیوں دائیں سے اور بائیں سے مُڑ جائیں نہ آنکھیں
جب رنگ ہی ایسا ہو تو جُڑ جائیں نہ آنکھیں

نیشنل کانگرس

وُہ دیکھنا! کسی کے لئے اِس ہی پردہ پر

منڈب ہے کانگریس کا ۔ غضب دھوم کرّو فر
لیکچر وہ دے رہا ہے دھواں دھار سحر کار
جو جبر ننگ نسبہ کو ہے جاتا جگر کے پار تو
اک وک سکوت میں ہیں بڑے حاضرین تمام
ہر دیدہ شعلہ بار ہے! بجلی ہے خاص و عام
وہ تالیوں کی گونج ہیں یکدل ہوئے تمام
وہ موتیوں سے آنکھ کا چھلکے بڑا ہے جام تو
گو آن! آن!" کہتے ہیں سب اہل زندگی تو
ہڈی سے خوں سے لکھیں گے تاریخ ہند کی
کیوں دائیں سے اور بائیں سے مڑ جائیں نہ آنکھیں
جب رنگ ہی ایسا ہو تو بجھ جائیں نہ آنکھیں
اس پردہ پر ہے پھٹکہ میں اک لاکھ کی بچت
اس پردہ پر ہے سیٹھ کو دو لاکھ کی بچت تو
اس پردہ پر ہے سنگھ جواں خوب لڑ رہا
تنہا ہے اک فوج سے کیا ڈٹ کے اڑ رہا
اس پردے پر جہاز ہیں آتے خوشی خوشی
مقصد مراد دل کی ہیں لاتے خوشی خوشی
اس پردے پر ترقی ہے رتبہ بڑھا بڑھا
یکدم ہے میرے یار کا درجہ چڑھا چڑھا
اس پردے پر ہیں سیر و تماشے جہان کے
اس پردے پر ہیں نغمے بہشت و جنان کے

بچھڑے ہوئے ملے ہیں ۔ مُردے بھی اُٹھ کھڑے ہیں
کیوں دائیں سے اور بائیں سے مُڑ جائیں نہ آنکھیں
جب رنگ ہوں دِلخواہ تو جُڑ جائیں نہ آنکھیں

سلطنت حقیقی اندرونی

وہ! کیا ہی پیارا نقشہ ہے! آنکھوں کا بھلا ہوا!
اُس سوہنے نوجوان کا جینا سپھل ہوا
محل اُس کا جس کی چھت میں ہیں ہیرے جڑے ہوئے
قوسِ قزح دار کے پردے تنے ہوئے ہیں
مسند بلند تخت ہے رتن ہیرا بھرا
اور شجر دیودار کا ہے چور جھولتا ہوا
نغمے سُریلے "اوم" کے ہیں اُس سے آرہے
ندیاں پرندے باد ہیں وہ! سُر مِلا رہے
ہوش و حِس ہے گرد پڑا کھال کی طرح
دُنیا ہے اُس کے پیر کی فُٹ بال کی طرح
کیسی یہ سلطنت ہے عدو کا نشاں نہیں!
جس جا نہ راج میرا ہو ایسا مکاں نہیں!
کیوں دائیں سے اور بائیں سے مُڑ جائیں نہ آنکھیں
جب رنگ ہو دِلخواہ تو جُڑ جائیں نہ آنکھیں

دُنیا

مایا کا پردہ بھلا ہے کیا رنگ رنگ میں
اور کیا ہی پھڑ پھڑاتا ہے ہر آب و سنگ میں

اس پردے پر ہیں جھلمل جزائر ملح و بحر | اِس پردے پر ہیں کوہ و بیاباں دیار شہر
سب پیر سب جواں اسی پردہ پر تو ہیں | باشندے اور مکاں اِسی پردہ پر تو ہیں
شعر اور کتاب اسی پردہ پر تو ہیں | سب خاک و آسماں اسی پردہ پر تو ہیں

فیل اسپ اور غلام اسی پردہ پر تو ہیں
شاہنشاہوں کے سپاہ - اسی پردہ پر تو ہیں
کیا جھلملانا پردہ ہے یہ شنکوت کا ؟
دے ہے خیال (ڈگلا ہُوا) کام شنکوت کا

نقوش و نگار اور پردہ ایک ہیں

یہ دو نہیں ہیں - ایک ہیں - پردہ کہو کہ نقش
نقش و نگار پردہ ہیں - پردہ ہی تو ہے نقش
یہ استعارہ تھا کہ وُہ "مایا کے رُوپ" ہیں ؟
"مایا" کہو کہ یُوں کہو یہ "نام رُوپ" ہیں ؟
اِسم و شکل" ہی "مایا" ہیں - "مایا" ہے اسم و شکل
ہم معنی "مایا" کے ہیں یہ سب رنگ رُوپ شکل

فلسفہ

پردہ کھڑا ہے مایا کا یہ کس مقام پر؟
ہے یہ وجود پر کہ ہے اِس عوام پر ؟
ہے بھی کہیں کہ مبنی ہے یہ وہم خام پر؟
کیا سچ ہے - استادہ ہے یہ میرے رام پر؟

نوٹ

انگلینڈ ہر باشندہ سے اُمید رکھتی ہے کہ وُہ اپنا فرض (ڈیوٹی)

پورا پورا ادا کرے۔ اِس قسم کے تفرقات ظاہراً انگلینڈ کو باشندگان سے جُدا جتلاتے ہیں۔ لیکن فی الواقع انگلینڈ کوئی علیحدہ ہستی نہیں ہے جو کہ باشندگان انگلستان پر حکمرانی کر رہی ہو۔ باشندگانِ انگلینڈ ہی بہ ہئیتِ مجموعی انگلینڈ سے نامزد ہیں۔ نقطوں کا مجموعہ ہی بہ ہئیتِ کلّی خط کہلاتا ہے۔

خطوں ہی کا حاصل بہ ہئیتِ مجموعی سطح نام پاتا ہے۔ سطحوں کا ہی پرتہ ہجوم ہی جسم کہا جاتا ہے:

اسی طرح سامعین کے تصوّرات کا ہجوم ہی یہاں پردہ کہا گیا ہے۔ اور انسانوں کے اوہام جزوی (اوِدیا) ہی بلکہ بہ ہئیت کُلّی (سمشٹی) مایا کہلاتے ہیں۔ مایا آپ کے اوہام و خیال سے علیحدہ کوئی طاقت نہیں:

یہ تصوّرات کا پردہ سامعین اور بینڈ باجہ کے بیچ میں حائل ہو رہا ہے۔ نیز سامعین اور بینڈ باجہ کی بدولت قائم ہے۔ لیکن جو لوگ علمِ موسیقی میں ماہر ہیں۔ وہ اِس پردے کے پار دیکھتے ہیں۔ وہ راگ کے ہمکسائے ہوئے خیال میں غلطاں نہیں رہتے۔ بلکہ خود راگ کو سمجھتے اور اُسکا حظ اُٹھاتے ہیں۔ اسی طرح عام لوگ تو مایا (یعنی رنگ روپ نام شکل) میں اُلجھے رہتے ہیں۔ لیکن گیان وان (اہلِ حقیقت) اسماء اشکال کے گورکھ دھندے کو کاٹ وہم و فرض کے پار۔ سترِ مطلق ذاتِ باری کا دیدار کرتا ہے: اوم

(در نشانت) محمل پردہ

ہے اس طرف تو شور سرود و سماع کا

اور اُس طرف ہے زورِ شنیدن کی چاہ کا
اِن دونو طاقتوں کا وُہ ٹکرانا دیکھئے!
پُر زور شور لہروں کا ٹکرانا دیکھئے!
لہریں بلیں - پٹیں - ابلو! پیدا ہوئے حباب
یہ بلبلے ہی پُر فریب ہیں پردہ بہ روئے آب
موجوں ہی کا مقابلہ پردہ کا ہے محل
موجیں ہیں آب - کہتے نہیں کیوں محل ہی جل!
ہاں! یہ تو راست ہے کہ سرود اور سامعین
دونوں ملے - مٹے ہیں وُہ جل روپ رام میں
اور رام ہی میں پردہ ہے نقش و نگار ہیں
- سب اُسی کی لہروں کے موجوں کے کار ہیں

(دار شٹانت) احساسِ عام

محسوس کرنے والی اِدھر سے (یہ) آئی لہر
محسوس ہونے والی ادھر سے (وُہ) آئی لہر
دونو کے عقدِ منادی سے پیدا ہوئے حباب
یعنی نمود "شئے" ہوئی پانی میں جھٹ شتاب
لہریں بھی اور بلبلے سب ایک آب ہیں
اِن سب میں رام آپ ہی رہتے جناب ہیں
مایا تمام اس کی ہے ہر فعل و قول میں
مفعول فعل فاعل و ہر ڈیل و ڈول میں
آبشاروں اور فواروں کی پھواروں کی بہار

چشمہ ساروں سبزہ زاروں گلعذاروں میگساروں کی بہار
بحر و دریا کے جھکولے اور صبا کا خوش خرام
مجھ میں متصوّر ہیں یہ سب اوم میں جیسے کلام
بستر کر لیٹا ہوں جگ میں صبح میں اور شام میں
چاندنی میں روشنی میں کرشن میں اور رام میں

رام میرا

یہ سب تو راست ہے ولے از رُوے ذات بھی
دیکھو تو بروا نقش وغیرہ نہ تھے کبھی
ہے موج ہی میں ردّو بدل جس کے باوجود
قائم ہے جُوں کا تُوں صدا ایک آب کا وجود
از اعتبارِ ذات یہ کہنا پڑا ہے آب کو
بیدا ہی کب ہُوئے تھے وہ امواج اور حباب
از رُوئے رام پُوچھو تو پھر وُہ نگار و نقش
مایا وغیرہ کا کہیں نام و نشاں و نقش
حرکت سکوں اور تغیر کا کام کیا
نُطق و زباں کو دخل۔ صفاتوں کا نام کیا
اقبال کہاں۔ ادبار کہاں۔ یاں ہستی کی کو بار کہاں
یاں پُن کہاں اور پاپ کہاں اور مجھ میں جیت اور ہار کہاں
اقرار کہاں۔ انکار کہاں۔ تکرار کہاں۔ اِصرار کہاں
محسوس حواس احساس کہاں۔ خاک و آب و باد و نار کہاں
سب مرکز مرکز ہے۔ اقطار کہاں پرکار کہاں

نتیجہ

غلطاں ہے محیط بے پایاں ۔ یاں وار کہاں اور پار کہاں
گنگا ہے کہاں اور باغ کہاں ۔ ہے ضلع کہاں پیکار کہاں
یاں نام کہاں اور روپ کہاں ۔ اخفا کہاں اظہار کہاں
نہیں ایک جہاں دوجا کہاں ۔ اور مجھ میں سوچ بچار کہاں
ماں باپ کہاں اُستاد کہاں ۔ گورو چیلے کا یاں کار کہاں؟
احسان کہاں آزار کہاں ۔ یاں خادم اور سردار کہاں
نہ زماں نہ مکاں کا کبھی تھا نشاں ۔ علت معلول افکار کہاں
نہیں زیر و زبر پس و پیش کہاں؟ ۔ تقطیع اور شعر اشعار کہاں

اک نور ہی نور ہوں شعلہ فشاں
گلزار کہاں اور خار کہاں

لیکچر تقریر اپدیش کہاں ۔ تحریر کہاں پرچار کہاں
نہ دل اور گیان اور دھیان کہاں ۔ دل بے بس سینہ فگار کہاں
نہیں شنتی سوتی عار کہاں؟ ۔ میر تُوتی اور دستار کہاں
نہیں بولی طعنہ دھمکی یہاں ۔ اشعار کہاں اور دار کہاں

اک میں ہی تو ہی میں ہی ہوں
سے عمر کا دار و مدار کہاں

آلائش نید و نجات کہاں ۔ اوہام رسن اور مار کہاں
بحر بار کہاں کہسار کہاں ۔ میدان کہاں اور غار کہاں
نہ انجم فرش اور عرش کہاں ۔ یاں خواب کہاں بیدار کہاں
حس عمر نہیں۔ ڈر موت کہاں ۔ اُمید سے حالت زار کہاں
میں اک طوفان وحدت ہوں ۔ انکار مجھ میں استعمار کہاں

اک میں ہی میں ہی میں ہی ہوں
یاں بندے اور سرکار کہاں؟

فہرست کتب

شری رام تیرتھ پبلیکیشن لیگ

نمبر ۲۵ مارواڑی گلی لکھنؤ

سنہ ۱۹۳۱ء

مطبع گلشن ابراہیمی پریس لکھنؤ

باہتمام محمد ابراہیم طبع کیا

(۱) خمخانۂ رام یعنی کلیاتِ رام جلد اوّل (اردو)

اِس میں ترجمانِ سوامی رام تیرتھ جی مہاراج زندۂ جاوید کی تحریرات جو پہلے رسالہ الف کے شروع کے ۱۲ نمبروں میں شائع ہوئی تھیں اور جن میں بعد ازاں اپنی ہی قلم سے سوامی رام نے جابجا ترمیم کی تھی وہ سب کی سب معہ ترجمہ و شرح فارسی و انگریزی غزلیات کے درج ہیں۔

یہ کتاب زندگی کے مرحلوں اور روزانہ کشمکش سے نکال کر سرورِ جاودانی تک رسائی کرانے والی ہے۔ سوامی جی کے یہ اُپدیش شروع میں مختلف چھوٹے چھوٹے رسالوں میں نکلے تھے مگر انگریزی۔ کلیاتِ رام کے شائع ہونے کے بعد پبلک کی یہ خواہش ہوئی کہ جیسے انگریزی تصانیف و تقاریرِ رام نہایت عمدہ ترتیب سے مرتب ہوئی ہیں۔ ویسے ہی کل اُردو تصنیفات و تقریرات بھی خمخانۂ رام کے عنوان پر مختلف جلدوں میں سلسلہ وار منقسم ہو کر چھپنی چاہئیں لہذا سب سے پہلے اسکی جلد اوّل شائع کی گئی جو بہت تھوڑی رہ گئی ہے۔

فہرستِ مضامین۔ (۱) آنند (۲) زندہ کون ہے (۳) وحدت (۴) رام (۵) وحدت کا ایک سادھن (اشاست) اور (۶) ملخص کرشنگ گنگا ترنگ۔

حجمِ کتاب ۔ ۴۷۲ صفحہ ڈمائی کاغذ معہ دو فوٹو سوامی رام کے قیمت فی کاپی مجلد عہ/۸ لیکن نئی اشاعت جو ۱۹۳۱ء تک اندر اندر نکلنے والی ہے اُسکی قیمت قسم اوّل و مجلد (عمہ) اور قسم دوم و مجلد عہ/۸ ہوگی۔

(۲) خمخانۂ رام یعنی کلیات رام جلد دوم (اردو)

اس میں شری مان سوامی رام تیرتھ جی مہاراج زندۂ جاوید کی وہ تحریرات درج ہیں جو اصل میں سوامی رام کی قلبی زندگی کا فوٹو ہیں اور جو رسالہ الف کے باقیماندہ نمبروں میں شائع ہوئی تھیں لیکن بعد ازاں اپنی ہی قلم سے رام نے اُن میں حا بجا ترمیم کی تھی۔ اُن کے ساتھ ساتھ دیگر حالات سوانح عمری رام از قلم شری آر۔ ایس نارائن سوامی و دیگر عاشقانِ رام بھی درج ہیں۔

یہ کتاب اصل میں سوامی رام کی مفصل سوانح عمری ہے جس میں نہ صرف دوسروں کی قلم سے لکھے ہوئے حالات زندگی رام ہیں بلکہ بہت سے تو سوامی جی کی اپنی ہی قلم سے لکھے ہوئے ہیں۔

اس لئے یہ کتاب مفصلہ ذیل چار ابواب میں منقسم ہے

باب اوّل۔ حالاتِ اوائل زندگی رام از قلم شری آر۔ ایس۔ نارائن سوامی شاگرد رشید شری مان سوامی رام تیرتھ جی مہاراج۔

باب دوم۔ حالاتِ ویراگ و مستی یعنی عزم وصال و عالم مستی کے حالات جو جلوۂ کہسار کے عنوان میں سوامی رام کی اپنی ہی قلم سے قلمبند ہو کر شائع ہوئے تھے۔

باب سوم۔ سُرورِ ذات و عالم تیاگ یعنی عالم مستی کے بعد سنیاس اوستھا کے حالات از قلم شری آر۔ ایس نارائن سوامی صاحب مذکور۔

باب چہارم۔ تذکرۂ رام از قلم عاشقانِ رام یعنی وہ قصیدے نظمیں وغیرہ جو رام کے دیہہ چھوڑنے کے بعد مختلف بھگتوں یا پیاروں نے لکھے اور مختلف اخباروں میں شائع کئے تھے

حجم کتاب۔ ۵۰۰ صفحہ سے زائد۔ ڈھائی کا غذمعہ ایک درجن مختلف فوٹو کے

قیمت:۔ قسم اوّل و مجلد (عہ) ۔ قسم دوم و مجلد ۲/۸

(۴۳) رام پتر یعنی خطوطِ رام

بزبان اُردو جس میں وہ تمام مؤثر اور دلچسپ خطوط سلسلہ وار معہ تشریح مشکل الفاظ و نوٹ درج ہیں جو سوامی رام تیرتھ جی مہاراج نے طالب علمی کے زمانے میں اپنے گورو بھگت دھنا رام جی کو لکھے۔ اور اپنے سنیاس آشرم کی زندگی میں چند پیارے طالبانِ حق کے نام تحریر فرمائے۔ ان خطوط کو پڑھ کر شری سوامی جی کی علمی لیاقت اور سادہ پن ہی کا خیال نہیں بلکہ ایشور کی قدرت اور اُنکی قلبی حالت کا بھی اندازہ کرنیکا موقعہ ملسکتا ہے معہ فوٹو سوامی جی مہاراج۔

حجم کتاب صفحہ ۲۰۰ سے زائد۔ ڈمائی کاغذ

قیمت مجلد ۱۲/ غیر مجلد ۸/

(۴۴) رام ورشا اُردو مکمل

جس میں سوامی رام تیرتھ جی مہاراج اور دیگر مہاتماؤں کے وہ بھجن و غزلیات مطابق مضامین کے چودہ ادھیاؤں (ابواب) میں منقسم ہیں کہ جو سوامی جی ممدوح کی نوٹ بکوں تحریروں۔ اور ایڈیشنوں میں پائے گئے ہے۔ اُنکے مطالعہ و گانے سے نہ صرف شروَن منن و ندِدھیاسن یعنی شنید تصدیق حق الیقین ہی ہوتا ہی بلکہ گانے اور سُننے سے وجد کا عالم بھی طاری ہوجاتا ہے۔ پہلے یہ کتاب علیحدہ علیحدہ دو حصّوں میں شائع ہوئی تھی۔ اب اس ایک ہی جلد میں دونوں حصے شامل ہیں۔ فہرست ابواب حصّہ اوّل۔ (۱) منگلا چرن (حمد باری تعالیٰ) (۲) گورو بھگتی (درشنائے سوامی رام) (۳) اُپدیش (۴) ویراگ (۵) بھگتی (عشق) (۶) آتم گیان (معرفتِ ذات) (۷) گیانی (عارف) (۸) تیاگ (فقیری) (۹) نجانند (خود مستی) حصّہ دوم۔ (۱۰) ویدانت (۱۱) اوم (۱۲) تین شریر اور دان (۱۳) انوبھو (تجربہ ذاتی) (۱۴) بھارت ورش۔

حجم تقریباً ۵۳۰ صفحہ کراؤن کاغذ معہ فوٹو سوامی جی مہاراج۔

قیمت قسم اوّل مجلد (عہ/) قسم دوم مجلد (عہ/)

(۵) مختصر سوانح عمری رام

مؤلفہ شری نارائن سوامی ساگر درشید سوامی رام تیرتھ جی مہاراج۔ اِس میں سوامی جی کے مختصر حالاتِ زندگی بلا مبالغہ کے درج ہیں۔ بہت سے حالات تو سوامی جی ممدوح کی اپنی قلم سے ہیں باقی سب کے سب سوامی نارائن جی کے اپنے ذاتی تجربہ کی بنیاد پر اور کچھ تھوڑے دوسرے رام بھگتوں کی شہادت کے مطابق درج کئے گئے ہیں۔

حجم قریباً ۲۳۶ صفحہ۔ قیمت قسم اوّل مجلد (عہ) قسم دوم غیر جلد بارہ آنہ ۱۲ر

سوامی رام تیرتھ جی کی چار پیاری پستکیں

یعنی

تصنیفاتِ باوا نگینا سنگھ صاحب آنجہانی آتم درشی

(۱) ویدانو وچن (اُردو) یہ کتاب ویدانت کے پریمیوں اور خاصکر اُردو خواں اصحاب کے لئے ازحد مفید ہے۔ کرم کانڈ۔ گیان کانڈ۔ پیدائشِ دُنیا و انسان۔ برہم گیان۔ مُکتی یعنی (نجات) ۔ اور اُپنشدوں کے دقیق فلسفہ کو معمولی عبارت میں تشریح کیا گیا ہے۔ اور آخر میں مشکل الفاظ کا فرہنگ بھی دیا گیا ہے۔ یہ کتاب ویدانت کے پریمیوں کو بغیر کسی دیگر امداد کے جلد اصل مقصد پر پہنچانے والی ہے اور اِس میں کو رگ بالا مضامین جن کا بغیر سنسکرت و یاکرن پڑھے سمجھنا ازحد مشکل ہے نہایت عام فہم اور سلیس عبارت میں دیئے گئے ہیں جسکو معمولی استعداد کا آدمی بھی سمجھ سکتا ہے۔ پہلے یہ کتاب قلمی نسخے کی شکل میں تھی۔ مگر شری سوامی رام تیرتھ جی مہاراج کے حکم کو پورا کرنے کی غرض سے اُنکے شاگرد رشید شری سوامی نارائن جی نے اُسکو چاردیا۔ چھپوایا۔ رائے صاحب لالہ ہرنرائن جی ہوم منسٹر ریاست کشمیر۔ لائق شاگرد مصنف کتاب ہذا کی قلم سے تمہید و دیباچہ بھی شروع میں دیئے گئے ہیں۔

فہرست ابواب (۱) تعلیم اوّل (علم معاملہ یعنی کرم کانڈ میں) (۲) تعلیم دوم (علم مکاشفہ یعنی گیان کانڈ میں) (۳) تعلیم سوم (مطلق و مقید کے بیان میں) (۴) مفصل فرہنگ مشکل الفاظ ردیف وار۔

حجم تقریباً ۶۰۰ صفحہ

قیمت ۔ قسم اوّل مجلد (عہ؎) قسم دوم مجلد (عہ؎)

(۲) **معیار المکاشفہ** ۔ اِس میں چھاندوگ اُپنشد کے چھٹے باب کی مفصل شرح معہ نہایت دلچسپ حالاتِ زندگی مصنف کتاب ہذا درج ہے۔ اسی باب کو پڑھتے پڑھتے باوا صاحب کو انکشافِ ذات ہوا تھا۔ سوامی رام تیرتھ جی مہاراج کی ہدایت سے یہ کتاب سب سے پہلے ۱۹۰۰ء میں شائع کی گئی تھی۔ اب ویدانت پریمیوں کے پے در پے تقاضوں پر لیگ سے دوبارہ اِس کی اشاعت کرائی گئی ہے۔ اور مشکل الفاظ کا فرہنگ بھی کتاب کے شروع میں دیا گیا ہے۔ ہر ایک طالبِ حق کو اِس کا مطالعہ ضرور بالضرور کرنا چاہئے۔

حجم تقریباً ۲۰۰ صفحہ۔

قیمت ۔ قسم اوّل مجلد آرٹ پیپر (عہ) قسم دوم بلا جلد (عہ)

(۳) **رسالہ عجائب العلم** ۔ باوا صاحب کی یہ تصنیف پہلی ہر دو تصانیف سے بہت ہی زیادہ بڑھ چڑھ کر ہے۔ اگرچہ اِس مختصر نسخہ میں ذاتِ حق کو بحیثیت ہستی و علم و سُرور (ستچدانند) مجسّم کرکے نہایت ہی موثر دلائل و سلسلہ سے چند لیکچروں میں واضح کیا ہے۔ لیکن ایک ایک لیکچر کیا ہے۔ گویا سمندر کوزہ میں بھرا ہوا ہے۔ اِس کے مطالعہ سے بڑے بڑے قلبی وہم مفقود ہو جاتے ہیں اور تشکی جیت بھی علم الیقین کی منزل تک پہنچا ہوا حق الیقین کا لطف اُٹھانے لگ جاتا ہے۔ جو اسے باغور پڑھے گا اپنے تجربے سے آپ ہی داد دے گا۔

حجم ۔ تقریباً ۱۳۰ صفحہ سائز ۱۸ x ۲۲

قیمت ۔ قسم اوّل مجلد آرٹ پیپر بارہ آنے (۱۲) قسم دوم بلا جلد چھ آنے (۶)

(۴) **جگیاسا پرکیہ** ۔ یعنی ایشا واسیہ اُپنشد کا اردو ترجمہ جس کو باوا انگیناسنگھ صاحب

ہندی آنجہانی نے شنکر آچاریہ کے سدّھانت کے مطابق نہایت ہی واضح و مفصل شرح
کے ساتھ کیا ہے اور اُسکو اپنے اُس وقت کے آقا مہاراجہ صاحب بہادر کپورتھلہ کے
نام نامی سے منسوب کرکے اُس کا نام جگجیت پرکیہ رکھا ہے۔ یہ ترجمہ پہلے پہل سمت ۱۹۴۶
بس یعنی پورے اکتالیس برس ہوئے شائع ہوا تھا تب سے دوبارہ اشاعت کئی وجوہات
سے نہ ہوسکی۔ کچھ عرصہ ہوا باواجی کے شاگرد رشید راجہ صاحب بابو ہرنرائن سابق ہوم منسٹر
ریاستِ کشمیر سے یہ شائع شدہ نسخہ لیگ کے ہاتھ لگا۔ اور طالبانِ حق کے فائدے کے لئے اسے
ابھی شائع کیا گیا ہے۔
حجم فرسا ۹۰ صفحہ قیمت قسم اوّل آرٹ پیپر و مجلد بارہ آنے (۱۲) قسم دوم غیر مجلد چھ آنے (۶)

انگریزی تصنیفات

(۱) کلیاتِ رام جو ابتک چار جلدوں میں منقسم تھیں اور قیمت فی جلد ۲ روپیہ تھی لیکن اب سات جلدوں میں شائع کی جارہی ہیں۔ اور جسکا حجم فی جلد تقریباً ۲۸۴ ہے قیمت فی جلد عہ اور ساتوں جلدوں کی ۱۴ روپیہ
(۲) ہارٹ آف رام۔ (رام ہردیہ) قیمت قسم اول مجلد عہ روپیہ قسم دوم بلا جلد ۱/۸
(۳) پوئیمز آف رام (نظمِ رام) " عہ
(۴) مختصر سوانح عمری رام معہ ایک لیکچر بر ریاضی ۱/۸
(۵) سٹوری آف رام از قلم سردار پورن سنگھ جی مرحوم —— ۱/۸ سے ، روپیہ

ہندی تصنیفات

(۱) متذکرہ بالا کل اُردو و انگریزی تصانیفِ رام کا ہندی ترجمہ جو بعنوانِ رام تیرتھ گرنتھاولی کے ۲۸ حصوں میں شائع کیا گیا تھا اور اب ۹ یا دس جلدوں میں نکالا جارہا ہے اور جسکے شروع کے نو حصے تین جلدوں میں ابتک نکل چکے ہیں۔ قیمت فی سیٹ کل ۲۸ حصوں کا قسم اوّل و مجلد ۱۵ روپیہ
قیمت " قسم دوم بلا جلد ۱۰ روپیہ

(۲) تیرتھ رام کے ۹ حصوں کی تین جلدیں قیمت فی جلد قسم اوّل مجلد عہ قسم دوم بلا جلد (علہ)

باقی متفرق چھوٹے چھوٹے فی کاپی ۱۲ / ۸ /

(۳) دس اُپنیشد یعنی رام بادشاہ کے دس حکمنامے مجلد حجم قریباً ۲۴۵ صفحہ قیمت فی جلد عہ

(۴) مختصر رام جیونی صفحہ ۶۴ بلا جلد ۴ /

(۵) وید انودچن ہندی صفحہ ۵۵۰ سے زائد قیمت قسم اوّل مجلد للعہ روپیہ قسم دوم عہ

(۶) آتم ساکشاتکار کی کسوٹی (معہ اردو کا نسخہ ہندی) صفحہ قریباً ۵۰، قیمت قسم اوّل مجلد ۱۲/ قسم دوم ۸/

(۷) بھگوت گیتا پر ہندی شرح (ویاکھیا)

از قلم شری آر۔ ایس۔ نارائن سوامی جی گرو رشید شری رام سوامی رام تیرتھ جی مہاراج۔

حجم ہر دو جلد کا قریباً ڈیڑھ ہزار صفحہ قیمت فی جلد عالہ روپیہ

اوکاڑہ پنجاب سے

پنڈت نرمل چندر جی ایڈیٹر گیان امرت کی مشہور کتابیں

(۱) نورِ زندگی اس میں تصوف (ویدانت) کے مختلف امور بڑی بسدھی سادی زبان میں واضح کئے گئے ہیں جس سے معمولی لیاقت کا آدمی بھی اسکے مطالعہ سے آتم گیان کے مرحلوں کو جلد سمجھ سکتا ہے۔ یہ دوسری بار چھپ رہی ہے ۱۹۳۱ء میں شائع ہوگی حجم قریباً ۷۵۰ صفحہ اور قیمت فی جلد عہ روپیہ

(۲) پورن دھرم گیان یوگ۔ اس کتاب میں پہلے دھرم کی اصلی حقیقت بیان کرکے چار بڑے اہم سوالات پر قدیم اور نئی روشنی بہترین طریق سے ڈالی گئی ہے سوالات یہ ہیں۔ (۱) میں کون ہوں (۲) یہ دنیا کیا ہے؟ (۳) یہ دنیا کیوں ہے؟ (۴) ہمارے جیون کے معنی کیا ہیں؟ آخر میں اپنی زندگی کو سپھل کرنے اور معرفت حقیقی کو حاصل کرنے کی عملی تدابیر بتائی گئی ہیں۔ قیمت صرف ایک روپیہ (عہ)

(۳) پورن یوگ۔ اور اسکا اُپدیشہ۔ یہ شری اروند گھوش کی ایک مشہور تصنیف کا اردو ترجمہ ہے قیمت فی کاپی ۴ /

(۴) سوراجیہ گیتا۔ اندرونی اور بیرونی سوراجیہ کا بہت شاندار یعنی ایک نرالے طرز کی کتاب قیمت فی کاپی (۶/)

پتہ شری رام تیرتھ پبلیکیشن لیگ نمبر ۲۵ مارواڑی گلی لکھنؤ